ابلیسِ مصر

الماس ایم اے

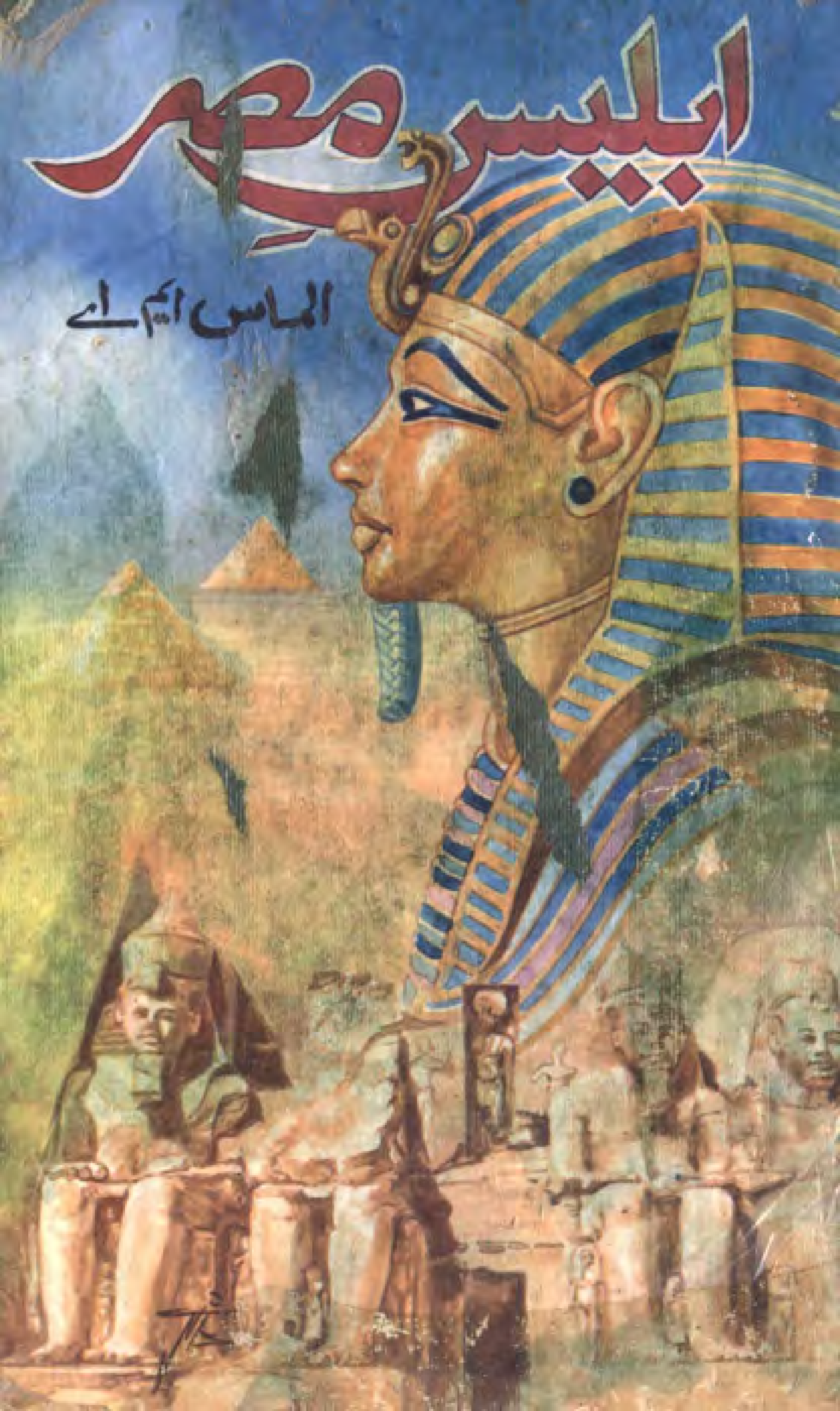

انتساب

میں اپنے اس قرآنی اور ناقابل فراموش تاریخی کہانیوں
کے مجموعہ کو بصد خلوص و محبت
نونہال اور نو شگفتہ
فہد علی قریشی ولد محمد علی قریشی
کے نام اس دعا کے ساتھ
انتساب کرتا ہوں
کہ خداوند ذوالجلال اس بچہ کو علم و عمل
کی بے بہا خوبیوں سے نوازے اور اسے
عمر خضر عطا فرمائے

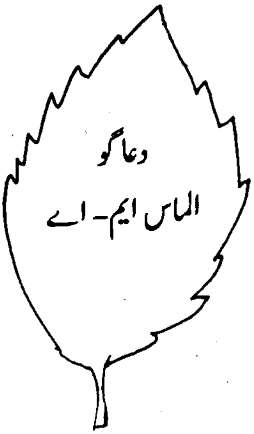

غریب شہر

ادب کے نقیب کہتے ہیں
کہ تاریخی کہانیاں اور اسلامی تاریخی ناول
جھوٹ کا پلندہ ہوتے ہیں
جس میں صحیح تاریخ پیش کرنے
کی بجائے تاریخ کا چہرہ مسخ کر دیا جاتا ہے۔
میں بڑے ادب سے
ایسے نقیبوں اور نقادوں کے حضور
یہ کہانیاں اس اعتماد کے ساتھ پیش کر رہا ہوں
کہ ان میں سے اگر کسی ایک کہانی کو ثابت
کر دیا جائے کہ اس میں تاریخ سے گریز کیا گیا ہے
یا اس کا چہرہ مسخ کیا گیا ہے
تو کم از کم میں آئندہ تاریخی کہانی یا ناول لکھنے کی
کوشش نہیں کروں گا۔
واضح رہے کہ اس مجموعہ کی تین کہانیوں
کو نہ صرف قرآن حکیم سے اخذ کیا گیا ہے
بلکہ ان کے بیشتر مکالمے بھی قرآن حکیم سے ماخوذ ہیں۔

خاکسار

الماس ایم۔ اے

ترتیب

(1)	داستانِ حوا	11
(2)	دامنِ یوسف	56
(3)	قَطّامہ	133
(4)	ابلیسِ مصر	176
(5)	سلمان بلقیس سُبا	208
(6)	سجاح بنتِ حارثہ	258

☆ ❑ ☆

داستان حوا

روایات صحیحہ میں مرقوم ہے کہ خداوند وحدہ لا شریک کو جب اپنا اظہار مقصود ہوا تو اس نے اپنے نور کے ایک ذرے کے لاکھویں حصے کو الگ کیا ... پھر نور مستعار کی تابندگی اور درخشندگی کو ایک ہیولے میں منتقل کیا اور اس نورانی ہیولے کو وہ حسن عطا کیا کہ خود اس حسن پر فریفتہ ہو گیا۔ اس نور کو سدرۃ المنتہی میں رکھا اور اس کے لئے عالم امکان' زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی۔ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی خاطر و مدارات اور ناز برداری خداوند تعالٰی کو صرف اس لئے منظور تھی کو اس نے اس نور کو آدم میں منتقل کر دیا تھا۔

یہ ساتواں آسمان ہے

ستر ہزار پردوں میں پوشیدہ' جلوۂ خداوندی کی کرنیں عرش اعلٰی کے گرد منعکس ہیں۔ پیامبر فرشتہ جبرئیل امین سربسجود ہے ... ہاتھ پیروں میں کپکپاہٹ' جسم لرزاں' آنکھیں خیرہ ... یہی وہ مقام ہے جس کے آگے جانے کی نہ تو جبرئیل کو اجازت ہے اور نہ جرات' اگر قدم بڑھائے تو حکم عدولی کی سزا پائے اور پر جل اٹھیں۔

جبرئیل نے بعد سجدہ سر اٹھایا ... مگر نظریں نیچی' تاب نظارہ کہاں جبرئیل نے دایاں ہاتھ عرش کے پائے پر رکھا اور کمال احترام و ادب سے بولا ...

"اے' باری تعالیٰ' تیرا بندہ آدمؑ ابو البشر' جنت میں بھی افسردہ ہے' آخر کیوں؟"

یہ سوال جبرئیل نے حضرت آدمؑ سے بہشت برس میں بھی کیا تھا لیکن آدمؑ اس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے تھے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ انہیں خود بھی نہیں معلوم تھا کہ عیش و عشرت کے تمام لوازمات کی موجودگی کے باوجود وہ افسردہ کیوں ہیں ... ان کا دل اس پر مسرت مقام پر کیوں نہیں لگتا۔

جبرئیل امین نے جب حضرت آدمؑ سے معقول جواب نہ پایا تو عرش اعلیٰ کے نیچے پہنچ کر خداوند تعالیٰ سے اپنا سوال دہرایا۔ کیونکہ آدمؑ کی نگہداشت کی تمام تر ذمہ داری اسی کے سر تھی۔

ایک لمحے بعد پردہ غیب سے ندا آئی۔ "اے جبرئیل! ہم نے ابو البشر آدمؑ کو کیا نہیں دیا"۔

"تو نے آدمؑ کو سب کچھ عطا فرمایا ہے' اے' رب عالم!" جبرئیل نے پایہ عرش کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "یہ سبزہ زار' یہ ثمربار اشجار' یہ گل بوٹے' یہ قصرہائے زریں' یہ چشمہ کوثر' نکہت و رنگ و بو کے تمام سامان تو نے آدمؑ کی دلبستگی کے لئے پیدا کئے لیکن ابو البشر اب بھی ... افسردہ ہے۔ یہ عقدہ اس عاجز کی عقل سے بالا تر ہے' اے مالک و خالق تو مخرج عقل و دانش ہے تو ہی اس الجھن کو دور کر تاکہ میں نگہداشت آدمؑ کا فرض پوری طرح ادا کرسکوں۔"

جبرئیل کے جواب میں جلال خداوندی کا قدرے اظہار ہوا۔ ندائے ربی بلند ہوئی۔ "کیا ہم نے محض آدمؑ کی خاطر اپنے عظیم فرشتے ابلیس کو مردود نہیں کیا؟"

"بے شک میرے مولا!" جبرئیل نے کہا۔ "تیرے حکم پر۔ جب ابلیس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو تو نے اسے راندہ درگاہ کر کے ہمیشہ کے لئے مردود کر دیا۔ مگر آدم پھر بھی افسردہ ہے' میرے رب!"

بارگاہ الٰہی سے آواز آئی۔ "اے جبرئیل! آدمؑ کے اس کفران نعمت کے باوجود ہمیں اس کی خاطر منظور ہے۔ اے جبرئیل! جاؤ اور آدمؑ کو مژدہ سناؤ کہ ہم نے اس کی افسردگی' فکر اور تردد دور کیا۔ وہ خوشی سے ہمکنار ہو گا مگر خبردار! خوشہ گندم کے قریب نہ جائے۔ وہ شجر اب بھی اس کے لئے ممنوع ہے۔"

عرش سے آواز آنا بند ہوئی تو حضرت جبرئیل یہ مژدہ جانفزا لے کر بہشت بریں کی طرف مائل پرواز ہوئے۔

○

جبرئیل امین جس وقت خدا کا پیغام لے کر حضرت آدمؑ کے پاس پہنچے تو حضرت آدمؑ عبادت الٰہی سے فارغ ہو کر' انگور کی بیل کے قریب سبزہ زار پر سر جھکائے بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے۔ جنت میں حضرت آدمؑ کا لباس پتوں کا ہوتا تھا اور بعض روایتوں کے مطابق حضرت آدمؑ کا لباس قدرت نے خود مہیا کیا تھا۔ یہ لباس ہمارے ناخنوں کی مانند تھا۔ بالکل ناخنوں جیسا نرم اور شفاف کپڑا انہیں ستر پوشی کے لئے دیا گیا تھا۔ یہی روایت زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت آدمؑ سے جنت میں کوئی کام لینا مقصود نہ تھا۔ اس لئے ان کے لئے ہر چیز غیب سے پیدا کی گئی تھی۔ اگر ان کا لباس پتوں کا ہوتا تو ظاہر ہے کہ انہیں روزانہ تازہ پتے اکٹھا کرنے میں زحمت اٹھانا پڑتی ... اور خدا کو انہیں تکلیف دینا منظور نہ تھا۔

حضرت جبرئیل کے پروں کی آواز سنی تو خیالات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ حضرت جبرئیل ان کے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"اے' جبرئیل امین! اس وقت آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟"

"عرش اعلیٰ سے اے ابو لبشر!" جبرئیل امین نے جواب دیا۔

"یہ تو میں جانتا ہوں۔" حضرت آدمؑ نے کہا۔ "آپ بارگاہ الٰہی کے پیامبر ہیں لیکن اس وقت آپ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا ہے میں اس کا سبب دریافت کر رہا ہوں۔"

"ہاں' ابو لبشر! اس وقت میں بہت خوش ہوں۔" جبرئیل امین نے کہا۔ "اس کا

سبب میں ضرور بتاؤں گا لیکن میں پہلے آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں؟"

"کیوں نہیں، ضرور پوچھیے۔" حضرت آدمؑ بولے۔ "میں تو آپ کے آنے سے بہت خوشی محسوس کرتا ہوں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ اجازت دے تو آپ میرے پاس ہی رہا کیجئے۔"

جبرئیل امین کو حضرت آدمؑ کی اس خواہش سے بڑی مسرت ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ "مجھے بھی فخر ہے کہ میں آپ جیسی عظیم ہستی کی خدمت پر مامور ہوں" جبرئیل امین کو ایک دم خیال آیا کہ انہیں مستقبل کے حالات بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے وہ خاموش ہوگئے۔"

"جبرئیل امین! آپ خاموش کیوں ہو گئے؟" حضرت آدمؑ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اے، ملائکہ پر فوقیت اور افضلیت رکھنے والے آدم!" جبرئیل نے کہنا شروع کیا۔ "بارگاہ الٰہی کے حکم کے مطابق میں آپ کی نگہداشت پر مامور کیا گیا ہوں لیکن کچھ عرصے سے میں بہت پریشان تھا۔ میری پریشانی کی وجہ آپ کی افسردگی تھی۔ اس سلسلے میں، میں نے آپ سے بھی کئی بار دریافت کیا لیکن آپ کچھ نہ بتا سکے۔ میری پریشانی بڑھتی گئی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں آپ کے بارے میں غفلت برت رہا ہوں۔ اس لئے آج میں نے مجبور ہو کر دربار اعلیٰ میں آپ کا حال بیان کیا۔ خداوند عالم نے آپ کے حالات میں بڑی دلچسپی کا اظہار فرمایا"۔

حضرت آدمؑ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ انہوں نے حضرت جبرئیل کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "جبرئیل امین! ذرا ٹھہریئے۔ پہلے میں اس بات کا شکرانہ تو ادا کر لوں کہ اس مالک کون و مکاں نے اس بندہ خاکی کے حالات میں دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے حضرت آدمؑ سجدے میں گر گئے اور دیر تک آنسو بہا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہے پھر وہ سیدھے ہو کر بیٹھے اور بولے۔ "ہاں، جبرئیل امین! اب آپ آگے فرمائیے۔ میں گوش بر آواز ہوں؟"

حضرت جبرئیل نے کہا۔ "اے، جبرئیل امین! میں، آپ کی بات سمجھ نہیں سکا ذرا وضاحت فرمائیے؟"

"میں یہی وضاحت لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آدمؑ کو یہ خوشخبری سنائی جائے کہ اس کی اداسی دور کی گئی اور اب وہ جنت میں اسی طرح خوش و خرم رہیں جس طرح روز اول تھے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی ہے کہ شجر ممنوعہ کے قریب نہ جائیں اور شیطان کے دھوکے میں نہ آئیں۔"

حضرت آدمؑ ابھی اس بات پر غور ہی کر رہے تھے کہ حضرت جبرئیل کو ایک اشارہ رب، عرش اعلیٰ سے موصول ہوا۔ جبرئیل امین نے فوراً" اپنے پروں کو جنبش دی۔ ان پروں سے ایسی خوشبو اور ہوا پیدا ہوئی کہ حضرت آدمؑ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ ان کی آنکھیں بند ہوگئیں اور ان کا سر سبزے سے لگ گیا۔ جبرئیل امین کے پروں کی ہوا سے حضرت آدمؑ کو نیند آگئی گہری نیند۔ یہ عرش و فرش کی پہلی نیند تھی جو حضرت آدمؑ پر بھیجی گئی۔

○

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام خلاق عالم کی بھیجی ہوئی پر سکون نیند کی آغوش میں تھے۔ اس نیند سے پہلے جنت کی دلچسپیاں اور دل فریبیاں، ان کو ہیچ معلوم ہوتی تھیں۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو، پرندوں کی خوش الحانی، جھرنوں کا شور، حوض کوثر کا شیریں پانی، سرسبز اور شاداب کوہ و دمن کے گل بوٹے، باد صرصر کے خنک جھونکے، غرض کہ بہشت کے تمام سامان اور نظارے حضرت آدمؑ کی خستگی، شکستگی اور افسردگی کو دور نہ کر سکے۔ ان کے لئے مناظر و سامان عشرت اپنی جاذبیت کھو چکے تھے اور بظاہر اب کوئی ایسی چیز باقی نہ تھی جو انہیں فرحت و آسودگی قلب مہیا کر سکتی لیکن کارخانہ قدرت میں کس چیز کی کمی ہے کس مرض کا علاج نہیں اور کس دکھ کا مداوا نہیں؟

ایک صحیفہ آسمانی توریت کے اس بیان کی امام رازیؒ اور علامہ ابو السعید نے تصدیق کی ہے کہ نکہت و نور کا وہ خمیر جو حضرت آدمؑ کی جسمانی ساخت کے لئے تیار کیا گیا تھا اس کا کچھ حصہ، جسم آدمؑ کے تیار ہو جانے کے بعد باقی بچ رہا تھا جسے دست قدرت نے ایک اور حسین پیکر میں ڈھال دیا اور اس پیکر میں روح پھونک کر اس کا نام ام البشر (انسانوں کی ماں) حضرت حوا رضی اللہ عنہ رکھا گیا۔

پھر جب انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کھلی حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو پیغام، حضرت جبرئیل کے ذریعے، ان کی افسردگی دور کرنے کے لئے بھیجا تھا یہ اس کی سچی تعبیر ہے تو حضرت آدمؑ اٹھ بیٹھے اور بڑی دلچسپی اور پیار سے اپنی رفیق تنہائی اور جیون ساتھی کو دیکھنے لگے۔ حضرت آدمؑ کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اللہ نے ان کی تنہائی دور کرنے کے لئے حسن و جمال کا ایک ایسا پیکر ان کے پاس بھیجا ہے جس کی خوشبو پھولوں سے افضل اور جس کا حسن، جنت کے دلفریب نظاروں سے کہیں زیادہ بالاتر ہے۔

حضرت حواؑ بھی خالص نسوانی انداز میں سر جھکائے کن انکھوں سے حضرت آدمؑ کو بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں اور خوش تھیں کہ وہ جنت میں تنہا نہیں بلکہ ان کا رفیق بھی موجود ہے جو بہشت کی تمام رعنائیوں پر فوقیت رکھتا ہے۔

پھر حضرت حواؑ نے ڈرتے ڈرتے حجاب آلود نظریں اٹھائیں اور ان کی نظر حضرت آدمؑ کی نظر سے ٹکرائی جو پہلے ہی انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔

ان دو نظروں کا ملنا تھا کہ حضرت آدمؑ کے لئے وہ بہشت جس کے نظارے سے وہ دل گرفتہ ہو گئے تھے ایک بار پھر بہشت بن گئی۔ جاتی ہوئی بہاریں لوٹ آئیں، کلیاں چٹک پڑیں، پھول مسکرا اٹھے اور صبا کے مست جھونکے چلنے لگے۔ آدمؑ کو ہر چیز جاذب نظر اور نظر افروز دکھائی دینے لگی۔ حضرت حواؑ کی موجودگی نے بہشت کی رونق میں ہزار گنا اضافہ کر دیا تھا۔

حضرت آدمؑ نے پیار بھری نظروں سے حضرت حواؑ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

حضرت حواؑ کی نظریں حجاب سے جھک گئیں اور انہوں نے مترنم لہجے میں جواب دیا۔ "میں آپ کے اجزائے جسم ہی میں سے ایک جزو ہوں۔"

"تمہیں کس نے پیدا کیا؟" حضرت آدمؑ نے سوال کیا۔

"اللہ تعالیٰ نے۔" حضرت حواؑ شرمائے ہوئے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"شکر الحمد للہ!" حضرت آدمؑ نے کہا۔ "تم کس ضرورت سے یہاں آئی ہو؟" ان

کو خیال ہوا کہ شاید یہ عارضی ملاقات ہے اور یہ حسین پیکر جس مقصد کے تحت یہاں بھیجا گیا ہے اسے پورا کر کے واپس چلا جائے گا۔

حضرت آدمؑ کے اس سوال پر حضرت حواؑ اور زیادہ شرما گئیں اور اسی طرح نظریں جھکائے جھکائے جواب دیا۔ "اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت کے لئے بھیجا ہے اور آپ کی زوجیت میں دیا ہے۔"

یہ سن کر حضرت آدمؑ کا دل باغ باغ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو حسین رفیق زندگی عطا کیا تھا اس کے شکرانے کے لئے بڑے عجز و نیاز سے اس کے حضور سر بسجود ہو گئے۔

بہشت بریں کے دو خاکی پیکروں یعنی حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے درمیان ہونے والی اس پہلی گفتگو کو حضرت جبرئیل چند دوسرے فرشتوں کے ساتھ قریب کھڑے بڑے غور سے سن رہے تھے۔ جب حضرت آدمؑ سجدے میں گئے تو یہ فرشتے، ان کے قریب آ گئے۔

حضرت آدمؑ نے سجدے سے سر اٹھایا تو حضرت جبرئیل کو دوسرے فرشتوں کے ساتھ اپنے سامنے پایا۔ حضرت آدمؑ مسکرائے اور بولے "اے، جبرئیل! اللہ جل شانہ، نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور مجھے ایک ایسا رفیق دے دیا جس نے میری تمام کلفتیں اور اداسیاں دور کر دیں۔"

"مبارک ہو، اے ابو البشر!" حضرت جبرئیل نے فرمایا۔ "اللہ نے آپ کو ایک ہمدرد اور رفیق سفر دے کر اپنا وعدہ تو پورا کر دیا لیکن کیا یوم الست (روز ازل) جو وعدہ آپ نے اپنے اللہ سے کیا تھا، وہ، آپ کو یاد ہے؟"

"کیوں نہیں، اے پیامبر بارگاہ الہٰی!" حضرت آدم بولے۔ "مجھے وہ وعدہ یاد ہے اور میں اسے ضرور پورا کروں گا۔"

حضرت جبرئیل نے حضرت آدم پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا ... "تو، اے ابو البشر! ہمیں بتائیے کہ روز ازل آپ نے اپنے اللہ سے کیا وعدہ کیا تھا؟"

"صراط مستقیم پر چلنے کا وعدہ۔" حضرت آدمؑ نے فوراً جواب دیا۔ "ان باتوں یہ

عمل جن کا حکم اللہ نے دیا ہے اور جو اس کی خوشنودی کا باعث ہیں اور ان باتوں سے پرہیز جن سے میرے خالق نے مجھے منع کیا ہے کیونکہ وہ اس کے عتاب غیظ و غضب کا سبب ہیں۔"

حضرت جبرئیل خوش ہو کر بولے۔ "درست فرمایا' آپ نے ... ابو البشر!" پھر حضرت جبرئیل نے فرشوں کو اشارہ کیا اور تمام فرشتے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے۔

حضرت جبرئیل نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اے ابو البشر! اب اللہ تعالیٰ آپ دونوں کا عقد کر کے آپ کو رشتہ ازدواج میں منسلک کرے گا لیکن اس سے پہلے' آپ ہمارے چند سوالوں کے جواب دیجئے۔؟"

"ضرور پوچھئے۔" حضرت آدمؑ بولے۔ "میں آپ کے تمام سوالوں کے جواب دینے پر آمادہ ہوں۔"

حضرت جبرئیل نے پہلا سوال کیا۔ "اے ابو البشر آپ صاحب علم ہیں۔ یہ بتائیے کہ آپ کے اس مونس و ہمدرد کا نام کیا ہے؟"

حضرت آدمؑ نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کیں۔ بحر علم میں غوطہ زن ہوئے پھر آنکھیں کھول کر جواب دیا۔ "اے جبرئیل! میری اس غمگسار اور مونس و ہمدرد کا نام حضرت حواؑ ہے۔"

"لاریب ... لاریب! (بے شک)" حضرت جبرئیل نے پھر پوچھا۔ "اس بات کی وضاحت اور فرمائیے کہ ان کا نام حضرت حواؑ کیوں رکھا گیا؟"

حضرت آدمؑ نے پھر غور کیا۔ آنکھیں بند کیں۔ علم و دانش' فہم فراست کی گہرائیوں تک نظریں دوڑائیں اور جب گوہر مقصود ہاتھ آیا تو آنکھیں کھول کر فرمایا۔ "**لانها خلقت من حی** (اس لئے کہ یہ زندہ شے سے پیدا کی گئی ہیں)۔"

"روایت ہے کہ حضرت حواؑ' حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں۔

حضرت جبرئیل کی زبان سے بے ساختہ "**سبحان اللہ**" نکلا۔ اسی وقت حکم باری تعالیٰ سے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کا عقد ہوا اور فرشتوں نے جنت کے میووں سے

منہ میٹھا کیا۔

○

بہشت بریں میں ایک مشت خاک سے بنا ہوا یہ پہلا انسانی جوڑا نئے میاں بیوی کی طرح اپنے شب و روز گزارنے لگا۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو عبادت' ریاضت اور شکر گزاری سے جو وقت ملتا اس میں یہ دونوں بہشت کی سیر کرتے۔ ہرے بھرے سبزہ زار' خوبصورت آبشار' غرض وہ کون سی ایسی نعمت تھی جو خدا نے ان کو عطا نہ کی تھی۔ بہشت کی فضائیں حضرت حواؑ کے حسن سے منور اور تبسم سے نغمہ بار تھیں۔

یوں تو حضرت حواؑ کی پیدائش سے پہلے بھی حضرت آدمؑ جنت کی سیر کرتے تھے مگر اب تو ایک ہم جنس کی موجودگی نے جنت کے نظاروں کو اور دلکش بنا دیا تھا۔ حضرت آدمؑ نے اب تک پوری طرح بہشت کی سیر نہ کی تھی۔ حضرت حواؑ کی معیت حاصل ہوتے ہی انہوں نے ایک ایک چیز کو دیکھنا اور اس کا جائزہ لینا شروع کیا۔

ایک دن حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں انہیں چار نہریں بہتی نظر آئیں۔ ایک نہر صاف شفاف اور پاکیزہ پانی کی تھی۔ دوسری نہر خالص سفید دودھ کی تھی۔ تیسری نہر شراب طہور اور چوتھی خالص شہد کی تھی۔ یہ وہ نہریں تھیں جن کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ نے مصفا پانی کی نہر میں غسل فرمایا۔ بھوک محسوس ہوئی تو دودھ کی نہر سے اشتہا دور کی۔ شہد کے دو گھونٹ پیے تو جسم میں توانائی آگئی شراب طہور سے فرحت حاصل کی۔ دونوں میاں بیوی ہر نہر کا ذائقہ چکھتے' لطف اٹھاتے اور پھر شکر الٰہی بجا لاتے۔

ام البشر حضرت حواؑ کے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ کیوں نہ نہروں کا منبع معلوم کیا جائے اور اس مقام کا نظارہ کیا جائے جہاں سے یہ نہریں نکلتی ہیں۔ چنانچہ وہ ایک نہر کے کنارے کنارے چلنے لگیں۔

حضرت آدمؑ نے پوچھا۔ "اے حواؑ کس طرف جا رہی ہو؟"

حضرت حواؑ جواب دینے کی بجائے حضرت آدمؑ سے سوال کیا۔ "کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ نہریں کہاں سے نکلی ہیں؟"

"نہیں مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔" حضرت آدمؑ نے کہا۔ "میں خود پہلی بار اس طرف آیا ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ بہشت اس قدر طول طویل ہے کہ اس کے سرے تک پہنچنا ہی مشکل ہے۔ میں تو اب تک ایک حصہ بھی نہیں دیکھ سکا ہوں۔"

حضرت حواؑ بولیں۔ "تو چلئے' آج پتہ لگاتے ہیں کہ یہ نہریں کہاں سے نکلی ہیں۔"

حضرت آدمؑ ان کی خوشی کے لئے رضامند ہوگئے اور ان کے ساتھ چلتے ہوئے بولے۔ "آپ کہتی ہیں تو ہم چلتے ہیں لیکن جب بہشت کے سرے تک پہنچنا مشکل ہے تو پھر ان نہروں کے منبع تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟"

اس طرح باتیں کرتے ہوئے دونوں نہر کے کنارے کنارے گھنٹوں چلتے رہے لیکن نہر کے مخرج کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ چلتے چلتے حضرت آدمؑ یکایک ٹھہر گئے۔

آپ رک کیوں گئے؟ حضرت حواؑ نے دریافت کیا۔

"اے حواؑ ہم سے بڑی غلطی ہو گئی۔ خدا ہم سے ناراض ہو گیا ہے۔"

حضرت آدمؑ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر حضرت حواؑ پریشان ہوگئیں۔ انہوں نے پوچھا۔ "ہمیں بھی بتائیے' کیا غلطی ہو گئی اور اب اس کا تدارک کیسے ہو سکتا ہے؟"

"مجھے فرشتے نے تعلیم دی تھی کہ ہر نیا کام کرنے سے پہلے اپنے رب کا نام لینا چاہیے۔" حضرت آدمؑ بڑی دل گرفتگی سے بولے۔ "آج جب ہم سیر کو نکلے اس وقت بھی میں نے رب کا نام نہیں لیا اور اس نہر کے کنارے کنارے چلنے سے پہلے بھی ہم نے اس کا نام نہیں لیا جس نے ہمیں اتنی نعمتیں عطا کی ہیں۔"

"بے شک' بے شک" حضرت حواؑ نے فرمایا۔ "مجھے اب یاد آگیا آپ نے خود مجھے بھی یہی تعلیم دی تھی کہ ہر کام کے آغاز پر رب کا نام ضرور لیا کرو تاکہ کام خوش اسلوبی سے انجام پائے اور تاخیر نہ ہو۔"

حضرت حواؑ نے فوراً" توبہ است غفار شروع کر دی۔ حضرت آدمؑ اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے میں مصروف ہو گئے۔

دونوں دیر تک گڑگڑا' گڑگڑا کر آنسو بہاتے رہے۔ جب دل کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا تو حضرت آدمؑ نے حضرت حواؑ سے کہا۔ "اچھا' اب کہو' **بسم اللہ الرحمن الرحیم**۔"

"**بسم اللہ الرحمن الرحیم**۔" حضرت حواؑ نے دہرایا ... اور پھر آگے چلنے کے لئے قدم اٹھایا لیکن ابھی ان کا قدم زمین پر پڑا بھی نہ تھا کہ حضرت جبرئیل' ان کے سامنے نمودار ہوئے اور بولے۔

"اے' ام البشر و حضرت حواؑ! اللہ نے آپ کی استغفار قبول کی اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اس مقام پر پہنچا دوں جہاں آپ دونوں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔"

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔

پھر حضرت جبرئیل نے اپنے پر پھیلائے اور کہا کہ آپ دونوں' آنکھیں بند کر کے میرے پروں پر ہاتھ رکھ لیجئے۔

حضرت حواؑ نے حضرت آدمؑ کی طرف دیکھا۔

"اے حواؑ! پروں پر ہاتھ رکھو۔" حضرت آدمؑ بولے۔ "مگر پہلے وہ اسم اعظم پڑھنا نہ بھولنا۔"

حضرت حواؑ نے فوراً" **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کہا اور آنکھیں بند کر کے حضرت جبرئیل کے پروں پر ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت آدمؑ نے بھی ان کی تقلید کی۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ نے آنکھیں کھولیں تو حضرت جبرئیل غائب تھے اور وہ دونوں ایک درخت کے قریب موجود تھے۔ اس درخت کی جڑ میں ایک قبہ (گول گنبد) تھا۔ یہ قبہ سفید رنگ کے ایک ہی موتی سے بنا ہوا تھا لیکن یہ اتنا بڑا تھا کہ دنیا کی اس کے سامنے کیا حقیقت۔ اس قبے میں زبرجد (ایک قیمتی ہیرا) کا ایک دروازہ تھا لیکن وہ بند تھا۔ حضرت آدمؑ نے اسے کھولنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہیں۔

"یہ دروازہ کس طرح کھلے گا۔ یہ تو اندر سے بند ہے؟" حضرت حواؑ نے کہا۔

حضرت آدمؑ سوچتے ہوئے بولے۔ "اے حواؑ! ہمیں بسم اللہ کا اسم اعظم تعلیم کیا گیا ہے۔ کیا عجب ہے کہ اس دروازے کی کنجی وہی ... اسم اعظم ہو۔"

حضرت حواؑ نے ان کے خیال کی تائید کی اور دونوں نے ایک ساتھ **بسم اللہ بسم اللہ الرحمن الرحیم** ۔ کہا۔

بسم اللہ شریف کا ان کی زبان سے نکلنا تھا کہ عظیم الشان دروازے کے پٹ کھل گئے۔ حضرت حواؑ نے مسکرا کر حضرت آدمؑ کو دیکھا پھر دونوں اس قبے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اندر جا کر دیکھا کہ اس قبے کے چاروں کونوں سے وہی چاروں نہریں جاری ہوئی ہیں۔ قبے کے ایک کونے پر "بسم اللہ" مرقوم ہے۔ دوسرے کونے پر لفظ "اللہ" چمک رہا ہے۔ تیسرے کونے پر "الرحمٰن" جگمگا رہا ہے اور چوتھے کونے سے لفظ "الرحیم" کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔

حضرت حواؑ نے دیکھا کہ بسم اللہ کے میم سے شفاف پانی کی نہر رواں ہے' اللہ کے ہ سے دودھ کی نہر جاری ہوئی ہے' رحمٰن کے نون سے شراب پاک کی نہر لہریں لیتی نکل رہی ہے اور رحیم کے میم سے شہد کی نہر نکل رہی ہے۔

اس قبے میں کچھ وقت گزارنے کے بعد حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ آگے روانہ ہوئے اور ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں انہیں ایک شہر نظر آیا۔ یہ شہر ہزار شہروں کے برابر طویل و عریض تھا۔ شہر میں ہزار محل سفید موتی کے تھے اور ہر محل میں ہزار دیوان خانے زبرجد سبز کے تعمیر تھے۔ دیوان خانوں کے اندر سونے کے جڑاؤ تخت بچھے ہوئے تھے۔ یہاں کے فرش پر ریشمی بوٹے دار اطلس بچھا تھا۔

اس عظیم الشان شہر' وہاں کے محلات اور دیوان خانوں کی سیر سے جب حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ واپس ہوئے تو انہیں ایک پہاڑ نظر آیا۔ اس پہاڑ کا نام جبل الرحمتہ ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک شہر ہے اس شہر کا نام مدینہ السلام ہے۔ مدینہ السلام میں بیت الجلال نام کا ایک اتنا بڑا کمرہ ہے جس کے چار ہزار دروازے ہیں۔ حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ جس دروازے سے داخل ہوتے انہیں یوں محسوس ہوتا جیسے نور خداوندی' ان کی آنکھوں کے سامنے پھیلا ہوا ہے۔

حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ اسی طرح روزانہ بہشت بریں کی سیر کو نکلتے اور مظاہر قدرت کا نظارہ کرتے مگر جنت کے نظارے کم ہونے میں نہ آتے تھے۔ ہر روز وہ کوئی نہ کوئی حیرت انگیز نظارہ دیکھتے اور شان خداوندی اور اس کی کاریگری پر عش عش کرتے۔ بہشت کی ہر چیز عقل انسانی سے ماورا تھی۔ جس چیز کو وہ ایک روز اہم تصور کرتے۔ دوسرے دن اس سے زیادہ حیرت انگیز یا فرحت انگیز نظارہ ان کی پیش نظر ہوتا۔

پھر ایک روز حضرت حواؑ' اس سمت چل پڑیں جدھر شجر ممنوعہ تھا۔ حضرت حواؑ بے خیالی کے عالم میں اس طرف جا رہی تھیں لیکن حضرت آدمؑ نے انہیں فوراً" روکا اور کہا۔ "اے حوا! کیا تم بھول گئیں کہ ہمیں' شجر ممنوعہ سے روکا گیا ہے۔"

حضرت حواؑ کے قدم رک گئے مگر وہ سوچتے ہوئے بولیں۔ "آپ نے اچھا کیا کہ یاد دلایا۔ میں تو بھول گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے خوشے' پھل اور پتیاں کھانے سے روکا ہے۔"

○

حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ کا یہ عیش و آرام شیطان کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ وہ تو حضرت آدمؑ کا ازلی دشمن تھا۔ ان کو سجدہ نہ کرنے کی پاداش میں وہ آسمان اور جنت سے نکالا گیا تھا... پھر بھلا وہ ان کو خوش کیسے دیکھ سکتا تھا۔

جب حضرت آدمؑ کو جنت میں بھیجا گیا تو اس کا خیال تھا کہ حضرت آدمؑ بہت جلد جنت کے نظاروں سے اکتا جائیں گے اور اللہ ناراض ہو کر انہیں وہاں سے نکال دے گا اور اگر اللہ اپنا کرم نہ کرتا تو شیطان کو یہ آرزو ضرور پوری ہوتی۔ کیونکہ حضرت آدمؑ واقعی جنت میں تنہائی کی وجہ سے افسردہ ہو گئے تھے اور اس طرح وہ ناشکری کے مرتکب ہو رہے تھے لیکن خداوند کریم نے ان پر رحم فرمایا اور انہیں ایک حسین ساتھی عطا کر دیا۔

شیطان اپنے داؤں پیچ میں لگا ہوا تھا اور کسی نہ کسی طرح حضرت آدمؑ سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جنت میں ایک شجر ممنوعہ ہے۔ جس کا پھل کھانے

سے حضرت آدمؑ کو منع کیا گیا ہے۔ اس نے سوچا کہ اگر کسی طرح حضرت آدمؑ کو یہ پھل کھلا دیا جائے تو حضرت آدمؑ پر خدا کے احکام کی خلاف ورزی کا الزام لگ جائے گا اور خدا انہیں سزا دے گا۔

آخر بڑی سوچ و بچار کے بعد، شیطان نے جنت میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ جنت میں اس کا داخلہ بند تھا۔ اگر وہ خود داخل ہونے کی کوشش کرتا تو رضوان (داروغہ جنت) اسے داخل نہ ہونے دیتا۔ شیطان اب اس فکر میں تھا کہ کسی طرح جنت میں داخل ہو جائے پھر وہاں پہنچ کر حضرت آدمؑ کو بہکانے اور ورغلانے کی تدبیر کرے۔

اس وقت تک چرند، پرند اور تمام جانوروں کو جنت میں جانے کی عام اجازت تھی۔ یہ جانور بہت لحیم و شحیم اور بھاری بھرکم ہوا کرتے تھے۔ آخر شیطان کو ایک ترکیب سوجھی۔ ایک دن وہ ایک خوبصورت ہرن کے پاس گیا اور اس سے کہا۔

"اے بھائی ہرن! تم کتنے خوبصورت ہو۔ تم جیسا حسین جانور تو اس جہاں میں موجود ہی نہیں۔"

ہرن فوراً سمجھ گیا کہ یہ شیطان ہے اور میری تعریف بلا مقصد نہیں کر رہا ہے ضرور اس کا کوئی مطلب ہو گا۔ اس نے کہا۔ "اللہ تعالیٰ نے ایک سے ایک خوبصورت جانور پیدا کیا ہے۔ میں بھلا کس شمار میں ہوں لیکن پہلے تو اپنا مطلب بیان کر۔ میں اگر سب سے زیادہ خوبصورت بھی ہوں تو غرور نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کا شکر ادا ضرور کروں گا۔"

شیطان مکاری سے بولا۔ "بھائی ہرن! تم تو ناراض ہو گئے۔ میرا مقصد تو یہ تھا کہ جنگل میں اس جانور کو حکومت کرنے کو حق حاصل ہونا چاہیے جو سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ میں تمہارے حق کو تسلیم کرتا ہوں اور تمھیں جنگل کا بادشاہ کہتا ہوں۔"

ہرن شیطان کی باتوں سے خوش تو ضرور ہوا مگر ان باتوں سے اسے فریب کی بو آتی معلوم ہوئی۔ اس نے کہا۔ "تو نے میری تعریف کی ہے۔ اس لئے میں تیرا احسان

مند ہوں۔ اب تو بتا میں تیرا لئے کیا کر سکتا ہوں۔"

شیطان نے محسوس کیا کہ ہرن اس کے جال میں پھنس رہا ہے تو اس نے فوراً کہا۔ "اے بھائی ہرن! میں نے بہشت کی بڑی تعریف سنی ہے مگر اب تک اسے دیکھا نہیں۔ اگر تم مہربانی کر کے مجھے اپنے منہ میں بٹھا کر بہشت میں پہنچا دو تو میں تمہارا احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔"

ہرن سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد اس نے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تو جنت میں داخل ہونے کے لئے میری مدد کیوں چاہتا ہے؟"

شیطان اس سوال پر پریشان ہو گیا۔ اسے کوئی معقول جواب نہ سوجھا تو ادھر ادھر کی ہانکنے لگا۔

شیطان کی الٹی سیدھی باتوں سے ہرن کا شبہ یقین میں بدل گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ ضرور شیطان ہے جو اسے بہکانے آیا ہے۔ ہرن نے تیز نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "تجھ پر خدا کی مار۔ تو ضرور شیطان مردود ہے۔ صرف تو ہی ایک ایسا ہے جسے جنت میں داخلے کی اجازت نہیں تو مجھے بھی بہکا کر خدا کی نظروں میں ذلیل کرنا چاہتا ہے۔" یہ کہتا ہوئے ہرن نے اپنے سینگ سیدھے کر لئے اور شیطان کی طرف لپکا۔ شیطان نے یہ حال دیکھا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

اسی طرح شیطان نے باری باری درجنوں چرندوں، پرندوں کو بہکایا مگر کوئی بھی اس کے فریب میں نہ آیا اور اسے جنت میں لے جانے سے صاف انکار کر دیا۔ شیطان بڑا دل برداشتہ اور مغموم ہوا لیکن آدم سے انتقام کی آگ اس کے دل میں بھڑک رہی تھی۔ وہ رات دن اسی فکر میں رہتا کہ کسی جانور کے ذریعے جنت میں داخل ہو اور آدم کو بہکا کر ذلیل و خوار کرائے۔

ایک دن شیطان کو امید کی کرن نظر آئی۔ اس نے طاؤس (مور) اور سانپ کو آتے دیکھا۔ اس واقعے سے پہلے سانپ اور مور میں بڑی دوستی ہوا کرتی تھی۔ ان کی دوستی کی وجہ ان کی خوبصورتی تھی۔ طاؤس اپنے خوبصورت پیروں کی وجہ سے حسین مشہور تھا اور سانپ اس وقت چوپایہ ہوتا تھا اور اس چوپائے کی صورت بڑی پیاری

ہوتی تھی۔

شیطان نے دیکھا کہ دونوں دوست خوش خوش باتیں کرتے چلے آرہے ہیں۔ وہ ان کے سامنے پہنچا۔ سانپ اور طاؤس اسے دیکھ کر رک گئے۔

طاؤس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور پوچھا "تو ابلیس تو نہیں ہے؟"

شیطان بہت گھبرایا۔ طاؤس نے اسے پہلی نظر ہی میں پہچان لیا تھا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہاں میں بد نصیب ابلیس ہی ہوں۔"

سانپ نے فورا" اپنا پیر طاؤس کے پیر پر مار کر کہا۔ "چلو دوست! تم کس کے منہ لگ رہے ہو۔ یہ تو مردود ہے۔ خدا نے اسے آسمان سے نکال دیا ہے۔"

مکار شیطان فورا" دونوں کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور بڑی عاجزی سے بولا۔ "بھائیو! میری بس ایک بات سن لو۔ اس کے بعد پھر جو چاہے کہنا۔"

سانپ کو اس پر رحم آگیا۔ اس نے کہا۔ "اچھا جو کہنا ہے جلدی کہہ۔ ہم سیر کو جارہے ہیں۔ صبح صبح تیری صورت دیکھی ہے۔ پتہ نہیں دن کیسا گزرے گا۔"

شیطان بڑی لجاجت سے بولا۔ "بھائیو! یہ ٹھیک ہے کہ میں مردود ہوں' مجھے آسمانوں سے نکالا گیا اور جنت کا دروازہ مجھ پر بند ہو گیا ہے لیکن کیا تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟"

سانپ سوچ کر بولا' "تو کیا کہنا چاہتا ہے۔ کیا یہ جھوٹ ہے کہ تو نے خدا کا کہنا نہیں مانا؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے میرے بھائی!" شیطان نے کہا۔ "لیکن تم نے یہ بھی غور کیا کہ میں ایک بڑا فرشتہ تھا۔ آخر میں نے خدا کا حکم ماننے سے کیوں انکار کیا آخر اس کی کوئی وجہ تو ضرور ہو گی؟"

طاؤس دخل دیتے ہوئے بولا۔ "اے ابلیس! ہمارا وقت ضائع نہ کر جو کہنا ہے مختصر الفاظ میں کہہ ڈال۔"

چالاک شیطان نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر بند مٹھی باہر نکالی۔ اس نے مٹھی سانپ کے سامنے کھولی۔ مٹھی میں تھوڑی سی خاک تھی۔

شیطان نے پوچھا۔ "میرے بھائیو! میری ہتھیلی پر تمھیں کیا نظر آرہا ہے؟"

"خاک' دھول' مٹی"۔ طاؤس نے جواب دیا۔

شیطان نے مٹی ہوا میں اڑا دی اور بولا۔ "میرے بھائی! اگر میں یہ کہوں کہ یہ خاک' دھول اور مٹی تم سے زیادہ قیمتی اور اہم ہے تو تم کیا کہو گے؟"

سانپ نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "اگر خاک کو تو ہم سے زیادہ قیمتی کہے تو ہم تجھے پاگل کا خطاب دیں گے۔"

طاؤس نے اپنے دوست کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "اور کیا... بھلا ہمارا اور خاک کا کیا مقابلہ۔ خاک تو آخر خاک ہی ہے۔ سب سے حقیر چیز جس کی کوڑی بھر قیمت نہیں۔"

شیطان نے فورا" پینترا بدلا اور بولا۔ "بس دوستو! میری بھی یہی خطا تھی۔ میں نے خدا سے یہی کہا تھا کہ خاک کی تو کوڑی بھر قیمت نہیں۔ یہ کہنے پر میں مردود ہو گیا۔ آسمانوں سے نکالا گیا۔"

سانپ اور طاؤس ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ شیطان کی بات ان کی سمجھ میں پوری طرح نہیں آئی تھی۔ سانپ نے الجھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تو نے کیا کہا۔ خاک کو خاک کہنا کوئی جرم تو نہیں۔"

شیطان کا آدھا وار چل چکا تھا۔ اس نے کہ۔ "اچھا یہ بتاؤ تم سجدہ کسے کرتے ہو؟"

"خدا کو" دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

شیطان نے بڑے معصومانہ انداز میں کہا۔ "اور تمھارے خدا نے مجھ سے کہا کہ خدا کو سجدہ کرنے کی بجائے خاک کو سجدہ کرو۔ میں نے خاک کو سجدہ کرنے سے اسی لئے انکار کر دیا کہ خاک کی تو کوڑی بھر قیمت نہیں ہوتی۔"

طاؤس اور سانپ پر شیطان کا جادو چل گیا تھا لیکن طاؤس کچھ سمجھ دار تھا۔ اس نے کہا۔ "لیکن ہم نے تو سنا ہے کہ تو نے حضرت آدمؑ کو سجدے سے انکار کیا تھا اس لئے مردود کیا گیا"

شیطان نے ایک مہیب قہقہہ لگایا اور بولا "غضب تو یہی ہے کہ تمہیں پوری بات نہیں معلوم اور تم نے مجھے مردود کہہ دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا نے ایک مٹھی خاک سے آدم کا پتلا بنایا پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ اس خاک کے پتلے کو سجدہ کرو میں نے کہا۔ اے خدا! میں تجھ کو سجدہ کرتا ہوں۔ اس مٹی کے پتلے کو سجدہ نہیں کرسکتا۔ میں نوری ہوں پھر میں خاکی کو سجدہ کیوں کروں اب تم ہی انصاف کرو۔ میں نے کیا برا کیا؟"

شیطان نے ان دونوں کو لچھے دار باتوں سے اپنے فریب کے جال میں جکڑ لیا۔ اس نے طاؤس اور سانپ کو یہ نہیں بتایا کہ سجدہ آدم کو نہیں' اس نور کو کرنا تھا جس کا حامل آدم کو بنایا گیا تھا اس طرح شیطان ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

طاؤس نے کہا۔ "بھائی ابلیس! ہمیں تم سے پوری ہمدردی ہے۔"

"ہاں' بھائی! تم پر تو واقعی ظلم ہوا ہے۔" سانپ بولا۔

وہ دونوں راہ مستقیم سے ہٹ گئے اور شیطان کے ہمدرد بن گئے۔

شیطان حرف مدعا زبان پر لایا۔ "میں آدم کی وجہ سے مردود ہوا ہوں۔ اسی کی وجہ سے فرشتے سے شیطان بنایا گیا آدم جنت میں عیش کر رہے ہیں اور میں در در کی خاک چھان رہا ہوں۔"

"مگر ہم تمہارے لئے کیا کر سکتے ہیں؟" سانپ نے پوچھا۔

"اگر تم مجھے واقعی مظلوم سمجھتے ہو تو بس تھوڑی سی میری مدد کرو" شیطان نے عاجزانہ انداز میں کہا۔

"لیکن ہم اپنے خدا کے خلاف تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔" طاؤس نے گھبراتے ہوئے کہا۔ "تم جو کہتے ہو وہ ٹھیک ہے لیکن کیا پتہ آدم کو سجدہ کرانے میں بھی کوئی مصلحت ہو۔"

شیطان نے دیکھا کہ بنا بنایا کام بگڑا جارہا ہے تو وہ فوراً" ان کے پیروں میں گر پڑا اور گڑگڑا کر بولا۔ "میں کب کہتا ہوں کہ تم خدا کے خلاف میری مدد کرو۔ مجھے خدا

سے کوئی شکوہ اور گلہ نہیں۔ مجھے تو آدم نے برباد کیا ہے اور میں آدم کو (نعوذ باللہ) برباد کرنا چاہتا ہوں۔ ان سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔"

"لیکن کس طرح اور ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟" سانپ نے پوچھا۔

شیطان نے ان کے قدموں سے سر اٹھا کر کہا۔ "میں تم لوگوں کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ تم بس اتنا کرو کہ مجھے بہشت میں پہنچا دو۔ باقی کام میں خود کر لوں گا۔"

"لیکن ہم تمہیں کس طرح لے جا سکتے ہیں؟" سانپ نے کہا۔ "جنت کا داروغہ رضوان تمہیں پہچان لے گا اور اندر نہیں جانے دے گا۔"

"میں تمہارے منہ میں بیٹھ جاؤں گا۔" شیطان نے کہا۔ "اور تم طاؤس کے پروں پر بیٹھ جاؤ گے۔ یہ تمہیں اڑا کر جنت میں لے جائے گا اور جنت میں تم مجھے اپنے منہ سے نکال دینا۔"

طاؤس اور سانپ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر آپس میں صلح و مشورہ کیا اور جنت میں شیطان کو پہنچانے کا وعدہ کر لیا

طاؤس اور سانپ کی مدد سے شیطان مردود جنت میں داخل ہو گیا۔ اس وقت حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ حسب معمول عبادت الٰہی سے فارغ ہوئے تھے اور جنت کی سیر کو روانہ ہونے والے تھے۔

شیطان آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچا پھر ایک دلدوز چیخ بلند کی اور رونے لگا۔

حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ اس آہ و زاری کو سن کر اس کے قریب آ گئے۔ مگر شیطان اسی طرح دہاڑیں مار مار کر رونے میں مصروف رہا۔

حضرت حواؑ کو شیطان پر بڑا ترس آیا۔ انہوں نے شیطان سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ اس کی چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔

جب اس نے محسوس کیا کہ حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ رونے دھونے سے کافی متاثر ہو گئے ہیں تو اس نے آنسو پونچھ ڈالے اور حسرت آمیز نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

حضرت حواؑ نے اس سے پوچھا۔ "اے بندہ خدا! تجھ پر کیا افتاد پڑی کہ تو اس طرح زار زار رو رہا ہے اپنی تکلیف بیان کر تاکہ ہم تیری مدد کریں اور تجھے اس مصیبت سے نجات دلائیں۔"

چالاک شیطان نے ایک بار پھر ایک فلک شگاف چیخ ماری اور بولا۔ "اے خوبصورت انسانو! تمہاری ہمدردی کا شکریہ! تم نے واقعی دردمند دل پایا ہے۔ میں بھی تمہاری طرح کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتا اور دوسروں کی مصیبت پر میرا دل بھی تمہاری طرح کڑھتا ہے۔"

حضرت آدمؑ پر بھی شیطان کا بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے کہا۔ "اے بندے! دوسروں کے درد و غم میں شریک ہونا اور مصائب کو دور کرنا تو عین نیکی ہے۔ اب تو ہمیں بتا کہ تو کس مصیبت میں گرفتار ہے اور اس رونے دھونے کا سبب کیا ہے؟"

شیطان خبیث نے بڑی مکاری سے کہا۔ "اے انسانو! میری پریشانی اور آہ و زاری خود میری کسی مصیبت کی وجہ سے نہیں ہے----- کیونکہ مجھے خود کوئی تکلیف یا غم نہیں----- اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے۔ میں تو تم دونوں کا حال دیکھ کر غم زدہ ہوگیا ہوں اور میرا دل تمہارے حال زار پر رو رہا ہے۔"

"تو کیا کہہ رہا ہے اے بندے؟" حضرت حواؑ نے فوراً سوال کیا۔ "اللہ تعالیٰ کی وہ کون سی نعمت ہے جو ہمیں میسر نہیں۔ غم اور تکلیف کیا ہوتی ہے ہم تو اس سے واقف بھی نہیں پھر تو ہمارے غم میں کیوں گھلا جا رہا ہے۔؟"

شیطان نے پھر دو چار موٹے موٹے آنسو بہائے اور بولا۔ "اے بی بی حواؑ! مجھے یہی تو غم ہے کہ تم اپنے غموں سے واقف نہیں۔ تمہیں معلوم نہیں کہ کل تم پر مصیبت کا کتنا بڑا پہاڑ ٹوٹنے والا ہے۔"

"اے بندہ ہمدرد!" حضرت آدمؑ شیطان سے مخاطب ہوئے "اگر ہم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے تو ہمیں اس سے آگاہ کر۔ اس طرح معموں میں بات نہ کر اور جو کچھ ہونے والا ہے اسے صاف صاف بیان کر۔"

"مجھے تم سے ہمدردی نہ ہوتی تو یوں آنسو کیوں بہاتا؟" شیطان اسی طرح پر فریب

انداز میں بولا۔ "ٹھیک ہے کہ تمہیں خدا نے ہر نعمت سے سرفراز کیا ہے اور ہر آرام دیا ہے لیکن تمہیں یہ نہیں معلوم کہ یہ تمام سامان عیش و عشرت اور نعمتوں کی فراوانی بالکل عارضی ہیں اور اب تم ان سے محروم ہونے والے ہو۔"

حضرت حواؑ یہ سن کر پریشان ہو گئیں لیکن حضرت آدمؑ نے شیطان سے اس کی وضاحت طلب کی۔ انہوں نے شیطان سے دریافت کیا۔ "اے بندہ خدا! تو پھر الجھی الجھی باتیں کر رہا ہے تو کس طرح کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ عارضی ہے اور ہم اس سے محروم ہو جائیں گے؟"

شیطان نے زمین سے ایک خشک پتہ اٹھایا اور حضرت آدمؑ کو دکھا کر بولا۔ "یہ پتہ کل تک شاخ پر ہرا بھرا تھا لیکن آج خشک ہو کر رہ گیا ہے۔ تم دونوں کا بھی یہی حال ہونے والا ہے۔ تمہیں بھی بہت جلد موت آ جائے گی اور تم دونوں جنت کی ان نعمتوں سے محروم کر دیئے جاؤ گے۔"

حضرت آدمؑ نے اپنے علم بلیغ سے اس مسئلے کا جواب طلب کیا پھر بولے۔ "میرا علم کہتا ہے کہ جس چیز کا آغاز ہوتا ہے اس کا انجام بھی ہوتا ہے۔ اگر تم اسے موت کہتے ہو تو میں تسلیم کرتا ہوں----- ہر چیز کو اپنے انجام تک تو پہنچنا ہی ہے پھر اس کا غم کرنے سے کیا حاصل؟"

شیطان گفتگو کو اسی رخ پر لانا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً کہا۔ "اے آدمؑ! آپ کے علم بلیغ نے جو جواب دیا وہ بالکل درست ہے----- لیکن کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ انجام کو ٹالا بھی جا سکتا ہے اور اس سے محفوظ بھی رہا جا سکتا ہے----- چونکہ آپ اس راز سے واقف نہیں اس لئے آپ کا موت سے دوچار ہونا لازمی ہے۔ حالانکہ اگر آپ چاہیں تو موت کو ٹال سکتے ہیں اور ابدی زندگی حاصل کر کے ان نعمتوں کو ہمیشہ کے لئے اپنا سکتے ہیں۔"

حضرت آدمؑ نے پہلے حیرت سے شیطان کو دیکھا پھر حضرت حواؑ پر نظر ڈالی جو موت کے تصور سے پریشان ہو رہی تھیں۔ اس دوران شیطان ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا لیکن وہ ان کے معصوم دلوں میں ایسے وسوسے پیدا کر گیا جس نے ان کی

بھوک پیاس اور نیند اڑا دی۔

شیطان کو اپنی کامیابی کی پوری امید تھی۔ اس نے ان دونوں کے دلوں میں وہم پیدا کر دیا تھا اور یہی اس کی کامیابی کی دلیل تھی۔ اس نے غائب ہو کر انہیں یہ موقع فراہم کیا کہ دونوں آپس میں گفتگو کر سکیں اور جب لوہا پوری طرح گرم ہو جائے تو وہ آخری چوٹ لگانے آ جائے۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ اس نے ----- ابدی زندگی حاصل کرنے کا جو شوشہ چھوڑا ہے اس سے بچ نکلنا ان کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو گا۔

حضرت حواؑ شیطان کی پر فریب باتوں سے بہت متاثر تھیں۔ موت کا تصور اور جنت کی لذتوں سے محرومی ان کے اعصاب پر سوار ہو گئی۔ آخر ان سے نہ رہا گیا اور انہوں نے حضرت آدمؑ سے کہا۔ "یہ شخص ہمارا بڑا ہمدرد معلوم ہوتا ہے۔ اس کی باتوں پر ہمیں غور کرنا چاہئے۔"

حضرت آدمؑ علم بلیغ کے مالک تھے اس لئے ان پر شیطان کی باتوں کا زیادہ اثر نہیں تھا۔ انہوں نے کہا۔ "نیک بخت----- یہ تو----- ٹھیک ہے کہ یہ شخص ہمارا ہمدرد اور مونس معلوم ہوتا ہے لیکن جب میں غور کرتا ہوں اور عقل سے سوال کرتا ہوں کہ اس شخص کی ہمدردی کا سبب کیا ہے تو مجھے جواب نہیں ملتا----- جان نہ پہچان پہلی ملاقات اور اس قدر اظہار ہمدردی----- میری عقل اسے تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔"

حضرت حواؑ مسکرائیں اور فرمایا۔ "آپ کی عقل و دانش پر میں شبہ نہیں کر سکتی لیکن کسی مخلص اور ہمدرد کی باتوں پر محض اس وجہ سے اعتبار نہ کرنا کہ ہم اسے پہلے سے نہیں جانتے میرے خیال میں اس کے ساتھ زیادتی ہو گی سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اسے ہم سے کیا لالچ ہو سکتا ہے۔ بہشت میں وہ بھی ہے اور ہم بھی----- پھر ہم اس کی نیت پر شبہ کیوں کریں؟"

"خیر دوبارہ اس سے ملاقات ہوئی تو دیکھا جائے گا۔" حضرت آدمؑ نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

لیکن حضرت حواؑ دل میں جیسے کوئی اور فیصلہ کئے ہوئے تھیں۔ انہوں نے کہا۔

"آپ جو چاہے سوچیں لیکن میں نہ تو موت چاہتی ہوں اور نہ بہشت سے باہر جانا پسند کرتی ہوں۔ اس سے اچھی جگہ ہمیں کہاں ملے گی۔ میں تو اس بار اس سے پوچھوں گی کہ موت کو کیسے ٹالا جا سکتا ہے اور ہمیں ابدی زندگی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟"

"اچھا بھئی! جب وہ ملے گا تو پوچھیں گے۔" حضرت آدمؑ نے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔

شیطان ان کی گفتگو بڑے غور سے سن رہا تھا۔ وہ ان کے قریب ہی ایک درخت کی آڑ میں کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت حواؑ کے دل میں اس کے پیدا کئے ہوئے وسوسے نے جڑ پکڑ لی ہے اور وہ ابدی زندگی حاصل کرنے کی زبردست خواہش مند ہیں تو وہ فوراً ہی فریب کا دوسرا جال لے کر ان کے سامنے حاضر ہو گیا۔

حضرت حواؑ نے شیطان کو آتے دیکھا تو اس کا بڑے تپاک سے استقبال کیا جیسے کوئی مہمان آیا ہو۔

حضرت حواؑ نے آگے بڑھ کر کہا "اے' ہمارے ہمدرد! تم کہاں چلے گئے تھے ہم تو تمہارا انتظار کر رہے تھے؟"

حضرت آدمؑ نے شیطان کے آنے پر کسی خاص رد عمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ شیطان کی آمد سے نہ تو خوش تھے اور نہ ہی ناخوش۔

شیطان نے ایک سرد آہ کھینچی اور بڑے کرب لہجے میں بولا۔ "اے' ام البشر' اور اے ابو البشر! آپ کو اس طرح خوش و خرم دیکھ کر میرا دل بھی مسرت سے لبریز ہو جاتا ہے مگر پھر یہ سوچ کر میری آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں کہ یہ سب کچھ عارضی ہے اور موت آپ سے یہ تمام خوشیاں اور مسرتیں چھین لے گی۔"

حضرت حواؑ نے بڑے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "اے ہمدرد کیا واقعی ہمیں موت آ جائے گی اور ہم بہشت کی لذتوں سے محروم ہو جائیں گے؟"

"بی بی حواؑ! مجھے' آپ سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے حقیقت حال بیان کر دی ہے۔ اچھا برا آپ کو سمجھا دیا۔ سوچنا سمجھنا اور عمل کرنا آپ کا کام

ہے۔" شیطان نے جال پھیلانا شروع کر دیا۔

حضرت حوا کے دل میں ایک آرزو نے کروٹ لی اور انہوں نے دلچسپی سے پوچھا۔ "اچھا اے ہمدرد! ذرا وہ تدبیر تو بتاؤ جس پر عمل کر کے ہم ہمیشہ زندہ رہ سکیں؟"

شیطان مسکرایا اور بولا۔ "بی بی حوا! آپ صرف ہمیشہ زندہ نہیں رہیں گی بلکہ حضرت آدمؑ جنت کے بادشاہ اور آپ ان کی ملکہ بن جائیں گی اور پھر نہ کوئی آپ کو مار سکے گا اور نہ بادشاہت چھین سکے گا۔"

"تو پھر جلد بتاؤ' وہ تدبیر---- ہم اس پر ضرور عمل کریں گے۔" حضرت حوا نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔

حضرت آدمؑ اب تک خاموش تھے۔ شیطان کو اپنی کامیابی پر شبہ ہونے لگا اس نے فوراً" کہا۔ "میں تدبیر کیا بتاؤں۔ آپ دونوں تو مجھ پر اعتبار ہی نہیں کرتے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابو البشر حضرت آدمؑ کو ہمیشہ زندہ رہنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسی لئے وہ خاموش ہیں۔" یہ کہہ کر شیطان نے حضرت آدمؑ کو دیکھا۔

حضرت آدمؑ کچھ جواب دینا چاہتے تھے لیکن حضرت حوا نے انہیں موقع ہی نہ دیا اور خود بول پڑیں۔ "تم ان کی فکر نہ کرو۔ انہیں میں خود سمجھا لوں گی۔ تم تدبیر بیان کرو؟"

اب شیطان نے محسوس کیا کہ لوہا گرم ہے۔ فوراً" چوٹ لگانی چاہئے۔ اس نے کہا۔ "اے' بی بی حوا! بہشت میں ایک ایسا شجر ہے کہ جو بھی اس کا پھل کھائے گا جنت کا بادشاہ بن جائے گا اور اسے کبھی موت نہ آئے گی۔"

حضرت آدمؑ کے کان کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے فوراً" پوچھا۔ "کون سا شجر---- کہاں ہے وہ درخت؟"

شیطان نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ادھر ہے---- چلئے میں اس کی شناخت آپ کو کرا دوں۔"

شیطان نے جس طرف اشارہ کیا تھا۔ حضرت آدمؑ نے اس طرف دیکھتے ہوئے

پوچھا۔ "تمہارا اشارہ' شجر خلد' خوشہ گندم کی طرف تو نہیں؟"

"جی ہاں---- اس درخت کا پھل ابدی زندگی اور بادشاہت عطا کرتا ہے۔" شیطان نے تصدیق کی۔

"بخدا میں اس درخت کا پھل نہیں کھا سکتا۔ فرشتوں نے مجھے منع کیا ہے اور میں نے خدا سے اس بات کا وعدہ کیا ہے----" حضرت آدمؑ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں اپنا عہد نہیں توڑ سکتا---- خواہ اس کا پھل کھانے سے مجھے تمام عالموں کی بادشاہت ہی کیوں نہ ملے لیکن میں فرشتوں کی تنبیہہ کو نہیں بھول سکتا---- اور وعدہ خلافی کر کے خود کو ہلاکت میں نہیں ڈال سکتا۔"

حضرت حوا حضرت آدمؑ کے اس دو ٹوک جواب سے بڑی دل گرفتہ ہوئیں۔ انہوں نے افسردگی سے کہا۔ "جب فرشتوں نے اس کا پھل نہ کھانے کی تاکید کی تھی تو آپ کو اس کی وجہ ضرور پوچھنا چاہئے تھی۔"

"نہیں' میں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔" حضرت آدمؑ نے جواب دیا۔ "کیونکہ یہ حکم خداوندی تھا اور بندے کو احکام الٰہی کے بارے میں جرح اور بحث کی اجازت نہیں---- پھر جب خدا نے مجھے اتنی نعمتیں عطا کر دیں اور صرف ایک درخت کا پھل نہ کھانے کا حکم دیا تو مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں اس کے خلاف احتجاج کرتا یا بحث میں الجھتا۔ اس کی مصلحت وہی بہتر جانتا ہے---- بندے پر اس کے حکم کی بجا آوری فرض ہے۔"

حضرت حوا حضرت آدمؑ کی ان باتوں سے اور دل برداشتہ ہوئیں۔ ان کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ انہوں نے شیطان کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

لیکن شیطان اپنے منصوبے کو کسی طرح ناکام نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً" حضرت حوا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بی بی حوا! میں آپ لوگوں کو مجبور نہیں کرتا لیکن جو سوال آپ نے حضرت آدمؑ سے کیا تھا اگر اجازت ہو تو میں اس کا جواب دے دوں؟"

"کون سا سوال؟" حضرت حوا غمزدہ لہجے میں بولیں۔

"یہی کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو شجر خلد کا پھل کھانے سے کیوں منع کیا------؟"

حضرت حواؑ نے خالی خالی نظروں سے پہلے حضرت آدمؑ کی طرف دیکھا پھر شیطان سے گویا ہوئیں۔ "اگر تم اس کی وجہ جانتے ہو تو ضرور بیان کرو تاکہ بات پوری طرح صاف ہو جائے اور تصویر کے دونوں رخ سامنے آ جائیں۔"

"اے' بی بی حواؑ! میں بھی اسی خدا کا بندہ ہوں جس نے آپ دونوں کی تخلیق کی ہے۔ پس میں اسی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت آدمؑ کو اس درخت کا پھل کھانے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اگر حضرت آدمؑ نے یہ پھل کھا لیا تو یہ خود بادشاہ بن جائیں گے اور خدا ان کو نہ تو مار سکے گا اور نہ بادشاہت سے ہٹا سکے گا۔ خدا نہیں چاہتا کہ اس کی طرح کوئی اور بھی بادشاہ ہو جائے اور وہ اس کی برابری کر کے ہمیشہ زندہ رہے۔"

حضرت آدمؑ کو شیطان کی یہ بات بہت ناگوار گزری مگر وہ حضرت حواؑ کا مغموم چہرہ دیکھ کر خاموش رہے۔ حضرت حواؑ کے دل پر شیطان کے اس اظہار کا پورا اثر ہوا۔ ان کے دل میں ہمیشہ زندہ رہنے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی لیکن وہ اس وقت مصلحتاً" خاموش رہیں۔

شیطان نے اب وہاں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا کیونکہ وہ اپنی منزل کی طرف بڑی کامیابی سے قدم بہ قدم بڑھ رہا تھا۔ اس نے حضرت حواؑ کے دل میں ابدی زندگی کی خواہش بیدار کر کے انہیں اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ اسے صرف حضرت آدمؑ کو رام کرنا تھا۔ اس بڑے قلعے کو سر کرنے کے لئے اس نے صرف حضرت حواؑ ہی سے کام لینا مناسب خیال کیا۔

شیطان اس وقت تو وہاں سے غائب ہو گیا مگر موقع تلاش کرتا رہا کہ کہیں حضرت حواؑ اسے تنہائی میں مل جائیں تو ان پر اپنا جادو چلائے۔ آخر اسے یہ موقع میسر آ گیا۔ اس نے حضرت حواؑ کو تنہا پایا تو ان کے پاس پہنچ گیا۔ بڑے ادب سے سلام کر کے مزاج پرسی کی----- پھر باتیں کرتا ہوا انہیں شجر ممنوعہ کی طرف لے چلا۔ اس وقت

اس نے حضرت حوا سے اتنی پر فریب باتیں کیں کہ حضرت حواؑ بالکل مسحور ہو گئیں۔ پہلے اس نے بہشت کا ذکر چھیڑا۔ بہشت کے حسین اور دل فریب نظارے' باغات' نہریں' محلات' چرند و پرند اور اشجار------ غرض ایک ایک چیز کی اس قدر تعریف کی کہ حضرت حواؑ کو ان چیزوں سے اور زیادہ محبت ہو گئی۔

پھر شیطان ایک دم بات کا رخ پلٹ کر بولا۔ "لیکن' اے بی بی حواؑ! مجھے آپ دونوں کے حسن و جوانی کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے اور میرا دل خون کے آنسو روتا ہے کہ آپ کی جس خاک سے تخلیق ہوئی ہے' موت' آپ کو اسی خاک میں تبدیل کر دے گی۔"

اس وقت وہ دونوں شجر ممنوعہ کے قریب پہنچ چکے تھے----- شیطان نے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے تو یہ درخت کس قدر شاداب اور سرسبز ہے۔ کوئی درخت اس کی شادابی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" یہ کہتے ہوئے شیطان نے شجر ممنوعہ سے ایک پھول توڑا اور حضرت حواؑ کی طرف بڑھا دیا۔ "بی بی! ذرا اس کا حسن ملاحظہ ہو۔ ذرا سونگھئے تو کیسی بھینی بھینی سی خوشبو اس میں سے آ رہی ہے۔ رنگ و روپ میں یہ پھل اپنا جواب نہیں رکھتا اور اس کا مزہ' مزے کا بھی جواب نہیں۔ اس کا مزہ ہی تو اصل جوہر ہے۔ جس نے یہ پھل چکھا وہ امر ہو گیا' اسے کبھی موت نہ آئے گی۔"

یہ کہتے ہوئے شیطان نے پھل توڑ کر حضرت حواؑ کو دے دیا۔ حضرت حواؑ شیطان کی لچھے دار باتوں سے پہلے ہی متاثر ہو چکی تھیں ان پر ایک عالم محویت طاری تھا۔ شاید وہ ابدی زندگی کے تصور میں کھوئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے شیطان کے ہاتھ سے پھل لے لیا۔

"یہ درخت اور یہ پھل ہی تو اس بہشت کے سرتاج ہیں۔ اس پھل میں مٹھاس بھی ہے اور سوندھا پن بھی۔ کھا کر دیکھئے کس قدر----- خوش ذائقہ ہے۔ نہ زیادہ مٹھاس' نہ زیاد کھٹاس۔ ایک ذائقے میں ہزار ذائقے۔" شیطان پھل کی تعریف کر رہا تھا اور حضرت حواؑ کا وہ ہاتھ جس میں پھل تھا آہستہ آہستہ دہن مبارک کی طرف

بڑھ رہا تھا اور شیطان دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔۔۔۔۔ پھر حضرت حوا سے پہلا گناہ سرزد ہوا۔۔۔۔۔ انہوں نے پھل کھا لیا اور حکم خداوندی سے سرتابی کی۔ شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے حضرت حوا کو بہکا کر وہ پھل کھلا دیا تھا۔ اب اسے حضرت آدمؑ کو بہکانے کی ضرورت نہ تھی۔

شیطان نے پوچھا۔ "کہئے' کیا خوشبودار اور خوش ذائقہ پھل ہے فرشتوں نے تو خواہ مخواہ آپ کو وہم میں مبتلا کر دیا تھا۔ آپ نے پھل کھا لیا۔ آپ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔۔۔۔۔ کوئی قہر نازل نہیں ہوا۔"

حضرت حوا جن کے دل و دماغ پر شیطان قابض ہو چکا تھا وہ پھل کھا کر بہت خوش ہوئیں اور دوڑ کر حضرت آدمؑ کو اس درخت کے پاس لے آئیں۔ شیطان انہیں آتے دیکھ کر چھپ گیا۔

حضرت آدمؑ کو شجر ممنوعہ دکھاتے ہوئے حضرت حوا نے کہا۔ "آپ اس درخت کی سرسبزی اور شادابی ملاحظہ کیجئے۔ کس قدر لاجواب درخت ہے۔ اس کا ثانی بہشت میں موجود نہیں۔"

پھر انہوں نے اس شجر ممنوعہ کا ایک پھل توڑ کر حضرت آدمؑ کی طرف بڑھایا اور بولیں۔ "اس پھل کا رنگ و روپ اور بانکپن کسی دوسرے پھل کو میسر نہیں۔ لیجئے نا کھائیے آپ بھی۔"

حضرت حوا نے حضرت آدمؑ کو پھل کھلانے کے لئے بالکل اسی انداز کی باتیں کیں جو انہوں نے شیطان سے سنی تھیں۔ دراصل اس وقت شیطان حضرت حوا کے دل میں بیٹھا بول رہا تھا۔ حضرت حوا اس کے بہکائے میں آ چکی تھیں۔ اب وہ ان سے جس طرح چاہتا کام لے سکتا تھا۔

حضرت آدمؑ نے جھجکتے ہوئے پھل حضرت حوا کے ہاتھ سے لے لیا۔

"کھائیے نا۔ بے حد خوش ذائقہ ہے یہ پھل۔" حضرت حوا انہیں بہکا رہی تھیں۔ "آپ ڈرتے کیوں ہیں۔ اس کے کھانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ مجھے دیکھئے' میں نے بھی تو کھایا ہے۔ کیا قیامت آ گئی۔ کون سا قہر ٹوٹ پڑا۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔

اسے کھا لیجئے تاکہ آپ کو بھی ابدی زندگی مل جائے۔ آپ بادشاہ بن جائیں۔"

حضرت حوا کے پیہم اصرار پر حضرت آدمؑ فریب میں آ گئے۔۔۔۔۔ اور خود اپنی چہیتی بیوی کے ذریعے فریب کھایا۔ حضرت آدمؑ نے پھل منہ میں رکھ لیا۔

شیطان نے درخت کی آڑ سے نکل کر ایک مہیب قہقہہ لگایا۔ اس وقت شیطان اپنی اصلی صورت میں ان کے سامنے آیا تھا۔ اس کا مکروہ چہرہ دیکھ کر حضرت آدمؑ کے منہ سے بے ساختہ ابلیس مردود نکلا۔۔۔۔۔ حضرت حوا پریشان ہو گئیں۔ شیطان نے ایک اور زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔ "ہاں میں ابلیس مردود ہوں۔ اے آدمؑ! تو نے مجھے مردود کر کے آسمانوں سے نکلوایا۔ اب میں تجھے جنت سے نکلوا رہا ہوں لیکن میں دنیا میں بھی تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گا' میں تیری اولاد کو بہکاؤں گا۔ انہیں آپس میں لڑاؤں گا' قتل کراؤں گا اور طرح طرح کے عیبوں میں گرفتار کرا کے تیرے خدا کی خدائی کا (نعوذ باللہ) مضحکہ اڑاؤں گا۔"

حضرت آدمؑ نے جلدی سے لاحول ولا قوۃ' پڑھا۔ شیطان تو اس کلام کو سنتے ہی بھاگ کھڑا ہوا مگر اسی لمحے حضرت آدمؑ اور حضرت حوا نے دیکھا کہ ان کا جنتی لباس ان کے جسموں سے علیحدہ ہو کر زمین پر گر گیا۔

دونوں شرما کر اور گھبرا کر درختوں اور شاخوں کی آڑ ڈھونڈنے لگے۔ درخت کے پتوں نے انہیں نفرت سے دیکھ کر اپنا رخ بدل لیا۔

تاریخ طبری بروائت وہب ابن منبہؒ میں ہے کہ حضرت آدمؑ جب ایک درخت کی آڑ میں چھپنے لگے تو آواز غیبی بلند ہوئی۔

"آدمؑ! تم کہاں ہو؟"

"اے رب! میں حاضر ہوں اور یہاں ہوں۔" حضرت آدمؑ نے جواب دیا۔

"درخت کی آڑ سے باہر کیوں نہیں آتے؟" صدائے غیب نے سوال کیا۔

"یا رب! مجھے شرم آتی ہے۔"

"آدمؑ! جس زمین کی خاک سے تو پیدا کیا گیا ہے وہ زمین اس وقت تک قابل نفرت رہے گی جب تک اس کے پھل کانٹے نہ بن جائیں۔" پیشانی قدرت پر بل آ گیا

تھا----- اور یہ حضرت آدمؑ پر پہلا اظہار جلال تھا۔

پھر ندائے عرش نے حضرت حواؑ کو مخاطب فرمایا۔ "اے حواؑ! تو نے میرے بندے آدمؑ کو دھوکا دیا۔ ہم نے تجھے سخت گرانی اور آلودگی میں مبتلا کیا۔ ایسی گرانی اور آلودگی جس کی تکلیف موت سے زیادہ سخت اور ناگوار ہو گی۔"

حضرت حواؑ ندامت سے سر جھکائے کھڑی تھیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا رواں تھا۔ انہوں نے شیطان سے دھوکہ کھایا اور پھر آدمؑ کو دھوکہ دیا۔ ان کا گناہ آدمؑ سے زیادہ عظیم تر تھا۔

جلال خداوندی میں شدت پیدا ہوتی جا رہی تھی----- ندا بلند ہوئی۔ "آدمؑ و حواؑ! کیا ہم نے تمہیں اس درخت کا پھل کھانے سے منع نہیں کیا تھا۔ ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا پکا دشمن ہے؟"

حضرت آدمؑ نے انتہائی شرمساری سے کہا۔ "اے، رب! میں نے حواؑ کے بے حد اصرار کرنے پر یہ خطا کی۔"

اسی وقت حکم خداوندی نے سانپ اور طاؤس کو بھی اس جگہ حاضر ہونے کا حکم دیا۔ کیونکہ ان دونوں ہی کی مدد سے شیطان مردود جنت میں داخل ہوا تھا۔

ندائے خداوندی نے سانپ کو مخاطب کیا۔ "تو اپنے منہ میں شیطان ملعون کو لے کر جنت میں داخل ہوا اور میرے بندوں کو دھوکہ دیا۔ تو بھی ملعون ہے۔ جا تیرے چاروں ہاتھ پیر توڑ دیئے گئے----- اور اب خاک و دھول کے سوا تری اور کچھ غذا نہ ہو گی اور اولاد آدمؑ ہمیشہ تیری دشمن رہے گی۔ ایسی سخت دشمن کہ تجھے جہاں دیکھے گی تیرا سر کچل ڈالے گی۔ مور (طاؤس) کی بھی غلطی ہے۔ اسے صرف پیروں کے حسن سے محروم کیا جاتا ہے۔ اس کے پیر اس قدر مکروہ ہوں گے کہ ان کی بدصورتی ضرب المثل بن جائے گی۔ تم سب ایک دوسرے کے دشمن قرار دیئے گئے۔ اب تم سب جنت سے نکل جاؤ۔"

اعلان الٰہی ہوتے ہی سانپ کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے۔ اس کا چوپائے کا خوبصورت پیکر چھن گیا اور اسے وہ مکروہ شکل ملی جس میں آج وہ ہمارے سامنے ہے۔ ابن آدمؑ

اس دن سے اب تک اس کا دشمن ہے۔

طاؤس پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرماتے ہوئے صرف اس کے پیروں کا حسن چھیننے پر اکتفا کیا۔ اس کے پیر اب بدصورت ہیں۔ جب طاؤس مستی کے عالم میں رقص کرتے ہوئے اپنے پیروں کی طرف دیکھتا ہے تو شرما کر رقص ختم کر دیتا ہے۔

شیطان پہلے بھی مردود تھا اور اب بھی آسمانوں کی حدود میں اس کا داخلہ ہمیشہ کے لئے بند ہے۔

حکم الٰہی کے تحت، طاؤس----- سانپ اور شیطان کو اسی وقت زمین پر پھینک دیا گیا۔ شیطان کو سیستان میں، سانپ کو اصفہان میں اور طاؤس کو کابل میں پھینکا گیا----- وہ غروب آفتاب سے قبل کا وقت اور جمعتہ المبارک کا دن تھا۔

حضرت آدمؑ اور حواؑ صرف پانچ گھنٹے جنت میں رہ سکے۔ جنت کی تمام مراعات ان سے لے لی گئیں اور وہ دونوں بھی زمین کی طرف دھکیل دیئے گئے۔

حضرت آدمؑ کوہ نود یعنی کوہ راون پر گرے جسے جزیرہ سراندیپ لنکا یا سیلون کہتے ہیں (کوہ نود آگے چل کر کوہ آدمؑ کے نام سے مشہور ہوا اور آج بھی بھارت کی پرانی اٹلس میں کوہ آدمؑ کا نام موجود ہے)۔

حضرت حواؑ جس مقام پر آ کر گریں۔ وہ جزیرہ عرب کا بحر قلزم کے ساحل پر مشہور شہر جدہ ہے۔

ہندوستان کو جنت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ ممکن ہے۔ اس کی وجہ یہاں حضرت آدمؑ کی آمد ہو۔ کیونکہ ہندوستان کو انسان اور اسلام کا اصل اور پہلا دارالسلطنت ہونے کا فخر حاصل ہے۔ یہاں ہی سے تمام دنیا پھیلی اور آباد ہوئی اور یہیں سے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی اولاد شروع ہوئی۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ اپنی غلطی پر اس قدر نادم تھے کہ شرم سے ان کی گردنیں نہ اٹھتیں۔ ان کا لباس چھن گیا تھا اور برہنگی کی وجہ سے خود کو چھپاتے پھرتے۔ آخر انجیر اور عود کے پتوں نے ان کی ستر پوشی کی۔ ایک روایت کے مطابق انجیر اور عود کے پتوں نے بہشت میں بھی ان کے لئے لباس کا کام دیا تھا۔

حضرت آدمؑ جب جنت سے نکالے گئے تو وہ اپنے ساتھ لکڑی کا ایک خوبصورت مسواک کا ٹکڑا لائے تھے جو پشتہا پشت تک ان کے خاندان میں چلتا رہا اور حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچ کر عصائے موسیٰ کہلایا۔ حضرت موسیٰؑ جب بھی اسے زمین پر ڈالتے' وہ سانپ بن کر رینگنے لگتا تھا۔

زمین پر آنے کے بعد حضرت آدمؑ تین سو سال تک گریہ و زاری میں مصروف رہے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی نہریں جاری ہو گئیں۔ روایت ہے کہ اشکوں کی نہروں کے کنارے یا جن نہروں میں یہ اشک شامل ہوئے تھے' ان کے کنارے کنارے خرما' لونگ اور جائفل پیدا ہوا۔

دوسری طرف حضرت حواؑ اپنی غلطی پر نادم اور شرمندہ تھیں۔۔۔۔۔ وہ جدہ میں دن رات آہ و بکا اور گریہ و زاری کرتی تھیں۔ چونکہ ان کی آنکھوں سے اشک ندامت ٹپکتے تھے اس لئے جب وہ قطرات۔۔۔۔ بحر قلزم میں شامل ہوتے تو شان خداوندی سے موتی بن جاتے۔ واللہ اعلم بالصواب!

۔۔۔۔۔ اور پھر حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ اپنے اپنے مستقر سے ایک دوسرے کی تلاش میں روانہ ہوئے حضرت آدمؑ نے کوہ نود کو خیر باد کہہ دیا اور حواؑ آدمؑ کی تلاش میں جدہ سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ اللہ بڑی بخشش کرنے والا اور خطائیں معاف کرنے والا ہے۔ آخر ان دونوں کی یہ گریہ و زاری نے دریائے رحمت کو موجزن ہونے پر مجبور کر دیا اور آدمؑ و حواؑ کی خطا معاف ہو گئی۔

حکم باری ہوتے ہی حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ ایک دوسرے کو ڈھونڈتے ہوئے عرب کے ایک مقام پر پہنچے۔ اس مقام پر پہنچ کر پہلے حضرت حواؑ کی نظر حضرت آدمؑ پر پڑی جو دور سے انہی کی طرف آتے دکھائی دے رہے تھے۔ جس مقام پر حضرت حواؑ نے حضرت آدمؑ کو پہچانا اور دوڑ کر ان کی طرف بڑھیں اس مقام کا نام مزدلفہ' ہے۔۔۔۔ پھر جس جگہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ بے تابانہ اور خوشی سے مخمور ہو کر ایک دوسرے سے ملے' اس مقام کا نام عرفات' ہے۔

اس طویل جدائی نے دونوں کو مایوس سا کر دیا تھا اور ان کو خیال پیدا ہو رہا تھا کہ خدا ان کی خطا معاف نہ کرے گا مگر رحمت حق سے مایوس ہونا گناہ ہے۔ خدا نے انہیں معاف کر کے پھر ملا دیا اور انہیں دنیا میں نئے سرے سے زندگی بسر کرنے کے طریقے سکھائے۔

بعض کا خیال ہے کہ انجیر' عود اور بالوں کا لباس' ان دونوں کو جنت میں عطا ہوا تھا جو جنت سے نکالے جانے کے وقت چھ گنا تھا۔۔۔۔۔ پھر جب یہ دنیا میں آئے تو ان کی برگزیدگی اور بزرگی کے باوجود انہیں دنیا میں دو سو سال تک عالم برہنگی میں سزا کے طور پر گزارنے پڑے۔۔۔۔۔ پھر جب ان کی خطا معاف ہوئی تو پھر ایک دن غیب سے ندا آئی۔

"اے' آدمؑ و حواؑ! ایک مینڈھا ذبح کرو۔"

حضرت آدمؑ نے فوراً" مینڈھا ذبح کیا اور عالم بالا سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "اے رب! میں تیرا حکم بجا لایا۔"

جواب میں حکم باری نازل ہوا۔ "اے حواؑ! اس کے صوف (بالوں) کا خوب صاف کر کے سوت بناؤ۔"

حضرت حواؑ نے صوف کو صاف کر کے سوت بنایا اور آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کیا "اے باری تعالیٰ! میں نے تیرے فرمان کی تعمیل کر دی اب تیرا کیا حکم ہے؟"

پھر ندائے حق بلند ہوئی۔ "اے حواؑ! آدمؑ سے کہو کہ وہ اس سوت سے کپڑا بنے۔ اس کپڑے سے اپنے لئے جبہ اور تمہارے لئے اوڑھنی (دوپٹہ) اور ازار (تہمد) تیار کرے۔"

اللہ' اللہ! کہ اللہ کو خاتون اول حضرت حواؑ کا ننگے سر رہنا گوارا نہ تھا۔ ان کے لئے دوپٹہ تیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس طرح پہلا دوپٹہ سوت سے بنا گیا۔
بالوں کے سوت کے اس پہلے لباس کے کچھ عرصے بعد اللہ جل شانہ نے اپنے دو فرشتوں کو حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ کے پاس بھیجا جنہوں نے انہیں جانور کی کھ

سے لباس بنانے کا طریقہ سکھایا۔ بعض کے قول کے مطابق حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ دنیا میں درخت کے پتوں ہی سے ستر پوشی کرتے تھے۔ کھال کا لباس حضرت آدمؑ کی بجائے اولاد آدمؑ کی ایجاد ہے۔

دنیا میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ کو خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا گیا۔ خانہ کعبہ' اللہ جل شانہ' کا دنیا میں پہلا گھر ہے۔ جس کی طرف منہ کر کے عالم اسلام نماز ادا کرتا ہے۔ چونکہ خانہ کعبہ کی پاکیزگی اور طہارت' خدا کو روز اول ہی سے مقصود تھی۔ اس لئے---- حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو ایک دوسرے کی قربت سے دور رکھا گیا اور یہ سلسلہ تقریباً" سو سال تک جاری رہا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں حضرت جبرائیلؑ نے بھی حضرت آدمؑ کا ہاتھ بٹایا اور جب کعبہ مبارک تیار ہو گیا تو حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ اس میں حاضر ہو کر سر بسجود ہوئے اور اپنے گناہ پر اظہار ندامت کیا۔ خدا کا غیظ و غضب آہستہ آہستہ رحمتوں کے پردے میں چھپتا رہا اور دو سو سال کی عبادت اور استغفار کے بعد دنیا کے اس پہلے جوڑے کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

پھر خدائے بزرگ و برتر نے انہیں کسب معاش کے طریقے تعلیم کئے۔ کیونکہ انہی طریقوں پر اولاد آدمؑ کو چلنا تھا۔ حضرت حواؑ کی شکل و صورت کے لئے حسین رفیق' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں یعنی حضرت حواؑ بہت خوبصورت اور جاذب نظر خاتون تھیں۔ آپ نہایت نیک' سادہ مزاج اور سخت محنتی عورت تھیں۔ حضرت حواؑ نے اپنے ہاتھ سے امور خانہ داری کے وہ تمام کام خود انجام دیئے جن کی ایک انسان اول کے لئے ضرورت تھی۔ آپ سوت کاتتیں' کپڑا بنتیں تھیں حضرت حواؑ نے سب سے پہلے آٹا پیسا اور گوندھ کر روٹی پکائی۔ وہ حضرت آدمؑ کا ہاتھ بٹاتیں اور ان کے ہر کام میں عملی طور پر برابر کا حصہ لیتیں۔ عبادت و ریاضت اور شوہر کی اطاعت ان کا شعار تھا۔

شہاب الدین قلیوبی کی حکایات کتاب النورت' میں مرقوم ہے کہ حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ نے شجر ممنوعہ کا پھل کھا کر دس ایسے نقصانات اٹھائے جن کی تلافی کسی

صورت ممکن نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے ہر نقصان اپنی جگہ ایک بلائے بے درماں ہے۔

ان نقصانات میں سب سے بڑا نقصان عتاب الٰہی تھا---- سورہ اعراف میں آیا ہے۔ "کیا ہم نے تم دونوں کو اس درخت کا پھل کھانے سے منع نہیں کیا تھا اور جتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے۔"

دوسرا نقصان' لباس جنت کا جسموں سے گر جانا تھا۔ تیسرا نور فردوسی کا چھن جانا تھا۔ چوتھا' دونوں کا جنت سے نکالا جانا۔ پانچواں' سو سال تک فراق باہمی۔ چھٹا' گناہ پر دونوں کی ندامت۔ ساتواں' آدمؑ اور شیطان کی تاقیامت دشمنی۔ آٹھواں' اولاد آدمؑ کے نفس پر شیطان کا تسلط۔ نواں' اولاد مومنین کے لئے دنیا کا قیدخانہ ہو جانا اور دسواں' طلب معاش کی فکر اور تکلیف میں گرفتار ہونا۔

سو سال کا طویل عرصہ جو حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ نے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے بھی الگ الگ گزارا وہ جذبات پر قابو رکھنے کی عدیم النظیر مثال ہے۔ حضرت حواؑ نے وہ زمانہ نہایت صبر و سکون سے گزارا۔ وہ دن بھر دنیا کے کاموں میں حضرت آدمؑ کا ہاتھ بٹاتیں اور رات کی تنہائیوں کو ذکر الٰہی سے منور اور منزہ رکھتیں۔

شیطان مردود نے انہیں کئی بار ورغلانے اور بہکانے کی کوشش کی مگر حضرت حواؑ کی استقامت کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور ہر بار اسے منہ کی کھانا پڑی۔ حضرت حواؑ راضی بہ رضا ہو کر زندگی گزارتی رہیں۔

آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں نسل انسانی کی افزائش کا حکم فرمایا اور اولاد آدمؑ کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت حواؑ کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ایک ساتھ پیدا ہوتے اور پھر جب دوسری بار اسی طرح لڑکا لڑکی پیدا ہوتے تو ان کا اور ان کا عقد کر دیا جاتا۔ جڑواں بہن سے بھائی کا عقد جائز نہ تھا۔ اسی طرح اولاد آدمؑ بڑھی اور پھلتی پھولتی رہی۔

○

شیطان مردود' اولاد آدمؑ کو پھلتا پھولتا دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتا اور پیچ تاب

کھانا اب تک تو اس کے دشمن صرف حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ تھے۔۔۔۔۔ مگر اب اس کے دشمنوں کی تعداد' اولاد آدمؑ کے روپ میں دن بدن بڑھ رہی تھی۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ بہت محتاط زندگی گزار رہے تھے۔ وہ شیطان کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیتے حضرت حواؑ اور زیادہ محتاط تھیں وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر اب کوئی اور غلطی ہو گئی تو پھر نہ جانے کیا قیامت برپا ہو گی۔ وہ کسی شیطانی خیال یا وسوسے کو دل میں جگہ نہیں دیتی تھیں اور جس بات یا کام میں ذرا سا بھی شبہ یا خدا کی نافرمانی کا خیال پیدا ہوتا' اس سے فوراً" دست کش ہو کر استغفار فرماتیں۔

شیطان نے دیکھا کہ حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ پر اس کا کوئی داؤ نہیں چلتا تو اس نے ان دونوں کی طرف سے مایوس ہو کر اپنی پوری توجہ اولاد آدمؑ کی طرف مبذول کر دی۔ وہ ہردم اولاد آدمؑ کے گرد چکر کاٹتا رہتا اور انہیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتا لیکن حضرت حواؑ نے اپنے بچوں کو اچھی طرح پکا کر دیا تھا کہ وہ شیطان کے پھندے میں نہ پھنسیں۔

حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ خوش تھے کہ انہوں نے شیطان کو شکست دے دی ہے اور اب وہ ان کے یا ان کی اولاد کو بہکانے سے معذور ہو گیا ہے۔۔۔۔ لیکن شیطان نے ہار نہ مانی تھی۔۔۔۔ پھر آخر شیطان کو کھل کھیلنے کا ایک موقعہ ہاتھ آ ہی گیا۔

حضرت بی بی حواؑ کے بطن سے ایک لڑکے اور لڑکی کی ولادت ہوئی۔ لڑکے کا نام قابیل اور لڑکی کا نام اقلیمار رکھا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں جڑواں بہن بھائی تھے۔ اس لئے ان کا آپس میں عقد جائز نہ تھا۔ قابیل کا ایک اور بھائی تھا' ہابیل۔۔۔۔ وہ بھی جڑواں بہن کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔ حکم خداوندی اور قاعدے اصول اور دستور کے مطابق قابیل کی شادی' ہابیل کی جڑواں بہن سے اور ہابیل کی شادی' قابیل کی جڑواں بہن اقلیما سے ہونی تھی۔۔۔۔ لیکن قابیل کو اپنی جڑواں بہن اقلیما سے عشق ہو گیا اور وہ چپکے چپکے اس سے محبت کرنے لگا۔

کہتے ہیں کہ عشق اور مشک چھپا نہیں کرتے قابیل کے عشق کا حال کسی طرح ہابیل کو معلوم ہو گیا۔ اسے قابیل پر سخت غصہ آیا۔۔۔۔ اقلیما پر اس کا حق تھا۔ وہ کیسے برداشت کر لیتا کہ قابیل' اقلیما کو حاصل کر لے۔

اس کی بھنک شیطان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ اس کے کان تو کوئی ایسی ہی بات سننے کے لئے ہر وقت اولاد آدمؑ کی طرف لگے رہتے تھے۔۔۔۔ وہ فوراً" ہی متین صورت بنائے قابیل کے سامنے نمودار ہوا۔ قابیل اپنے کام میں مشغول تھا اس نے ایک بزرگ صورت کو اپنے سامنے پایا تو کام چھوڑ دیا۔

شیطان بڑے غور سے قابیل کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"اے بزرگ! آپ مجھے اس قدر غور سے کیوں دیکھ رہے ہوں؟" قابیل نے پریشان ہو کر پوچھا۔

شیطان نے مکاری اختیار کی اور ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "اے' جوان! میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔ خدا نے مجھے ایسا دل دیا ہے جو کسی کو مصیبت یا پریشانی میں نہیں دیکھ سکتا۔"

قابیل کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ اس نے کہا "بابا! اگر آپ کی مراد میری کسی پریشانی سے ہے تو یہ خیال خام ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ مجھے کسی طرح کی پریشانی نہیں۔"

"تو بھی ٹھیک کہتا ہے' بیٹا!" شیطان نے کہا۔ "جوان بچے اپنی قوت ارادی کے زور پر اپنی دلی پریشانیاں دبا لیتے ہیں لیکن جب یہ پریشانی بڑھ جاتی ہے اور تیر کمان سے نکل جاتا ہے تو افسوس کرتے ہیں۔ تو اپنے دل کا حال مجھے نہیں بتانا چاہتا تو نہ بتا لیکن تیرا چہرہ صاف کہہ رہا ہے کہ تیرے دل کو ایسا روگ لگا ہے کہ اگر فوراً" اس کا علاج نہ کیا گیا تو عمر بھر پچھتائے گا۔"

ایسی سحرانگیز باتوں کا قابیل پر اثر تو ہونا تھا۔ وہ اتنا متاثر ہوا کہ شیطان کا جادو اسکے سر چڑھ کر بولنے لگا۔ قابیل نے کہا۔ "اے بزرگ! آپ مجھے معاف فرمایئے۔ میں نے پہلے جو کہا وہ غلط تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے دل کا وہی حال ہے جس کا

آپ نے اندازہ لگایا ہے۔"

شیطان کو تھوڑی سی کامیابی ہوئی تو وہ مسکرا کر بولا "غم اگر در و دیوار سے بھی کہا جائے تو اس میں کمی آ جاتی ہے ـــــ تو مجھ پر اعتماد کر کے اپنا غم بیان کر۔ میں تجھے مشورہ دوں گا اور حتی الامکان کوشش بھی کروں گا۔"

قابیل نے شیطان کو اتنا ہمدرد پایا تو حال دل اگل دیا اور بولا۔ "اقلیما میری جڑواں بہن ہے۔ جڑواں بہن سے میں عقد نہیں کر سکتا۔ اس کا دعوے دار ہابیل موجود ہے۔"

شیطان بظاہر تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ "تو نے اس سلسلے میں اپنے باپ سے بات کی؟"

"ان سے گفتگو کرنا بے کار ہے۔ بزرگ محترم! ہابیل کا حق وہ مجھے دینے پر قطعی آمادہ نہ ہوں گے کیونکہ حکم خداوندی اور دستور کے مطابق اقلیما کی شادی ہابیل ہی سے ہونا چاہیے۔"

"لیکن میرے پیارے بیٹے!" شیطان نے اپنے جال کو پھیلاتے ہوئے بولا۔ "تمہارے پاس بھی حق ہے اور وہ حق ہے، محبت اور عشق کا ـــــ عشق و محبت بھی تو خداوند تعالیٰ ہی انسان کے دل میں ڈالتا ہے۔"

"لیکن میرے بزرگ! جڑواں بہن سے عقد جائز نہیں ـــــ" قابیل نے افسردگی سے کہا۔

"بیٹے قابیل!" شیطان نے کہا۔ "حضرت آدمؑ تمہارے باپ ہیں، میں، ان کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کر سکتا ـــــ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ جڑواں بہن سے عقد کو ناجائز قرار دینا تمہارے والد صاحب کا حکم ہے۔ اس میں خدا کی مرضی ہر گز شامل نہیں۔ اگر بھائی بہن کی شادی ناجائز ہے تو پھر ہابیل اور اقلیما کا عقد کیسے جائز ہو سکتا ہے وہ بھی تو بہن بھائی ہیں۔ جڑواں بہن یا دوسری بہن سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آخر وہ ایک ہی ماں کے بطن سے پیدا ہوتی ہیں۔"

شیطان کی ان مدلل باتوں سے قابیل کا رہا سہا ایمان بھی متزلزل ہو گیا۔ اس نے کہا۔ "تو آپ کا مشورہ ہے کہ میں پدر بزرگوار سے اس سلسلے میں بات کروں اور آپ کی بیان کی ہوئی دلیلوں کے ذریعے انہیں قائل کروں۔"

"نہیں، بیٹے! ایسا ہرگز مت کرنا۔" شیطان گھبرا گیا۔ "یہ باتیں تو میں نے تمہارے دل کو مطمئن کرنے کے ئے بتائی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے باپ نے جو حکم دے دیا ہے وہ اس کے خلاف کچھ نہ ہونے دیں گے۔ اب تو معاملہ تمہارے اور ہابیل کے درمیان ہے۔ تمہیں براہ راست ہابیل سے بات کرنا چاہیے۔ آخر وہ تمہارا بھائی ہے۔ تم اس سے اپنا حال دل بیان کرو گے تو وہ ضرور اپنے حق سے دستبردار ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھائی انتہائی گھٹیا، کینہ اور خودغرض ہے جو دوسرے بھائی کی محبت اور ارمانوں کا خون کرے۔ ایسے انسانوں کو تو زندہ رہنے کا بھی حق نہیں۔"

شیطان کے منہ سے نکلا ہوا آخری جملہ، اس کی کمان کا آخری تیر تھا جو ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔ قابیل نے فوراً" اپنے دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔ پھر بھی اس نے احتیاطاً" پوچھا۔ "ہمدرد بزرگ! اگر ہابیل نے میری بات نہ مانی تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"ہاں یہ سوال قابل غور ہے۔" شیطان بولا۔ "مگر اس کا جواب تو وقت ہی دے سکتا ہے۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ حق تمہارا بھی ہے اور ہابیل کا بھی ـــــ جب دو حق آمنے سامنے آجائیں تو پھر فتح اس حق کی ہوتی ہے جو زیادہ طاقتور ہوتا ہے لیکن ان باتوں کا دار و مدار وقت پر ہے۔ اس وقت تو جو فیصلہ کرے گا وہی درست ہو گا۔"

"ٹھیک ہے بزرگ محترم! میں آج ہی ہابیل سے ملوں گا ـــــ" قابیل نے شیطان کو جواب دیا ـــــ لیکن وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

شیطان وہاں سے اٹھ کر سیدھا ہابیل کے پاس پہنچا اور مسکین صورت بنا کر ہابیل کو تکنے لگا۔

ہابیل نے ایک اجنبی کو اپنی طرف اس طرح گھورتے دیکھا تو بڑھ کر اس کے

پاس آیا اور بڑی نرمی سے پوچھا۔ "اے بزرگ! تم کس مصیبت میں گرفتار ہو۔ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

شیطان نے حسب عادت ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "اے بیٹے! تو نے میرا حال پوچھا۔ میں تیرا شکر گزار ہوں۔ میں نے تیری شرافت اور انسان دوستی کی جو تعریف سنی تھی تو اس سے بڑھ کر ہے۔ یہ تیری شرافت ہی ہے جو تو نے ایک اجنبی کو غم زدہ دیکھ کر دس قدم چلنے اور میرا حال پوچھنے کی ضرورت محسوس کی----- لیکن میرے بیٹے میرا غم میرا نہیں بلکہ کسی اور کا ہے؟"

ہابیل نے اپنی تعریف سنی تو دل میں بہت خوش ہوا اور بولا۔ "میرے بزرگ! غم کسی کا بھی ہو آخر غم ہی تو ہے۔ میں خود بھی غم زدہ ہوں اس لئے دوسرے کو افسردہ دیکھ کر میرا دل بھر آتا ہے۔ آپ غم بیان کریں' آپ سے ہر طرح کا تعاون کروں گا۔"

"اے ہابیل! اگر میں یہ کہوں کہ میرے دل پر تیری پریشانی کا بوجھ ہے تو تو کیا جواب دے گا۔" شیطانی نے جال پھینکنا شروع کیا۔

"میں آپ کا شکر گزار ہوں۔" ہابیل نے ادب سے کہا۔ "لیکن آپ تو پہلے ہی کسی اور کے لئے پریشان ہیں۔ اپنا غم بیان کر کے آپ کے دل پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔"

"ہابیل! تو بیان کرے یا نہ کرے-----" شیطان نے براہ راست حملہ کیا۔ "لیکن تیرے چہرے نے تیرے دکھ کی پوری غمازی کر دی ہے----- تیری سلیقہ مندی اور انسان دوستی ہی مجھے تیرے بھائی قابیل کے پاس لے گئی تھی۔"

قابیل کے نام پر ہابیل چونکا۔ شیطان مصلحتاً خاموش ہو گیا۔ ہابیل نے ذرا دیر انتظار کیا پھر بڑی بے صبری سے پوچھا۔ "آپ نے فرمایا ہے کہ آپ قابیل بھائی کے پاس گئے تھے۔ اگر آپ کے اور قابیل بھائی کے درمیان میرے بارے میں کوئی گفتگو ہوئی ہو تو مجھے اس سے آگاہ کریں تاکہ میرے دل کو سکون حاصل ہو جائے۔"

شیطان نے ایک چیخ ماری اور عورتوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ہابیل

اس کا یہ حال دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اس نے شیطان مردود کو بڑی تسلیاں دے دے کر خاموش کرایا۔

"میں نے آپ سے ایک بات پوچھی تھی اور آپ رونے لگے۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ کو میری بات پر رونا آیا تھا؟"

شیطان نے بڑے تعجب سے ہابیل کو دیکھا اور کہا۔ "اے' ہابیل! اب تک تو مجھے شریف اور نیک دل سمجھتا تھا لیکن وہ تو کتنا متین زیرک اور عقلمند ہے----- مگر بیٹے! میں کیا کروں۔ میں نے بہت سر مارا----- سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا مگر تیرا بھائی قابیل میری ایک نہیں سنتا۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ تو بھی اس کا بھائی ہے----- پھر اقلیما پر تیرا دینی اور دنیاوی دونوں طرح کا حق ہے----- مگر اس کا تو بس ایک جواب ہے کہ اسے اقلیما سے محبت ہے اور محبت سب سے بڑا حق ہے وہ کم بخت یہ بھی نہیں سوچتا کہ اقلیما اس کی جڑواں بہن ہے اور اس سے عقد کسی طرح جائز نہیں۔ دراصل اسے اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے۔ بات بات پر آنکھیں لال پیلی کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں اپنا حق طاقت سے حاصل کروں گا----- میرا دل تو اسی بات پر دکھا ہے۔"

شیطان کے طلسم نے ہابیل کو پوری طرح گھیر لیا۔ وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا اور کڑک کر بولا "اگر اسے اپنی طاقت پر غرور ہے تو میں اس سے کس بات میں کم ہوں۔ وہ میرے منہ لگے گا تو میں اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گا۔"

شیطان کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چلتے ہوئے بولا۔ "بیٹے ہابیل! میں اسی لئے تمہارے پاس آیا تھا----- قابیل سے بات کرتے ہوئے ہوشیار رہنا۔ اس کے تیور مجھے کچھ اچھے معلوم نہیں ہوتے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے قابیل کے ارادوں سے باخبر کر دیا۔ اب آنے دیجئے اسے ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ عمر بھر یاد کرے گا۔" یہ کہہ کر ہابیل نے شیطان کے ہاتھ پر بڑی عقیدت سے بوسہ دیا۔

"قابیل آج ہی تم سے ملنے آئے گا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ میں نے اپنا

فرض ادا کر دیا۔"

----- اور پھر شیطان نے یہ فرض یوں ادا کیا کہ ابن آدمؑ آج تک اس کا شکار ہے۔ شیطان کی مکاری نے جو فتنہ پیدا کیا وہ اولاد آدمؑ کے لئے وبال جان ہے۔

شیطان کو گئے ہوئے ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ قابیل کسی مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا ہابیل کے پاس پہنچا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ ہابیل نے اسے آتے دیکھا تو وہ بھی ایک آہنی عزم لئے اس کی طرف بڑھا۔

قابیل اور ہابیل ایک دوسرے کے سامنے پہنچ کر رک گئے----- قابیل نے ہابیل کو یوں مخاطب کیا جیسے ایک آقا اپنے غلام سے مخاطب ہوتا ہے۔ اس نے کہا۔

"ہابیل! میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے حق سے دستبردار ہو جاؤ۔"

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" ہابیل نے فوراً جواب دیا۔ "اقلیما میری ہے۔ رسم دنیا' دستور اور حکم خداوندی سب کے سب میرا حق تسلیم کرتے ہیں۔"

"اور میرا حق' عشق اور محبت کا ہے۔ یہ حق تمام حقوق سے برتر اور عظیم ہے۔" قابیل کی آواز میں گرج پیدا ہو گئی۔

"قابیل-----" ہابیل کو غصہ آگیا۔ "تجھے شرم نہیں آتی کہ میری شرعی منگیتر کے ساتھ اپنی محبت کا رشتہ اتنی ڈھٹائی کے ساتھ جوڑ رہا ہے؟"

"ہابیل-----" قابیل بھی گرجا۔ "میری راہ سے ہٹ جا۔ اقلیما' میری ہے اور میری ہو کر رہے گی۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"قابیل! کان کھول کر سن لے۔ میں اقلیما کی طرف اٹھنے والے ہاتھ اور بڑھنے والے پاؤں توڑ کر رکھ دوں گا۔"

قابیل تو فیصلہ کر کے آیا تھا۔ ہابیل بھی پوری طرح تیار تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے----- وہ گھونسوں' لاتوں اور طمانچوں سے ایک دوسرے کو مار رہے تھے۔ زخمی ہو رہے تھے۔ وہ لڑتے لڑتے گر جاتے اور پھر اٹھ کر لڑنے لگتے۔ ان کے چہرے لہولہان ہو گئے۔ جسم پر خراشیں آگئیں مگر دونوں میں سے کوئی بھی ہار ماننے کو تیار نہ تھا۔

کئی گھنٹوں کی لڑائی نے انہیں بے دم اور شدید زخمی کر دیا----- ہاتھ پیروں سے لڑنے کے ساتھ ساتھ اب انہوں نے پتھروں اور لکڑی کے ڈنڈوں کا بھی سہارا لے لیا تھا۔ لڑائی کو آخر ختم ہونا ہی تھا۔ ہابیل اگرچہ کمزور نہیں تھا مگر قابیل نے اسے گرا لیا اور پھر لکڑیوں اور پتھروں سے اتنا مارا کہ ہابیل زخموں کی تاب نہ لا سکا اور جاں بحق ہو گیا۔

شیطان نے ایک فاتحانہ قہقہہ لگایا----- اس نے ابن آدمؑ کے درمیان فتنے کی بنیاد رکھ کر انہیں قتل و خون کا پہلا سبق پڑھا دیا تھا----- ہابیل کا یہ پہلا قتل' آنے والے زمانوں کے کروڑوں قتلوں کا پیش خیمہ بن گیا----- اور جب تک یہ دنیا قائم ہے' قابیل و ہابیل کا یہ خونی ڈراما دہرایا جاتا رہے گا۔

ایک بیٹے کی دوسرے بیٹے کے ہاتھوں مارے جانے کی خبر جب حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو ملی تو ان پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ حضرت حواؑ بیٹے کی لاش پر پچھاڑیں کھانے لگیں۔ اولاد کا یہ پہلا صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ حضرت آدمؑ انہیں تسلیاں دیتے لیکن حضرت حواؑ کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔

اولاد آدمؑ کے سامنے یہ پہلا قتل تھا۔ ہر شخص حیران اور ششدر تھا۔ حضرت آدمؑ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ہابیل کی لاش کو کیا کریں۔ کہاں پھینکیں۔ کہاں رکھیں؟

روایت ہے کہ اس وقت حکم خداوندی سے ایک کوا پنجوں میں اپنے مردہ بچے کی نعش دبائے ہوئے فضاؤں سے زمین پر اترا اور ہابیل کی لاش سے ذرا فاصلے پر آکر بیٹھ گیا اس نے اپنے مردہ بچے کو الگ رکھا اور کائیں کائیں کر کے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

حضرت آدمؑ کو علم بلیغ سے فوراً معلوم ہو گیا کہ یہ غیبی اشارہ ہے۔ انہوں نے سب لوگوں کو کوے کی حرکات و سکنات دیکھنے کا حکم دیا۔ حضرت حواؑ بھی کوے کی بے وقت آمد اور کائیں کائیں سے گھبرا کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

کوے نے اپنے پنجوں سے زمین کھودنا شروع کی اور ایک گڑھا بنا لیا----- پھر

اس نے اپنے مردہ بچے کو چونچ میں دبا کر اس گڑھے میں رکھ دیا اور اس گڑھے میں سے نکلی ہوئی مٹی ڈالنے لگا۔ اس طرح گڑھا بند ہو گیا پھر کوے نے پر پھڑپھڑائے اور اڑ گیا۔

حضرت آدمؑ نے یہ اشارہ پا کر ہابیل کو اسی طرح قبر بنا کر دفن کر دیا۔

حضرت حواؑ نے دنیا کی لذتوں سے بڑی حد تک منہ موڑ لیا------ ہابیل کی موت نے ان کے اعضا مضمحل کر دیئے تھے۔

پھر تو اس قتل کے بعد' ابن آدمؑ نے قتل و خون کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔ وہ معمولی معمولی سی بات پر مشتعل ہو کر ایک دوسرے کو قتل کر دیتے اس سے حضرت حواؑ کا دل اور بھی ٹوٹ گیا۔

قتل ہابیل کے بعد پچاس سال تک حضرت حوا کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ پھر حضرت شیث پیدا ہوئے تو والدین کا غم کچھ ہلکا ہوا۔ ایک روایت ہے کہ حضرت شیث اکیلے پیدا ہوئے تھے------ لیکن ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت شیث کے ساتھ ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی اولاد کی صحیح تعداد کا اب تک کسی کو علم نہ ہو سکا۔ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار زبانوں کے بولنے اور سمجھنے کے علم سے سرفراز فرمایا۔ آپ پر اکیس صحیفہ آسمانی نازل ہوئے۔ آپ کا قد مبارک ایک سو اسی فٹ تھا اور آپ نے ہزار سال کی عمر پا کر اس دنیا سے کوچ کیا۔ حضرت آدمؑ کو جبل ابو قبیس کے ایک غار میں دفن کیا گیا۔

حضرت حواؑ پیارے بیٹے ہابیل کی موت اور اس کے بعد اولاد آدمؑ میں فتنہ و فساد کے واقعات سے پہلے ہی سخت دل برداشتہ تھیں۔ اب شوہر نے ساتھ چھوڑا تو انہیں دنیا سے سخت نفرت ہو گئی۔ غموں نے انہیں ایسا گھلایا کہ حضرت آدمؑ کی وفات کے بعد بہ مشکل ایک سال زندہ رہ سکیں اور اس طرح ام البشر' دنیا کی خاتون اول نے ۹۶۱ سال زندہ رہ کر اپنی جان' جان آفریں کے حوالے کر دی۔

حضرت حواؑ نے جس وقت وفات پائی۔ اس وقت ان کے اکیس لڑکے اور بیس

لڑکیاں بقید حیات تھیں۔ نواسوں اور پوتوں کو اگر اس میں شامل کیا جائے تو آپ کی وفات کے وقت ابن آدمؑ کی تعداد چالیس ہزار ہو گئی تھی۔

حضرت شیث اس وقت پیدا ہوئے تھے جب حضرت حواؑ کی عمر دو سو سال تھی۔ آپ کے قد کی لمبائی معلوم نہیں ہو سکی لیکن آپ کی قبر ایک سو ہاتھ کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا قد سوا سو' ڈیڑھ سو فٹ کے قریب تھا۔

حضرت حواؑ کو بھی جبل ابو قبیس کے غار میں' حضرت آدمؑ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

جس وقت طوفان نوح آیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی لاشیں نکالیں اور ایک مضبوط تابوت میں رکھ کر اپنی کشتی میں محفوظ کر لی تھیں۔ طوفان کے اختتام پر حضرت نوح نے اس تابوت کو پھر اسی مقام پر دفن کر دیا جہاں سے لاشیں نکالی گی تھیں۔ جبل ابو قبیس کا غار' بیت المقدس میں ہے۔

○===○===○

دامن یوسف

بازار مصر میں کنیزوں کی خرید و فروخت جاری تھی۔ ایک دلال نے آواز لگائی۔

"میں وہ غلام بیچتا ہوں جو حسن میں لاثانی' خوش خلقی اور دانائی میں یکتا او فرمانبرداری و حیا میں بے نظیر ہے۔ ہے کوئی صاحب نظر جو اس کی قیمت لگائے؟"

بازار مصر میں بکنے والا یہ ایک دس سالہ بچہ تھا جو لباس فاخرہ پہنے' سر پر تا زریں سجائے' ایک کرسی پر سر جھکائے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

بچہ اپنے دلال کی آواز پر چونکا اور قریب کھڑے ہوئے ایک دلال سے کہا۔ "مالک سے کہو کہ وہ یوں آواز لگائے کہ میں وہ غلام بیچتا ہوں جو اپنی مظلومیت او بے کسی میں بے نظیر ہے۔"

دلال نے یوسفؑ کو کوئی جواب نہ دیا اور ان کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو گیا۔

یوسفؑ کے دلال مالک بن زغر کی آواز پھر سنائی دی۔ اس نے کہا۔ "مصر میں کوئی صاحب دل اور اہل ثروت نہیں جو اس ہیرے کو خرید سکے۔"

"پچاس درہم----" کسی نے پہلی بولی دی۔

"ایک ہزار----" دوسری آواز بلند ہوئی۔

"نہیں----" مالک بن زغر منہ بنا کر بولا۔

حضرت یوسفؑ نے دل میں سوچا کہ مالک بن زغر انکار کر کے---- غلطی کر رہا ہے۔ اس نے تو مجھے میرے بھائیوں سے صرف نو درہم میں خریدا ہے۔ اب اتنی زیادہ قیمت قبول کیوں نہیں کرتا۔

وہ سوچ ہی رہے تھے کہ جیسے ندائے ربی ان کے کانوں میں گونجی۔ "اے یوسفؑ اس وقت کو یاد کر جب ایک دن تو نے آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر اپنے حسن و جمال پر غرور کیا تھا اور اپنے آپ کو بہت قیمتی سمجھا تھا۔ اس فخر و غرور کا انجام ہوا کہ تو صرف نو درہم میں فروخت ہوا---- آج تو نے عجز و انکسار سے کام لیا ہے اور اپنی قیمت کم سمجھی ہے۔ اب دیکھ تو کتنا قیمتی ہے اور تجھ پر کیا فضل و کرم ہوتا ہے۔"

"دس ہزار----" یہ تیسری بولی تھی۔

مالک بن زغر نے جھلا کر کہا۔ "نہیں' نہیں۔ یہ حسن' یہ ذہانت' یہ حیا' یہ فرمانبرداری' دس ہزار میں نہیں بیچی جا سکتی۔ یہ قیمت تو اس کی ایک صفت و خوبی کی بھی نہیں۔"

ایک خریدار نے آگے بڑھ کر کہا۔ "اے مالک بن زغر! پھر تو ہی اس لعل بے بہا کی قیمت بتا؟"

مالک بن زغر بولا۔ "میں اس لعل بے بہا کی منہ مانگی قیمت لوں گا۔"

اسی وقت ہٹو بچو کی آوازیں بلند ہوئیں۔ مجمع پھٹ گیا اور ایک سن رسیدہ سوار' جس کے چہرے سے جاہ و حشم ٹپکتا تھا' سامنے آیا۔ اس کے گھوڑے کو چاروں طرف سے زریں کمر غلام گھیرے ہوئے تھے۔ یہ مصر کا وزیراعظم اور مختار کل تھا۔

مالک بن زغر نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور دیبائے رومی کے فرش پر ایک پر تکلف اور زرنگار مسند پر لا کر اسے عزت و احترام سے بٹھایا۔ عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ پر نظر ڈالی۔ حضرت یوسفؑ بھی اس مالدار خریدار کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

عزیز مصر نے کہا۔ "اے' ابن زغر! تو نے اس غلام کی اتنی تش

ہمیں بھی اس کو دیکھنے کا شوق ہوا اور ہم بے چین ہو کر یہاں چلے آئے۔"

مالک بن زغر خوشامد سے بولا۔ "اے نائب سلطنت! کیا میں نے غلط اعلان کرایا تھا۔ آپ نے اسے کیسا پایا؟"

عزیز مصر نے مسکرا کر کہا۔ "لاریب ابن زغر! تیرے ہاتھ لاجواب ہیرا لگا ہے۔ اب تک اس کی کیا قیمت لگ چکی؟"

مالک بن زغر غرور سے اکڑ گیا۔ اس نے کہا۔ "اے نائب سلطنت! اس کی قیمت کوئی کچھ بھی لگائے میں تو اس کی منہ مانگی قیمت مانگتا ہوں۔"

"ہم بھی تو سنیں' کیا قیمت مقرر کی ہے تو نے اس کی؟" وزیراعظم نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"ایک ہزار بدرے۔" مالک بن زغر نے بڑے فخر سے کہا۔ "میں اس قیمت سے ایک درہم بھی کم نہ لوں گا۔"

بدرہ تھیلی کو کہتے ہیں جس میں ایک ہزار درہم ہوتے ہیں۔ اس طرح ابن زغر نے حضرت یوسفؑ کی دس لاکھ درہم قیمت مانگی تھی۔

عزیز مصر نے ایک لمحہ توقف کر کے کہا "اے ابن زغر' بے شک یہ لعل اس قیمت میں بھی ارزاں ہے۔ ہم نے قبول کیا۔ بولی ختم کر۔ یہ حسین بچہ ہمارا ہوا۔"

مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ خریداروں پر اوس پڑ گئی۔

روایت ہے کہ عزیز مصر نے دگنی قیمت ادا کر کے حضرت یوسفؑ کو خرید لیا۔ شاید حضرت یوسفؑ کو بھی اس قیمت کا اندازہ نہ تھا۔ ندائے ربی حقیقت بن کر ان کے سامنے آ گئی۔ ایک جہاندیدہ کہہ رہا تھا۔ "یہ حسن ارضی نہیں یہ تو فرشتوں کا حسن ہے۔"

یعقوبؑ کی آنکھوں کا نور' کنعان کا ماہتاب' مصر کے افق پر چمکا بازار میں فروخت ہوا اور عزیز مصر کے محل میں پہنچ گیا۔ قصر عزیز میں بھگدڑ مچ گئی۔ لونڈیاں' غلام ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

ایک لونڈی نے زلیخا کو اطلاع دی۔ "اے بی بی! اٹھئے دیکھئے آپ کے گھر کون

مہمان آیا ہے۔"

لونڈی بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ اس کی سانس پھول رہی تھی زلیخا کو ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا۔

"تو اس قدر گھبرا کیوں رہی ہے۔ میرے محل میں ہزار مہمان بھی آ جائیں تو ان کی خاطر مدارات میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ تو ایک مہمان کی خبر سے اتنی پریشان کیوں ہو گئی؟"

"بی بی! چلئے تو۔" لونڈی اسی گھبراہٹ سے بولی۔ "یہ ایک مہمان' ہزار مہمانوں پر بھاری ہے۔"

زلیخا اٹھتے ہوئے بولی۔ "کوئی شہزادہ آ گیا ہے کیا یا بادشاہ سلامت تشریف لائے ہیں؟"

لونڈی ساتھ چلتے ہوئے بولی۔ "شہزادے اور بادشاہ تو اس کے پیر کی دھوون بھی نہیں' بی بی! وہ تو فرشتہ ہے' ننھا فرشتہ' جیسے ابھی ابھی آسمان سے اترا ہو۔"

زلیخا کمرے سے نکل کر راہداری میں آئی۔ آگے دیکھا تو نظریں ٹھٹک کر رہ گئیں۔ قدموں کو زمین نے پکڑ لیا۔ منہ حیرت سے کھل گیا۔

حسن کا ایک پیکر تھا کہ جمال کا شعلہ جو یوسفؑ کے چہرے سے اٹھا اور زلیخا کے پیکر کو خاکستر کرتا ہوا اس کے دل میں اتر گیا۔

آگے آگے حضرت یوسفؑ ان کے جلو میں دست بستہ لونڈیاں اور غلام۔ عزیز مصران کے قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے۔ یہ ایک زر خرید غلام کی آمد تھی کہ کسی شہنشاہ کی سواری۔

لونڈی نے آہستہ سے کہا۔ "اے بی بی! ہوش میں آیئے عزیز مصر نے یہ غلام آپ کی خدمت کے لئے خریدا گیا ہے۔"

زلیخا پہلی ہی نظر میں اپنا دل یوسفؑ پر نچھاور کر چکی تھی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور دل ہی دل میں کہا۔ "اس غلام کی غلامی مجھے حاصل ہو جائے تو یہ میری خوش قسمتی ہو گی۔"

قصہ یوسفؑ کو قرآن حکیم میں احسن القصص کا نام اور مقام دیا گیا ہے۔ یعنی حضرت یوسفؑ کا قصہ، قرآن حکیم کے تمام قصوں سے بہتر ہے۔ اس کی تصدیق خداوند نے اس طرح فرمائی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسفؑ بشکل وحی، حضور پرنور پر نازل فرمائی تو اس کا آغاز اس طرح کیا گیا۔

(ترجمہ) اے محمدؐ! [redacted]۔ اس واسطے کہ بھیجا قرآن تیری طرف اور تو تھا پہلے اس سے بے خبروں میں سے۔

بعض علماء نے احسن القصص کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ حضرت یوسفؑ کا قصہ قرآن میں بیان کئے گئے تمام پیغمبروں کے قصوں سے احسن اور بہتر ہے۔ اس لئے اسے احسن القرآن کہا گیا ہے۔

بعض کا خیال یہ ہے کہ اللہ نے اسے احسن القصص اس وجہ سے کہا ہے کہ اس قصہ میں حضرت یعقوبؑ کے صبر جمیل کا حال بیان کیا گیا ہے اور چونکہ اللہ کی نظر میں صبر سب سے بہتر چیز ہے اس لئے اس قصہ کو احسن اور بہتر کہا گیا۔ کچھ علماء کرام کا یہ بھی خیال ہے کہ چونکہ پہلے قصوں کی باتیں خواب کے مانند ہیں اور قصہ یوسفؑ سرتاپا ایک حقیقت ہے۔ اس لئے اسے احسن القصص کا نام دیا گیا۔

بہرحال اس کا نام کسی بھی وجہ سے احسن القصص ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ قصہ نہایت موثر ہے۔ یہ ہمیں نیکی کا راستہ اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کا سبق دیتا ہے۔ یہ قصہ اس وقت کا ہے، جب قرآن کی تکمیل نہ ہوئی تھی اور اپنے پرائے سبھی قرآن کو جھٹلانے پر تلے ہوئے تھے۔ طلوع اسلام سے یہودیوں اور یہودیت کو سب سے زیادہ دھچکا لگا تھا۔ ان کی فوجی اور مذہبی برتری کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ یہودی علماء ہر وقت اس فراق میں رہتے کہ کوئی موقع ہاتھ آئے اور وہ قرآن پر اعتراض کریں۔ یہودی آئے دن مسلمانوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے۔ قرآن حکیم اور معتبر روایات تفاسیر کی روشنی میں حضرت یوسفؑ کا قصہ اس طرح ترتیب دیا گیا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے والد محترم حضرت یعقوبؑ اپنے بھائی عیص کے خوف سے کنعان چھوڑ کر اپنے ماموں کے گھر جا بسے تھے۔ حضرت یعقوب کی شادی ماموں کی دو لڑکیوں راحیل اور لیا سے ہوئی تھی۔ اس وقت دو بہنوں سے نکاح شریعت کی رو سے جائز تھا جو بعد میں ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح جیسے حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن، بھائی کا نکاح جائز تھا اور بعد کی شریعت میں منع کیا گیا۔

توریت کے بیان کے مطابق بی بی لیا کے بطن سے روئیں، شمعون، لیوی، یہودا، سخارا اور زبولون پیدا ہوئے۔ دو بیٹے کاوا اور بشری، ایک خاتون، جن کا نام زلفی تھا، سے پیدا ہوئے۔ بی بی راحیل سے عرصے تک کوئی اولاد نہیں ہوئی پھر حضرت یوسفؑ پیدا ہوئے۔

اکیس، بائیس سال گزر جانے کے بعد حضرت یعقوبؑ اپنی والدہ محترمہ کی زیارت کے لئے مع اہل و عیال کنعان واپس آئے اس وقت حضرت یعقوب کے گیارہ بیٹے تھے۔ کنعان میں ان کی اپنے بڑے بھائی سے صلح ہو گئی اور حضرت یعقوبؑ کنعان میں آباد ہو گئے۔ کنعان میں حضرت یوسفؑ کے دوسرے بھائی بیامین پیدا ہوئے۔ بیامین کی پیدائش کے بعد بی بی راحیل کا انتقال ہو گیا اور اس شیر خوار بچے بیامین کی پرورش، ان کی سوتیلی ماں اور خالہ لیا کے ہاتھوں ہوئی۔

حضرت یوسفؑ خوبصورتی اور جمال میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے جو اس بچے کو دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا۔ عقل و فراست، فرمانبرداری اور شرم و حیا بھی آپ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ یہی خوبیاں تھیں جو حضرت یعقوبؑ کو ایسی بھائیں کہ یوسفؑ حضرت یعقوب کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن گئے۔ وہ یوسفؑ کو ایک لمحے کے لئے بھی اپنے سے جدا نہ کرتے تھے۔

آخر حضرت یوسفؑ کا حسن و جمال، ان کے لئے مصیبت بن گیا----- سب سے پہلی مصیبت ان پر اپنی پھوپھی کی طرف سے نازل ہوئی۔ وہ حضرت یعقوب کی بہن تھیں۔ بھائی کے گھر آئیں تو حضرت یوسفؑ کو دیکھتے ہی لوٹ پوٹ ہو گئیں۔

بھائی سے کہا کہ آپ کثیر الاولاد ہیں۔ یوسفؑ مجھے دے دیجئے میں اس کی اچھی طرح پرورش کروں گی۔

حضرت یعقوب کسی طرح رضامند نہ ہوئے۔ لیکن جب بہن نے بہت مجبور کیا تو وہ اپنے نور نظر کو نظروں سے دور کرنے پر آمادہ ہو گئے ادھر بہن' حضرت یوسفؑ کو لے کر روانہ ہوئیں ادھر حضرت یعقوبؑ کی حالت غیر ہونے لگی۔ نہ دن کو چین نہ رات کو قرار۔ آخر بہن کو کہلا بھیجا کہ یوسفؑ کے بغیر میری زندگی ویران ہو رہی ہے۔

بہن بھی اس چاند کے ٹکڑے کی محبت میں گرفتار تھیں۔ کہلا بھیجا کہ میں بھی یوسف کو جدا نہیں کر سکتی---- پھر تدبیر یہ ٹھہری کہ یوسفؑ ایک ہفتہ پھوپی کے گھر اور ایک ہفتہ باپ کے گھر رہیں---- لیکن وہ جو کہا ہے کہ ماں سے بڑھ کر چاہے' پھاپھا کٹنی کہلائے۔ پھوپی نے باپ سے زیادہ محبت جتائی۔ حضرت یوسفؑ نے ایک ہفتہ پھوپھی کے گھر گزارا۔ واپسی کا دن آیا تو پھوپھی کے دل میں کھوٹ پڑ گئی۔ سوچا کہ کوئی ایسی تدبیر کروں کہ یوسفؑ سدا میرے گھر رہیں۔

سوچتے سوچتے ایک ترکیب ذہن میں آئی۔ ان کے گھر میں باپ دادا کی میراث کا وہ ازاربند رکھا تھا جس سے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے ہاتھ' پاؤں بوقت قربانی باندھے تھے۔ پھوپی نے جھٹ ازاربند نکالا اور چپکے سے حضرت یوسفؑ کی کمر کے گرد لپیٹ دیا اور اس پر کرتہ پہنا کر انہیں رخصت کر دیا۔ حضرت یعقوب کے آدمی جو یوسفؑ کو لینے آئے تھے خوشی خوشی اس لعل بے بہا کو لے کر چلے گئے۔

حضرت یوسفؑ گھر پہنچ کر باپ کے گلے ملے ہی تھے کہ پھوپی مع چار آدمیوں کے آدھمکیں اور الزام لگایا کہ ان کی میراث کا ازاربند حضرت یعقوب کے فرستادہ آدمی چرا لائے ہیں۔ حضرت یعقوب گھبرا گئے---- بہن نے آدمیوں کی تلاشی لی۔ ان کی جامہ تلاشی تو محض ایک بہانہ تھا---- ازاربند تو یوسفؑ کی کمر میں تھا۔ پھوپی نے بھتیجے کو چور بنا دیا۔

حضرت یعقوب ششدر رہ گئے۔ اس وقت شریعت کے مطابق چور کو مالک کا غلام بنا دیا جاتا تھا۔ پس پھوپی کی اس حیلہ سازی نے---- حضرت یوسفؑ کو پھوپی کا غلام بنا دیا اور حضرت یعقوب ان کی فرقت میں آنسو بہانے لگے۔

پھوپھی کی یہ حیلہ سازی قدرت کو ناگوار گزری اور وہ اس گناہ کا بوجھ لئے دو

سال کے اندر ہی عدم آباد کو سدھار گئیں۔ حضرت یوسفؑ پھر اپنے گھر آ گئے۔

حضرت یعقوب بیٹے کو پا کر نہال ہو گئے۔ ان کا التفات حضرت یوسفؑ کی طرف بڑھا تو تمام بڑے بھائی ان کے خلاف ہو گئے اور انہیں راستے سے ہٹانے کی تدبیریں کرنے لگے۔

ایک صبح نیند سے بیدار ہو کر حضرت یوسفؑ باپ کے پاس پہنچے۔ باپ نے انہیں پریشان دیکھا تو کلیجہ دھڑکنے لگا۔ محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر پوچھا۔ "اے جان پدر! کیا بات ہے۔ یہ پھول جیسا چہرہ کمھلایا ہوا کیوں ہے؟"

حضرت یوسفؑ بولے۔ " ابا جان! رات' مجھے ایک عجیب خواب نظر آیا ہے۔ اسی کی وجہ سے دل پریشان ہے۔"

حضرت یعقوب نے انہیں تسلی دی۔ گود میں بٹھایا اور کہا۔ "جان پدر! خواب سے پریشان نہیں ہوا کرتے۔ تم معصوم ہو اور تمہارا خواب بھی معصوم ہی ہو گا۔ ذرا ہمیں بھی تو سناؤ اپنا خواب۔"

حضرت یوسفؑ نے کہا۔ (قرآن) "اے' ابا جان! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ شب کو گیارہ ستاروں' سورج اور چاند نے مجھے سجدہ کیا۔"

حضرت یعقوب خواب سن کر سناٹے میں آ گئے۔ خواب کی تعبیر فورا" ان کے ذہن میں آ گئی۔ حضرت یعقوب نے کہا۔ (قرآن) "اے میرے بیٹے! مت بیان کر خواب اپنے بھائیوں سے کیونکہ اس خواب کو سن کر وہ تیرے واسطے البتہ کچھ فریب بنائیں گے اور شیطان' انسان کا کھلا دشمن ہے۔"

حضرت یعقوب کو معلوم تھا کہ اگر حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب بھائیوں سے بیان کیا تو وہ خواب کے اشاروں سے سمجھ جائیں گے کہ گیارہ ستاروں سے مراد' یوسفؑ کے گیارہ بھائی' اور چاند' سورج کا اشارہ ماں باپ کی طرف ہے۔

پھر حضرت یعقوبؑ نے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا۔ (قرآن) "اور اسی طرح نوازے گا تیرا رب اور بنا دے گا تجھ کو ٹھیک اور درست یعنی تعبیر خوابوں کی اور پورا کرے گا اپنا انعام تجھ پر اور حضرت یعقوب پر جیسا کہ پورا کیا تیرے دو باپوں پر جو تجھ

سے پہلے تھے یعنی وہ دادے----- حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیل------ اور البتہ تیرا رب بہت خبروالا ہے اور حکمت والا ہے۔"

حضرت یعقوب نے بہت احتیاط کی کہ یوسفؑ کا خواب اور اس کی تعبیر ان کے دوسرے بھائیوں کو نہ معلوم ہو لیکن انہیں کسی نہ کسی طرح اس کی خبر ہو گئی اور وہ حضرت یوسفؑ سے اور زیادہ حسد کرنے لگے۔

پھر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا۔ (قرآن) "اور جب کہنے لگے ان کے بھائی' البتہ یوسفؑ اور اس کا بھائی بیامین زیادہ پیارا ہے' باپ کو' ہم سے----- اور کہنے لگے کہ ہم لوگ قوت والے ہیں اور ہمارا باپ اپنی اولاد کے بارے میں صریح غلطی پر ہے۔"

برادران یوسفؑ دیر تک اس مسئلے پر صلاح مشورے کرتے رہے ان کا کہنا تھا کہ وقت پڑنے پر تو ہم اپنے باپ کے کام آتے ہیں کیونکہ ہم بڑے اور طاقتور ہیں لیکن باپ کو محبت ہمارے بجائے یوسفؑ جیسے کمزور بچے (حضرت یوسفؑ کی عمر' اس وقت تقریباً" دس سال تھی) اور اس شیر خوار----- بھائی بیامین سے ہے۔

بہت بحث و مباحثے کے بعد بھائیوں نے آپس میں صلاح کی۔

(قرآن) "پس یوسفؑ کو کسی طرح مار ڈالو یا کسی ایسی جگہ پھینک دو جہاں سے وہ نہ آسکے۔ وہ کسی دوسرے ملک میں اکیلا رہے تاکہ والد محترم کی پوری توجہ تمہاری طرف رہے۔"

لیکن ایک بھائی نے اس کی مخالفت کی۔ اس نے کہا (قرآن) "ایک بولا بولنے والا کہ مت مارو یوسفؑ کو اور پھینک دو اس کو ایک گمنام کنوئیں میں کہ اٹھا لے جائے' اس کو کوئی مسافر۔"

حضرت یوسفؑ کے تمام بھائیوں میں یہودا اور شمعون بہت بااثر تھے اور دوسرے بھائی ان کی فرمانبرداری کرتے تھے۔ یہودا نے حضرت یوسفؑ کے قتل کرنے کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ قتل بڑا گناہ ہے جس کی معافی نہیں ہو گی۔ اگر یوسفؑ کو قتل کرنے کے بجائے کنوئیں میں ڈال دیا جائے تو مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اپنی اس غلطی کی

ہم خدا سے معافی مانگ۔ لیں گے اور باپ کی خدمت کریں گے تاکہ ہمارا گناہ معاف ہو جائے۔

اس مشورے کے بعد حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے یوسفؑ کے ساتھ بہت زیادہ محبت اور التفات کا اظہار کرنا شروع کر دیا تاکہ یوسفؑ کا ان پر اعتماد پختہ ہو جائے اور اس کے دل میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہ ہونے پائے۔

کچھ دن بعد برادران یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ ہم لوگ میدان میں کھیلنے جا رہے ہیں۔ آپ یوسفؑ کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیں۔ حضرت یعقوب کو اپنے بیٹوں پر اعتبار نہ تھا اور وہ جانتے تھے کہ یہ حضرت یوسفؑ سے حسد کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور یوسفؑ کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہ دی۔

باپ کی طرف سے نا امید ہونے کے بعد برادران یوسفؑ نے یوسفؑ کو بہلانا پھسلانا شروع کر دیا اور ان کے دل میں میدان کی سیر کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بھائیوں نے یوسفؑ کو یہ بھی لالچ دیا کہ میدان کی سیر کرنے کے بعد بکریوں کا دودھ بھی پئیں گے۔

حضرت یوسفؑ پھر بچہ ہی تھے۔ آخر بھائیوں کے بہکانے میں آ گئے اور ان کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ بھائیوں نے انہیں سمجھایا کہ باپ سے خود ہی اجازت حاصل کرو۔

حضرت یوسفؑ کے دل میں سیر کا شوق گھر کر گیا تھا اس لئے وہ باپ کے سر ہو گئے اور ضد کر کے اجازت حاصل کر لی۔ برادران یوسفؑ انہیں کنعان سے چھ کوس دور لے گئے اور اپنے منصوبے کے مطابق' ان کے ہاتھ پیر باندھ کر ایک کنوئیں میں پھینک دیا۔ باندھنے سے پہلے بھائیوں نے یوسفؑ کے کپڑے بھی اتار لئے تھے۔

حضرت یوسفؑ بہت روئے پیٹے دہائی دی لیکن برادران یوسفؑ کو رحم نہ آیا اور انہیں کنوئیں میں پھینک کر چلے گئے۔

مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اسی وقت ادھر سے ایک قافلہ گزرا جس نے اسی کنوئیں کے پاس قیام کیا۔ اس قافلے کا مالک' مالک بن

زغر تھا جو مصر جا رہا تھا اور راستہ بھول کر ادھر نکل آیا تھا۔

اس کے ایک نوکر نے پانی کے لئے کنویں میں ڈول ڈالا تو ڈول میں پانی کے بجائے حضرت یوسفؑ بیٹھ کر اوپر آ گئے۔ نوکر اس بچے کا حسن دیکھ کر حیران رہ گیا اس نے مالک کو خبر کی۔ مالک بن زغر بھاگا ہوا آیا۔ وہ بھی بچے کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

برادران یوسفؑ دور چھپے کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ بھاگ کر کنویں کے پاس آئے اور کہا کہ یہ ان کا غلام ہے جو بھاگ آیا ہے۔ مالک حضرت یوسفؑ کو واپس کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ آخر برادران یوسفؑ نے صرف نو درہم میں اپنے بھائی کو مالک بن زغر بردہ فروش کے ہاتھوں فروخت کر دیا ——— جیسا کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے۔

"اور بیچ آئے' اس کو ناقص مول میں (یعنی گنتی کی چونیوں میں) اور وہ یوسفؑ سے بیزار ہو رہے تھے۔"

برادران یوسفؑ نے مالک بن زغر کو قبالہ لکھ کر دے دیا کہ انہوں نے یوسفؑ کو اٹھارہ درہم مصری جو کہ نو درہم کنعانی کے برابر ہوتے ہیں' کے عوض فروخت کیا ہے۔ قبالہ پر قافلے کے معتبر لوگوں کی گواہی شہادت بھی لکھی گئی۔ ہر طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد مالک بن زغر نے یوسفؑ کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں اور موٹا پشمینہ اوپر سے اوڑھا کر انہیں اونٹ پر سوار کر دیا۔

اس وقت کی حضرت یوسفؑ کی آہ و زاری اور برادران یوسفؑ کی سنگدلی کا اگر نقشہ کھینچا جائے تو دفتر کے دفتر بھر جائیں۔ حضرت یوسفؑ ——— دہاڑیں مار مار کر روتے تھے لیکن ظالم بھائیوں کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ قافلہ وہاں سے چل پڑا۔

راستے میں بی بی راحیل' مادر یوسفؑ کی قبر پڑتی تھی۔ حضرت یوسفؑ قبر دیکھ کر اور بے چین ہو گئے۔ اونٹ روک کر اترے اور قبر سے لپٹ کر چیخیں مارنے لگے۔ قافلے کے ایک آدمی کی نظر ان پر پڑ گئی۔ وہ دوڑ کر قریب آیا اور اتنے زور کا طمانچہ مارا کہ آپ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

آپ نے بڑی بے کسی کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کیا۔ "اے خدایا! ان ظالموں کے ہاتھوں سے مجھے محفوظ رکھ۔ تو جانتا ہے کہ میں بے قصور ہوں۔ اس تکلیف سے مجھے نجات دلا۔"

روایت ہے کہ حضرت یوسفؑ کی یہ فریاد درگاہ ایزدی میں مستجاب ہوئی اور ایک لکہ ابر 'گرجتا' چمکتا نمودار ہوا بادل کے اس ٹکڑے میں اتنی گھن گرج تھی کہ قافلے والوں کے دل دہل گئے۔ پھر ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ بجلی کڑک کڑک کر قافلے والوں کی طرف لپکتی۔ قافلے والوں میں واویلا مچ گیا۔ لوگ پکارنے لگے کہ ضرور کسی نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے یا کسی پر ظلم ڈھایا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھتے پھرتے کہ کس نے کس پر ظلم کیا ہے۔ کون گناہ کا مرتکب ہوا۔ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ بجلی لپکتی ہوئی' اس کے سر پر آتی ہے اور لوٹ جاتی ہے وہ خوف و دہشت سے کانپ رہا تھا۔ وہ قافلے والوں کو دیکھ کر چلایا۔ "مجھے بچاؤ میں گنہگار ہوں ظالم ہوں۔ میں نے ایک بچے کو طمانچہ مارا ہے۔"

پھر وہ قافلے والوں کو ساتھ لے کر حضرت یوسفؑ کے پاس آیا ——— ایک اونٹ حضرت یوسفؑ پر سائبان بنائے کھڑا تھا۔ وہ ظالم حضرت یوسفؑ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا۔ قافلے والے بھی حضرت یوسفؑ سے رو رو کر معافی مانگتے تھے۔

حضرت یوسفؑ کو ان پر ترس آ گیا۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں ان کے لئے دعا فرمائی۔ ان کی یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ فوراً" ہی مطلع صاف ہو گیا۔ اب نہ بجلی تھی نہ بادل۔ کھلا ہوا نیلا آسمان ان کے سروں پر تن گیا۔

اس قافلے کے مصر پہنچنے سے پہلے ہی حضرت یوسفؑ کے حسن کا چرچا پورے مصر میں پھیل گیا تھا۔ ہر ایک انہیں دیکھنے کے لئے بے چین تھا۔ جب مالک بن زغر' حضرت یوسفؑ کو لے کر مصر میں داخل ہوا تو انہیں دیکھنے کے لئے خلقت ٹوٹ پڑی۔ کیا عورت کیا مرد کیا بوڑھا کیا بچہ جو حضرت یوسفؑ کو دیکھتا صانع قدرت کی تعریف کرتا۔ تمام مصر کیا تمام عالم میں اس حسن کا جواب نہ تھا۔

برادران یوسفؑ اپنے بے گناہ اور بے قصور بھائی کو مالک بن زغر کے ہاتھ بیچ کر گھر کی طرف چلے تو اس بات سے فکرمند تھے کہ باپ کو کیا جواب دیں گے۔ چلتے چلتے

وہ سب ایک جگہ ٹھہر گئے اور مشورہ کرنے لگے۔ آخر ایک بھائی نے کہا۔

"جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب پچھتانے اور پریشان ہونے سے کیا فائدہ۔ ہمارے پاس یوسفؑ کا کرتہ موجود ہے اسے بکری کے خون میں بھگو کر پیش کر دیں گے کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا"۔

اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ ایک بکری ذبح کی اور پیراہن یوسفؑ کو اس میں ڈبو کو روتے پیٹتے باپ کے پاس پہنچے۔

قرآن حکیم میں فرمایا گیا۔ "اور آئے اپنے باپ کے پاس، اندھیرا ہونے پر------ اور بہت ہی روتے ہوئے سب کے سب اور نہایت ہی عاجزی سے کہنے لگے اے میرے باپ! کہ ہم سب دوڑنے لگے۔ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں لگ گئے اور یوسفؑ کو سامان کے پاس چھوڑ دیا اور ہم لوگ ان کی طرف سے کچھ دیر غفلت میں پڑ گئے۔ اتنے میں کوئی بھیڑیا ان کی طرف آ نکلا اور یوسفؑ کو بچہ سمجھ کر حملہ کیا اور کھا گیا------ اور ہم لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ ہمارے کہے ہوئے کو باور نہیں کریں گے اگرچہ ہم سب سچ کہہ رہے ہیں۔"

حضرت یعقوب کا اس وقت کیا حال ہوا، اس کے بیان کرنے کے لئے قلم میں طاقت نہیں۔ وہ بیٹا جسے وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے------ ایک لمحے کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے اس کے مرنے کی خبر انہیں سنائی گئی۔ ان کی دنیا اندھیر ہو گئی۔ کلیجہ شق ہو گیا، آنکھوں سے سیلاب اشک رواں ہو گیا۔ ایک ایک کا منہ دیکھتے اور کہتے کہ ہائے، میں نے کیا کیا، ان کے ساتھ اپنے لخت جگر کو کیوں بھیجا۔ نہ میں اسے جانے کی اجازت دیتا نہ آج یہ روز دیکھنا پڑتا۔ آپ یوسفؑ کے پراہن کو بار بار آنکھوں سے لگاتے اور زار زار روتے تھے۔ انہیں کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ ان کا یوسفؑ ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ یعقوب کو بیٹوں کی بات کا یقین نہ آیا۔ انہوں نے پیراہن یوسفؑ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پیراہن صرف خون آلود تھا۔ کہیں سے نچا، کھچا یا پھٹا ہوا نہ تھا۔ اس سے انہیں اور شبہ پیدا ہوا انہوں نے پیراہن یوسفؑ کو سونگھا اور بیٹوں سے فرمایا۔

(قرآن) "اور کہا حضرت یعقوب نے کہ کوئی بھی ٹھیک بات تم نے ہم کو نہیں بتائی جس پر تمہارے دل خود گواہ ہیں۔ لہٰذا میں صبر جمیل اور اللہ تعالیٰ کی مدد مانگتا ہوں۔ اس بات پر جو تم، مجھے آ کر بتاتے ہو۔"

بیٹوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ابا جان! جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں ذرہ بھر جھوٹ نہیں ہے۔"

حضرت یعقوب نے فرمایا۔ "میں یوسفؑ کے پسینے کی خوشبو سے واقف ہوں------ پھر اسکے اور اپنے خون کی خوشبو کیوں نہ جانوں۔ اس پیراہن سے یوسفؑ کے خون کی خوشبو نہیں آتی۔ تم لوگ ضرور غلط بیانی کر رہے ہو۔"

روایت ہے کہ حضرت یعقوب نے بیٹوں سے کہا۔ "اگر تم سچے ہو تو اس بھیڑیئے کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ جو یوسفؑ کو کھا گیا ہے؟"

بھائیوں نے اس کی حامی بھرلی اور صبح کو جنگل میں جا کر------ ایک بھڑیا کسی نہ کسی طرح پکڑ لائے۔ حضرت یعقوب کے سامنے پیش کرنے سے قبل برادران یوسف نے بھیڑیئے کے منہ پر بھی بکری کا خون لگا دیا تھا۔

حضرت یعقوب نبی خدا تھے اور معجزات کے حامل تھے۔ انہوں نے بھیڑیے سے پوچھا۔ "اے مخلوق خدا! تجھے میرے یوسفؑ سے کیا دشمنی تھی کیا عداوت تھی۔ تو نے میرے بڑھاپے پر بھی رحم نہ کیا اور میری زندگی کا سرمایہ مجھ سے چھین لیا؟"

بھیڑیئے نے حکم خداوندی سے جواب دیا۔ "اے نبی خدا! مجھ میں کیا ہمت اور کی مجال کہ حضرت یوسفؑ کی طرف نگاہ بھی اٹھا سکوں------ یوں بھی انبیاء اور صلحا کا گوشت پوست ہم درندوں پر حرام ہے۔ میں تو خود مصیبت کا مارا تین دن سے بھوکا پیاسا اپنے گمشدہ بھائی کی تلاش میں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ آپ کے بیٹے تو زبردستی مجھے پکڑ لائے ہیں اور میرے منہ پر بکری کا خون لگا دیا ہے۔"

اب تو حضرت یعقوب کو پورا پورا یقین ہو گیا کہ ان کے بیٹوں نے ان کے ساتھ فریب کیا ہے اور یوسفؑ کو مار کر کہیں پھینک دیا ہے یا ایسا غائب کیا ہے کہ اس کی خبر

ملنا مشکل ہے۔ لیکن سوائے صبر کے اور چارہ بھی کیا تھا۔ انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ ان کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا اور بیٹے کا غم لئے ایک کونے میں جا بیٹھے اور یاد خدا میں مشغول ہو گئے۔

○

قبیلہ رائیل کی بیوی زلیخا بڑی صاحب جمال خاتون تھیں۔ مصر کی حسین ترین عورتوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کے باپ' شاہ طیموس بیان کئے گئے ہیں۔ زلیخا کے شوہر کا نام قطمیر تھا۔ یہ شہر غازن ملک مصر کے نامی گرامی وزیر تھے۔ تاریخ مصر میں یہ عزیز مصر کے نام سے مشہور ہوئے۔ جس زمانے کا یہ قصہ ہے اس وقت مصر کا بادشاہ ریان ابن الولید تھا اور عزیز مصر اسی کے وزیر باتدبیر تھے۔

جس وقت عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کو زلیخا کے حوالے کیا تھا تو کہا تھا۔

(قرآن) "اور کہا جس نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو شاید یہ ہمارے کام آوے یا اس کو ہم اپنا بیٹا بنا لیں۔"

بی بی زلیخا نے حضرت یوسفؑ کے حسن کا چرچا پہلے ہی سن رکھا تھا کیونکہ ان کی خوبصورتی اور جمال جہاں آرا کی خبریں' ان کے مصر پہنچنے سے پہلے ہی پہنچ چکی تھیں لیکن اڑتی خبروں اور افواہوں پر انہوں نے پہلے دھیان نہ دیا۔ ہاں ان کو دیکھنے کی آرزو دل میں ضرور پیدا ہو چکی تھی۔

اب جو حضرت یوسفؑ کو اپنے سامنے پایا تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئیں۔ عقل و خرد کو بالائے طاق رکھا اور محبت بیک نظر کا شکار ہو گئیں۔ شوہر نے فرزند بنانے کا خیال ظاہر کیا تھا مگر یہ حضرت یوسفؑ کو اپنے دل کا مالک بنا بیٹھیں۔

اب حضرت یوسفؑ تھے اور زلیخا کی بے تابیاں تھیں زلیخا ان کی پھول کے مانند نگہداشت کرتیں۔ محل میں صدہا لونڈیاں اور غلام موجود تھے مگر کسی کو یوسفؑ کے پاس نہ پھٹکنے دیتیں۔ خود ہی نہلاتیں' دھلاتیں' لباس تبدیل کراتیں' سنوارتیں۔ لباس تو اتنا قیمتی پہناتیں کہ شاید شہزادوں کو بھی نصیب نہ ہو۔ زلیخا نے یوسفؑ کے لئے ایک مرصع زریں تاج بنوایا تھا جو حضرت یوسفؑ ہر وقت پہنے رہتے۔ کہنے کو تو وہ

زر خرید غلام تھے لیکن ان کی حکومت پورے محل پر تھی۔ وہ ہاتھ میں ایک طلائی عصا لئے محل بھر میں کھیلتے پھرتے۔

حضرت یوسفؑ کو زلیخا کے محل میں رہتے ہوئے اسی طرح سات سال گزر گئے اور یہ ہلال کنعانی' ماہ کنعان بن گیا۔ جوں جوں حضرت یوسفؑ جوانی کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے' زلیخا کی آرزوؤں اور تمناؤں پر بھی شباب آتا گیا۔ ایک طرف اضطراب دوسری طرف اجتناب' ایک دل محبت سے لبریز دوسرا دل سراپا گریز۔ زلیخا نے پہلے اشاروں کنایوں کا سہارا لیا پھر مدعائے دل حروف و الفاظ میں ڈھل گیا۔ زلیخا حضرت یوسفؑ کو طرح طرح کی ترکیبوں سے گھیرتی اور وہ مچھلی کی طرح پھسل کر اس کے جال سے نکل جاتے۔

زلیخا نے پہلے سوچا تھا کہ یوسفؑ کا عہد طفلی ہے۔ شباب میں قدم رکھیں گے تو ضرور ڈگمگائیں گے مگر یوسفؑ طفلی اور جوانی دونوں ہی میں ثابت قدم رہے۔ زلیخا کا کوئی زور نہ چلا۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوئی تو دل کو دھچکا سا لگا۔ اداس اداس رہنے لگی۔ ہر دم نڈھال' چہرہ اترا ہوا' رنگ زرد زرد۔ حضرت یوسفؑ زلیخا کو دیکھتے مگر ان کے پاس اس کا علاج نہ تھا اور اگر علاج تھا تو وہ ان کی حرمت اور تقدس کی موت تھی۔

زلیخا کے پڑوس میں ایک بڑی بی رہتی تھیں۔ زلیخا کے محل میں ان کا آنا جانا تھا لیکن وہ ہوا کے جھونکے کی طرح آتیں اور چلی جاتیں۔ انہیں کیا خبر کہ زلیخا کے محل میں کیا قیامت کروٹیں لے رہی ہے۔ زلیخا نے تو یوسفؑ کو سات پردوں میں چھپا رکھا تھا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دیتی تھی۔

ایک دن بڑی بی محل میں آئیں۔ زلیخا کو دیکھا تو دنگ رہ گئیں۔ نہ پہلے جیسا رنگ و روپ' نہ جوانی کی انکھیلیاں' بجھی بجھی' پیلی رنگت بے سدھ بستر میں پڑی تھی۔

بڑی بی پائتی بیٹھیں اور پیر دباتے ہوئے بولیں۔ "اے صدقے جاؤں چندا کے۔ کیا ہوا میری بچی کو۔ نہ کنگھا' نہ چوٹی' سر جھاڑ' منہ پھاڑ۔ کیا حال بنا رکھا ہے اپنا؟"

زلیخا نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کیا بتاؤں اماں----- عجب مصیبت ٹوٹی ہے مجھ پر سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟"

بڑی بی بگڑ کر بولیں۔ "اے ہے۔ ہوا کیا۔ میری بیٹی کو۔ کس نے میری بچی کا دل دکھایا ہے۔ میں کلیجہ نہ نوچ لوں۔ اس کا۔"

زلیخا نے جلدی سے بڑی بی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "نہ اماں----- اسے نہ کوسو۔ وہ کہے تو میں اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دوں۔"

بڑی بی' زلیخا کے قریب کھسکتے ہوئے بولیں۔ "ہوں۔ تو میں جانوں یہ دل کا روگ لگا ہے میری بٹیی کو۔ کون ہے وہ خوش قسمت جس کی نظریں اتنے اونچے محل پر پڑیں؟"

"ایک عبرانی غلام ہے اماں!" زلیخا افسردگی سے بولی۔ "سات سال سے اس کی غلامی کر رہی ہوں مگر وہ ہے کہ سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔"

"کیا کہا بیٹی! وہ عبرانی غلام ہے" بڑی بی نے حیرت سے پوچھا۔ "غلام کی اتنی ہمت؟"

زلیخا نے پھر سسکی بھری اور کہا۔ "اماں! وہ ہے تو غلام مگر جو اسے دیکھے اسکی غلامی کی آرزو کرے۔ میں تو خوشامد کرتے کرتے تھک ہار گئی مگر وہ ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ میری جوانی تو رو رو کر کٹ رہی ہے۔"

"عجیب مرد زاد ہے" بڑی بی کو تعجب ہوا۔ "مرد تو عورت کو دیکھتے ہی ریشہ خطمی ہو جاتا ہے میں تو کہوں۔ اس کے دل میں ضرور کوئی کھوٹ ہے۔ کہیں اور دل لگا ہو گا ورنہ میری چندا کا جادو تو سر چڑھ کے بولتا ہے۔"

زلیخا نے بڑی بی کو اتنا ہمدرد پایا تو اس کے آنے سے اب تک کی تمام رام کہانی کہہ سنائی۔

بڑھیا بڑی گرگ باراں دیدہ تھی۔ تمام اونچ نیچ پر غور کرنے کے بعد بولی۔ "فکر نہ کر بیٹی! میں بھی اسے ایسی مار دوں گی کہ اگر تیرے آگے ہاتھ نہ جوڑے تو نام بدل دینا۔"

زلیخا کو ذرا ڈھارس ہوئی تو خوشامد کرنے لگی۔ "اماں! میرا یہ کام ہو جائے تو تمہارا منہ موتیوں سے بھر دوں گی۔ تمام عمر احسان نہ بھولوں گی تمہارا بس ایسی ترکیب ہو کہ اس کا سارا غرور ٹوٹ کر رہ جائے۔"

"کام تو ہو جائے گا لیکن-----" بڑی بی سوچتے ہوئے بولیں۔

"لیکن کیا اماں؟" زلیخا نے جلدی سے پوچھا۔ "میں تمہاری ہر شرط پوری کر دوں گی۔"

"نہ بیٹی یہ کیا کہا تم نے؟" بڑی بی بولیں۔ "تم کوئی غیر تھوڑی ہو۔ کام تو ہو کر رہے گا بس ذرا سا خرچ زیادہ ہے۔"

زلیخا نے جھٹ خزانے کی کنجیاں بڑی بی کے آگے ڈال دیں۔ "جس قدر رقم کی ضرورت ہو اس میں سے لے لو۔ اگر اور ضرورت ہو تو اس کا بھی انتظام کر دوں گی۔"

پس بڑی بی کی زیر ہدایت ایک نگار خانہ تیار ہونا شروع ہوا۔ مصر کے تمام ماہر تعمیرات نے اس کی تکمیل میں حصہ لیا۔ اس کا نقشہ ایک ہفت خانے کے طرز پر بنا تھا۔ جب یہ بن کر تیار ہوا تو دیکھنے والوں نے حیرت سے دانتوں میں انگلیاں دبا لیں۔ بڑی بی اور زلیخا نے اس کی آرائش و زیبائش میں اپنے دماغ کی بہترین صلاحیتیں صرف کر دیں۔ دیبا' حریر' زربفت' نقش' مکلل' مرصع کیا کیا نفاستیں اور نزاکتیں' اس کی سجاوٹ میں استعمال نہ کی گئی تھیں۔ ہفت خانے کے اندر ہی اندر سات کمرے بنائے گئے تھے۔ ہر کمرے کی زیبائش نئے طرز کی تھی۔ ہر کمرے کو دیکھ کر بے ساختہ سبحان اللہ' سبحان اللہ زبان پر آ جاتا تھا۔ سب سے آخری کمرے کے درمیان ایک شاہی مسند لگائی گئی تھی۔ غرض یہ کہ اس ہفت خانے کو دیکھ کر دل کو فرحت حاصل ہوتی اور آنکھوں میں سرور آ جاتا۔

ہفت خانے کی آرائش کے آخری مرحلے کو سب سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ اس موقعے پر سوائے زلیخا اور بڑی بی کے ہفت خانے میں اور کوئی نہ تھا۔ اب بڑی بی نے ان صندوقوں کو کھولا جو خاص طور پر اس ہفت خانے کے لئے منگوائے گئے تھے۔ ان

صندوقوں میں تصویریں ہی تصویریں بھری تھیں۔ یہ تمام تصویریں زلیخا اور حضرت یوسفؑ کی تھیں۔ تمام تصاویر مصور کا نادر نمونہ تھیں اور رقم کثیر خرچ کر کے تیار کرائی گئی تھیں۔

کچھ تصویروں میں زلیخا اور یوسفؑ کو ایک ساتھ دکھایا گیا تھا اور کچھ تصویریں الگ الگ تھیں جنہیں باہم کر کے ایک ساتھ دیواروں پر آویزاں کیا گیا تھا۔ تصویریں اس قدر کثیر تعداد تھیں کہ ساتوں کمروں کی دیواریں ان سے بھر گئیں۔ ان تصویروں کی خاص بات یہ تھی کہ حیا دار دیکھے تو شرم سے گردن جھکا لے اور بے حیا کی نظریں پڑیں تو دیکھتا ہی رہے۔

حضرت یوسفؑ ان تمام باتوں سے بے خبر تھے۔ ان کے دن رات عبادت الٰہی میں گزرتے تھے اور ہر وقت وہ خدا سے دعا کرتے تھے کہ انہیں شیطان کے شر سے محفوظ رکھے۔ جب ہفت خانہ جو دراصل ایک مہکتا لہکتا عشرت کدہ بن گیا تھا ہر طرح سے مکمل ہو گیا تو ایک دن زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو اس نئی عمارت کی سیر کی دعوت دی۔ حضرت یوسفؑ کو یہ تو معلوم تھا کہ زلیخا ایک خوبصورت ہفت خانہ تیار کرا رہی ہے لیکن وہ کیسا ہے اس کا مقصد کیا ہے اس سے وہ قطعی بے خبر تھے۔

زلیخا نے اتنی لجاجت اور خوشامد سے سیر کرنے کی درخواست کی تھی کہ حضرت یوسفؑ انکار نہ کر سکے اور شیطان کو پہلے قدم پر کامیاب حاصل ہوئی۔ حضرت یوسفؑ جب اپنے محل یا کمرے سے باہر نکلتے تو زلیخا کے حکم پر اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا کرتے تھے۔

حضرت یوسفؑ اور زلیخا ہفت خانے کے پہلے کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے کے حسن و خوبصورت کو دیکھ کر حضرت یوسفؑ کا دل بہت خوش ہوا۔ کمرے کی آرائش میں بڑی نفاست سے کام لیا گیا تھا۔ فرش، پردوں اور زیبائشی سامان کو دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک آ جاتی تھی۔ معاً حضرت یوسفؑ کی نظر دیواروں پر نقش و نگار کے درمیان آویزاں اپنی اور زلیخا کی تصاویر پر پڑی۔ حضرت یوسفؑ کو یہ بات سخت ناگوار گزری، لیکن وہ زلیخا کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اس لئے وہ اس کی خاطر خاموش

رہے لیکن انہوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔

زلیخا نے ان کی خوشامد شروع کر دی اور پورے ہفت خانے کی سیر کی التجا کی۔ حضرت یوسفؑ کو آگے جانا قطعی پسند نہ تھا لیکن وہ زلیخا کے احسانمند تھے اور ایک طرح سے ان کے غلام تھے کیونکہ زلیخا کے شوہر عزیز مصر نے انہیں منہ مانگی قیمت پر مالک بن زغر سے خریدا تھا۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ دوسرے کمرے میں داخل ہوئے۔

یہ کمرہ پہلے سے بھی زیادہ آراستہ و پیراستہ تھا۔ پورا کمرہ خوشبو میں بسا ہوا تھا اور معطر ہواؤں کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں۔ اس پر دیواروں کے منقش مناظر یا شیطانی پھندے، قدم قدم پر پکڑتے تھے لیکن حضرت یوسفؑ کے لبوں پر تو کلام اللہ تھا اور محبت حقیقی کا ایک تار فرش سے عرش تک پھیلا ہوا تھا۔ پس جس کے لب ذکر الٰہی میں مصروف ہوں اس پر نہ تو کیف و سرور اثر کرتا ہے اور نہ شیطان کا زور چلتا ہے۔ حضرت یوسفؑ اس عشرت کدے کی سخت منزل کو بھی باسانی پار کر گئے اور شیطان اپنا منہ پیٹتا رہ گیا۔

اسی طرح حضرت یوسفؑ یاد خدا کو دل سے لگائے، شیطانی مناظر سے نگاہیں بچاتے، ہفت خانے کے آخری کمرے میں پہنچے۔ یہ کمرہ کیف و سرور سے پر تھا۔ پر تکلف مسند، منقش درودیوار، عود و عنبر کی لپٹیں، دیواروں پر آویزاں یوسفؑ و زلیخا کی تصویریں۔ مختلف انداز اور مختلف زاویوں سے۔ تنہائی، خوابیدہ ماحول، بھرپور جوانیوں کا آمنا سامنا۔ کمرے کی ہر چیز چیخ چیخ کر دعوت عیش دے رہی تھی۔ زلیخا کا والہانہ انداز اور مخمور آنکھوں میں خودسپردگی کے سائے لیکن وہ مرد خدا یعقوب کا بیٹا، کنعان کا چاند، حسن و جوانی کا مرقع، اپنی جگہ پہاڑ کی طرح اٹل تھا۔

پھر زلیخا کے حکم پر ہفت خانے کے ساتوں دروازے باہر سے مقفل کر دیئے گئے اور اس کی کچھ خبر حضرت یوسفؑ کو نہ ہو سکی۔ حضرت یوسفؑ مسند پر سر جھکا کر بیٹھ گئے۔

زلیخا نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے آواز دی۔ انہوں نے زلیخا کی طرف نظر نہ کی اور آسمان کی طرف دیکھا لیکن یہ کمرہ چاروں طرف سے بند تھا۔

کھڑکیوں پر گہرے پردے پڑے تھے اوپر چھت میں یوسفؑ اور زلیخا کی تصویریں منقش تھیں۔ آسمان نظر نہ آیا تو چاروں طرف نظر دوڑائی ـــــ مگر ہر طرف حضرت یوسفؑ کو اپنی اور زلیخا کی تصویر ساتھ ساتھ نظر آئی۔

اس دوران زلیخا' مسند پر ان کے برابر آ بیٹھی۔ آپ نے پھر بھی کوئی توجہ نہ کی تو پیروں میں آ بیٹھی اور بڑے ملتجانہ انداز میں بولی۔

"اے' ماہ کنعان! میری طرف نظر کر۔ آتش فراق سے میرا سینہ جل رہا ہے۔ سوز عشق میرے بدن کو پھونکے دے رہا ہے۔ اپنی موہنی صورت میری طرف کر اور آنکھوں سے آنکھیں ملا۔"

حضرت یوسفؑ نے زلیخا پر توجہ دیئے بغیر کہا۔ "اے زلیخا! تو مخلوق سے محبت کرتی ہے اور خالق کو دیکھنے کی تمنا نہیں کرتی۔ تصویر پر جان نچھاور کر رہی ہے اور مصور پر نظر نہیں ڈالتی؟"

زلیخا بولی۔ "یوسفؑ! ان لمحات کو غنیمت جان اور میری زلفوں سے اپنی کاکلیں ملا دے۔"

حضرت یوسفؑ نے جواب دیا۔ "زلیخا! اس وقت سے ڈر جب یہ زلفیں اور کاکلیں دونوں خاک میں مل جائیں گی۔ تو وقتی عیش کو دعوت دیتی ہے اور میں دائمی عشرت کو آسمان کی بلندیوں پر دیکھ رہا ہوں۔"

روایت ہے کہ زلیخا کا جوش و خروش اور اضطراب بڑھ کر جنون میں تبدیل ہو گیا۔ اس نے بگڑ کر کہا۔ "یوسفؑ! تو کتنا احسان فراموش ہے۔ میں سات سال سے لونڈی کی طرح تیری خدمت کر رہی ہوں ـــــ لیکن تجھے میرا کوئی خیال نہیں۔ میری محبت کی تجھے قدر نہیں۔"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "زلیخا! کاش! تو نے سات سال اس سے محبت کی ہوتی جس نے مجھے یہ دو روزہ جمال بخشا ہے۔ تو نے اس سے عشق کیا ہوتا تو آج فرشتے تیری قسم کھاتے۔"

بیان کیا گیا ہے کہ زلیخا نے ایک بت بنوا کر اپنے کمرے میں رکھا تھا اور اس کی

پرستش کرتی تھی۔ جب ہفت خانہ تیار ہوا تو اس بت کو جسے وہ خدا سمجھتی تھی (نعوذ باللہ) ہفت خانے کے آخری کمرے میں ایک کونے میں منگوا کر رکھ دیا تھا تاکہ اس کی برکت سے زلیخا کی مراد پوری ہو۔ باتیں کرتے کرتے زلیخا کی نظر کونے پر پڑی۔ وہ بھاگ کر بت کے پاس گئی اور اس پر پردہ کھینچ کر اسے ڈھانپ دیا۔

حضرت یوسفؑ نے پوچھا۔ "اے زلیخا! یہ کون سی چیز ہے جسے تو نے ڈھانپ دیا ہے اور تجھے اس سے شرم محسوس ہو رہی ہے؟"

زلیخا نے شرم سے سر جھکا کر کہا۔ "اے یوسفؑ! یہ میرا مالک اور خدا ہے یہی میری آرزوئیں پوری کرتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ میری بزم عشرت کو دیکھے۔ مجھے اس سے شرم آتی ہے۔"

حضرت یوسفؑ کا جسم خوف سے کانپنے لگا۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے یہ ایک آسمانی اشارہ ہے۔ انہوں نے فوراً کہا۔ "اے زلیخا! تو ہاتھ سے بنائے ہوئے اس بت سے شرم کرتی ہے جو نہ دیکھ سکتا ہے نہ سن سکتا ہے ـــــ پھر میں اپنے خدا سے کیوں نہ شرم کروں جو تمام عالم کو دیکھتا ہے اور ہر ایک کی بات سنتا ہے۔ مجھے اپنے خدا کا خوف اور محسن عزیز مصر کا خیال ہے۔ میں اس کی امانت میں خیانت کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔"

زلیخا بولی۔ "یوسفؑ! تو عزیز مصر کا ذکر بیکار کرتا ہے۔ اسے تو میں زہر دے کر مار ڈالوں گی اور اس کا رتبہ' مرتبہ اور مال و دولت سب تیرے حوالے کر دوں گی اور جہاں تک تیرے خدا کا معاملہ ہے تو تو نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بڑا رحیم اور کریم ہے اور گنہگاروں کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ میں اپنی تمام دولت تیرے خدا کے نام پر فقیروں ـــــ اور مسکینوں میں تقسیم کر دوں گی پھر تو تیرا خدا خوش ہو جائے گا اور تیرا گناہ معاف کر دے گا؟"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "زلیخا تو کیسی نادانی کی باتیں کرتی ہے۔ عزیز مصر نے ہمیشہ مجھے اپنی اولاد سمجھا ہے۔ میں اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا اور میرا خدا ایسا نہیں ہے کہ وہ رشوت قبول کرے۔ بے شک وہ غفور الرحیم ہے اور گناہ معاف

کرتا ہے لیکن صرف ایسے گناہوں کی معافی ہے جو لاعلمی اور بے خبری میں انسان سے سرزد ہو جائیں۔"

زلیخا پوری طرح شیطان کے قبضے میں تھی اور اس کا ہر قدم شیطان کے اشارے پر اٹھ رہا تھا۔ زلیخا نے یوسفؑ کی مدلل باتوں کا قطعی خیال نہ کیا اور جذبات سے مغلوب ہو کر دست درازی شروع کر دی——— اور پھر ہفت خانے کے اس مقفل کمرے میں نیکی اور بدی کی وہ جنگ شروع ہوئی جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ زلیخا کی سبقت اور یوسفؑ کی مدافعت ایک دوسرے کے مقابل تھیں۔ حق و باطل، گناہ و ثواب کا ایک عظیم معرکہ شروع ہو گیا۔ بھاگ دوڑ اور پکڑ دھکڑ میں حضرت یوسفؑ کے سر کا تاج اتر گیا اور بال پراگندہ ہو گئے۔ زلیخا کی چنری کہیں جا پڑی۔

محققین اور مفسرین نے اس موقعے کی دو روایتیں بیان کی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت جبریل بحکم خداوند تعالیٰ تشریف لائے اور انہوں نے حضرت یوسفؑ کی پشت پر ایک خط کھینچا——— دوسری روایت یہ ہے کہ غیب سے صدا آئی کہ اے یوسفؑ! اس کے مکر و فریب میں نہ آنا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہ کرنا۔ اگر تو نے توجہ کی تو اس جرم کی پاداش میں خدا تیرا نام انبیاؤں کے دفتر سے خارج کر دے گا۔

یہ صدا کان میں آنا تھی کہ حضرت یوسفؑ کے دل میں زلیخا کی خدمت اور احسان کے جو خیالات تھے، آپ نے ان سب سے یکسر منہ پھیر لیا——— اور زلیخا کو پوری قوت سے دھکا دے کر خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرایا اور بے تحاشہ دروازے کی طرف بھاگے۔

زلیخا کی مدد پر شیطان تھا۔ وہ بھلا حضرت یوسفؑ کو کیسے نکل جانے دیتی——— پھر اسے معلوم تھا کہ یوسفؑ کی کوشش بے کار ہے کیونکہ تمام دروازے مقفل ہیں۔ زلیخا نے ایک شیطانی قہقہہ بلند کیا اور کہا۔ "اے یوسفؑ! آج مجھ سے بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ سات دروازوں پر سات قفل پڑے ہیں اور وہ سب باہر سے بند ہیں۔ تیری آواز بھی باہر نہیں جا سکتی۔ بھاگنے کی کوشش نہ کر میرے پاس واپس آ جا۔"

حضرت یوسفؑ نے زلیخا کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا——— اور دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے ابھی دروازے کو ہاتھ بھی نہ لگایا تھا کہ دروازہ حکم خداوندی سے خود بخود کھل گیا۔

زلیخا نے جو یہ دیکھا تو بھاگ کر حضرت یوسفؑ کے پاس آئی۔ حضرت یوسفؑ دروازے سے نکل چکے تھے۔ زلیخا نے بڑھ کر ان کا پچھلا دامن پکڑ لیا اور انہیں اپنی طرف کھینچنا چاہا۔ حضرت یوسفؑ نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ اس کھینچا تانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت یوسفؑ کا پچھلا دامن پھٹ کر زلیخا کے ہاتھ میں رہ گیا اور حضرت یوسفؑ بھاگ کر دوسرے دروازے پر پہنچ گئے۔

زلیخا بپھری ہوئی شیرنی کی طرح حضرت یوسفؑ کے پیچھے دوڑی مگر دوسرا دروازہ بھی حکم خداوندی سے کھل گیا اور حضرت یوسفؑ اس سے باہر نکل گئے۔

گیرو گریز کا یہ کھیل ہوتا رہا۔ حضرت یوسفؑ آگے ہی آگے بھاگ رہے تھے۔ زلیخا انہیں پکڑنے کے لئے دوڑ رہی تھی۔ دروازے خود بخود کھلتے جا رہے تھے۔ یوسفؑ زلیخا کے ہاتھ تو نہ آ سکے لیکن گیرو گریز کی اس یادگار کے طور پر ان کا دامن، اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔

ادھر عزیز مصر کو کسی نے اطلاع کر دی تھی یا وہ خود ہی ہفت خانے کی سیر کو ادھر آ نکلا تھا۔ جب حضرت یوسفؑ ساتویں دروازے سے نکل کر باہر آئے تو عزیز مصر ان کے سامنے موجود تھا۔ ایک ہی لمحے بعد زلیخا بھی بھاگتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔

عزیز مصر نے حیرت اور نفرت سے دونوں کو دیکھا——— اور دونوں اپنے بچاؤ کی صورتوں پر غور کرنے لگے۔ زلیخا کا رہبر شیطان تھا۔ اس نے زلیخا کو مشورہ دیا کہ یوسفؑ پر الزام لگا کر اپنا دامن بچا لے۔ زلیخا سسکاری بھرتے ہوئے مکاری سے بولی۔

"اے میرے سرتاج! دیکھو تو تمہارے اس غلام نے میرا کیا حال بنایا ہے۔ میرے بال نوچ ڈالے، لباس تار تار کر دیا لیکن میں نے تیری عزت پر آنچ نہیں آنے دی۔ اس احسان فراموش کو سزا دے اور اسے قید میں ڈال۔"

قرآن حکیم فرماتا ہے۔ "اور دونوں بھاگے دروازے کی طرف اور عورت نے چیر

ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور دونوں ملے عورت کے خاوند سے' دروازے میں۔ زلیخا بولی۔ اور کچھ نہیں' ایسے شخص کو جو چاہے تیرے گھر میں برائی' یہی کہ قید میں پڑے یا دکھ کی مار۔"

عزیز مصر نے دونوں کی حالت دیکھی۔ بھاگتے بھاگتے دونوں----- پسینے میں شرابور تھے۔ ان کے بال الجھے اور پراگندہ تھے۔ لباس تار تار ہو رہے تھے۔ نہ یوسفؑ کے سر پر تاج تھا اور نہ زلیخا کے سر پر اوڑھنی۔ عزیز مصر نے دل میں خیال کہ زلیخا سچ کہہ رہی ہے اور ضرور یوسفؑ نے اس کے ساتھ زیادتی کی کوشش کی ہے۔

اس نے حضرت یوسفؑ سے کہا۔ "اے یوسفؑ! میں نے تجھے اپنا بیٹا بنایا اور اپنے گھر کا امین سمجھا مگر تو نے میرے احسانوں کا بدلہ یہ دیا کہ میرے ہی گھر پر نظر بد ڈالی؟"

حضرت یوسفؑ پہلے ہی بہت پریشان تھا۔ زلیخا نے ان پر کھلا ہوا الزام لگایا تو وہ اور زیادہ پریشان ہو گئے۔ انہوں نے سوچا زلیخا' عزیز مصر کی بیوی ہے' اس کے مقابلے میں وہ میری بات نہ سنے گا اور مجھ ہی کو مجرم گردانے گا پھر بھی انہوں نے بڑے حوصلے سے کہا۔

"اے عزیز مصر! آپ نے مجھے بیٹا بنایا۔ ذرا سوچئے میں نے آج تک آپ سے کبھی کوئی جھوٹی بات کہی یا غلط بیانی کی۔ اس کے علاوہ میں نے کبھی کسی چیز میں خیانت نہیں کی۔ اگر میں اب تک سچا اور امین رہا ہوں تو پھر اب اس سے کیسے پھر سکتا ہوں؟"

عزیز مصر سوچ میں پڑ گیا۔ حضرت یوسفؑ واقعی امین اور صادق تھے۔ عزیز مصر کو ان سے اب تک کوئی شکایت نہ ہوئی تھی۔ عزیز مصر بولا۔ "اے یوسفؑ! یہ ٹھیک ہے کہ تم سچے اور امین رہ چکے ہو لیکن اس وقت تم جو کچھ کہو گے اس کے لئے تمہیں دلیل اور گواہ پیش کرنا ہوں گے۔"

حضرت یوسفؑ نے کہا۔ (قرآن) "اس نے خواہش کی مجھ سے اور میں اپنے دل کو قابو کئے ہوئے تھا-----"

حضرت یوسفؑ کی زبان سے اتنا ہی نکلا تھا کہ فوراً" حضرت جبریلؑ تشریف لائے

اور بولے۔ "اے یوسفؑ! کیوں اس کا پردہ فاش کرتے ہو۔ حالانکہ اس نے تمہاری محبت کا سچا دعویٰ کیا ہے۔ بزرگوں اور عقلمندوں کا یہ شیوہ نہیں ہوا کرتا کہ محبوب اپنے عاشق کا راز فاش کر دے۔"

حضرت یوسفؑ نے کہا۔ "لیکن میں کیا کروں۔ عزیز مصر مجھے ناحق عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے؟"

جبریل نے انہیں سمجھایا۔ "اے' حضرت یوسفؑ! تم نہیں جانتے کہ دوست کی دوستی میں تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھانا پڑتی ہیں۔"

بعض محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خداوند تعالیٰ یہ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت یوسفؑ زلیخا کا عیب کھولیں۔ اگرچہ زلیخا اس وقت کافرہ تھی اور بت پرستی کیا کرتی تھی۔ اس میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے----- اور بندوں سے بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ دوسرے کے عیبوں پر پردہ ڈالیں۔ ذات باری تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت "ستار العیوب" بھی ہے یعنی وہ عیب پوشی کرتا ہے۔

حضرت یوسفؑ اپنی صفائی پیش کرنا چاہتے تھے اور حضرت جبریلؑ انہیں بحکم خداوندی' زلیخا کے عیب کھولنے سے منع فرما رہے تھے۔ حضرت یوسفؑ کو فوراً" خیال گزرا کہ جب اللہ کی اس میں مصلحت ہے کہ میں زلیخا کو الزام نہ دوں تو اس نے میری صفائی اور بریت کی کوئی صورت بھی نکالی ہو گی۔

حضرت یوسفؑ نے حضرت جبریل سے دریافت کیا۔ "اے جبریل امیںؑ! مجھے زلیخا کی عیب پوشی کا حکم ہوا ہے۔ اب میری صفائی اور خلاصی کی بھی تو صورت بتائیے۔"

حضرت جبریل نے فرمایا۔ "اے یوسفؑ! عزیز مصر گواہ اور دلیل مانگتا ہے۔ دلیل پیش کرو۔ اللہ اپنا کرم کرے گا۔"

حضرت جبریل یہ کہہ کر نظروں سے غائب ہو گئے۔ حضرت جبریل اور حضرت یوسفؑ کی گفتگو ایک لمحے سے بھی کم وقفے میں ہو گئی تھی۔ ادھر عزیز مصر جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

حضرت یوسفؑ نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا۔ "اے عزیز مصر----- میں گوا تو پیش نہیں کر سکتا لیکن اپنی صفائی میں دلیل دے سکتا ہوں۔"

عزیز مصر بولا۔ "یوسفؑ تو صادق اور امین رہ چکا ہے۔ میں نے تجھے گواہ معاف کیا۔ دلیل پیش کر؟"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "اے عزیز مصر! حقیقت حال یہ ہے کہ جب زلیخا نے مجھے پکڑا تو میں دروازے کی طرف بھاگا۔ زلیخا کے ہاتھ' میرے کرتے کا پچھلا دامن لگ گیا۔ وہ اس نے پھاڑ ڈالا میرا دامن دیکھا جائے اگر دامن پیچھے سے پھٹا ہے تو میں بے قصور ہوں۔"

یہ دلیل ایسی تھی کہ عزیز مصر کو پسند آئی۔ اس نے پہلے اس پر غور کیا پھر حضرت یوسفؑ کا دامن دیکھا جو پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔

اس وقت عزیز مصر نے کہا۔ (قرآن) "پھر جب دیکھا عزیز مصر نے کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا۔ کہا' بے شک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا اور عورتوں کا بڑا فریب ہوتا ہے۔"

عزیز مصر پر زلیخا کا فریب ظاہر ہو گیا۔ اسے اتنا غصہ آیا کہ اس نے زلیخا کو اسی وقت مار ڈالنے کا ارادہ کیا اور حضرت یوسفؑ کو قید کرنا چاہا----- حضرت یوسفؑ اس کی نظروں میں پاک دامن ثابت ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود عزیز مصر نے انہیں اس وجہ سے قید میں رکھنا چاہا کہ بات پر پردہ پڑا رہے اور اس کا چرچا نہ ہو۔

روایت ہے کہ عزیز مصر کے لڑکے کو (غالباً" یہ لڑکا کسی دوسری بیوی سے ہوگا) باپ کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے باپ کو سمجھایا کہ اگر زلیخا کو قتل کیا گیا تو سارے جہاں میں اس کی بدنامی ہو گی اور خود پر بدنامی کا داغ لگانا عقلمندوں کا کام نہیں۔ اس لئے نہ تو زلیخا کو قتل کیا جائے اور نہ ہی یوسف کو قید کیا جائے۔

پس قرآن حکیم میں آیا ہے۔ "اے یوسفؑ! جانے دے اس بات کو اور اے عورت سے کہا کہ تو بخشوا اپنے گناہ' یقین ہے کہ تو ہی گنہگار ہے۔"

زلیخا کو معافی مل گئی اور حضرت یوسفؑ قید ہوتے ہوتے بچ گئے۔ بات بظاہر دب

گئی۔ باہر والوں کو تو خبر نہ ہونے پائی مگر گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کے مصداق ان عورتوں کے کانوں میں اس کی بھنک پڑ گئی جو ہر وقت زلیخا کے اردگرد رہتی تھیں اور خاص اس کی خدمت گزاری پر مامور تھیں۔

کہتے ہیں کہ یہ بات محل کی پانچ عورتوں نے سنی۔ یہ تمام عورتیں زلیخا کی ہم نوالا' ہم پیالا' دم ساز اور ہمراز تھیں۔ ان میں سے ایک عورت زلیخا کی ساقی گری کرتی یعنی اسے شراب پلاتی تھی۔ دوسری عورت باورچن تھی۔ تیسری خوان بردار' چوتھی چوہدرانی اور پانچویں' زلیخا کی مشاطہ تھی۔

انہیں اس کی بھنک پڑی تو وہ اس بات کو لے اڑیں۔ سب کی سب زلیخا کی منہ چڑھی تھیں۔ اس لئے ان کی زبان کو کوئی روک نہ سکتا تھا۔ وہ اتنی منہ پھٹ تھیں کہ جو جی میں آتا بکتی رہتیں اور زلیخا بیٹھی ہنستی رہتی۔

ان تمام باتوں کے باوجود زلیخا نے اپنا راز ان پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ اس لئے ان عورتوں کو اس بات کا بھی ملال تھا۔ جب انہیں یہ راز کسی طرح سے معلوم ہو گیا تو وہ ایک جگہ اکٹھا ہوئیں اور زلیخا کو چھیڑنے اور اس کا مذاق اڑانے کا پروگرام بنایا۔

زلیخا اپنی ناکامی کے بعد چپ چپ سی رہنے لگی اور بہت کم گفتگو کیا کرتی تھی۔

ایک دن ان پانچوں کنیزوں نے زلیخا کو گھیر لیا۔

ساقی اٹھلا کر بولی۔ "بہنو! ذرا بتاؤ تو شراب سے زیادہ نشہ کس چیز میں ہے؟"

"یوسفؑ میں۔" بقیہ چاروں نے یک زبان ہو کر جواب دیا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ زلیخا نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کا راز انہیں معلوم ہو چکا ہے۔

اب باورچن نے چھینٹا پھینکا۔ "دنیا میں سب سے بھینی خوشبو کس چیز کی ہوتی ہے؟"

سب نے جواب دیا۔ "یوسفؑ کے پسینے کی خوشبو بے نظیر ہے۔"

چوہدرانی بولی۔ "تم اس وقت کسے بلانے کا حکم دیتی ہو؟"

"یوسفؑ کو۔" سب نے مل کر جواب دیا۔

خوان بردار کنیز نے کہا۔ "کون سی چیز اتنی ہلکی اور سبک ہے کہ میں اسے خوان

میں رکھوں تو بوجھ نہ معلوم ہو؟"

سب نے جواب دیا۔ "یوسفؑ کا قصور۔"

مشاطہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی۔ "مجھے کس کی کاکلیں سنوارنے کی آرزو ہے؟"

"یوسفؑ کی کاکلیں۔" سب ٹھٹھے مار کر ہنس پڑیں۔

زلیخا بگڑ کر بولی۔ "کمبختو! کیوں میرا دل دکھاتی ہو۔ میں پہلے ہی کیا کم ستم رسیدہ ہوں؟"

ساقی نے اٹھلا کر کہا۔ "اے واہ' بی بی! یہ کہاں کی یاری ہے کہ کٹھیا میں گڑ پھوڑتی رہیں اور ہمیں کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔"

باورچن نے طنز کیا۔ "وہ کون سا ایسا لعل ہے جسے ہم سے بھی چھپا کر رکھا ہے؟"

مشاطہ نے کہا "اے' بی بی! میں تو کہتی ہوں کہ وہ ضرور قسمت کا ہیٹا ہے جو تمہاری جیسی چندے آفتاب چندے ماہتاب کو دل میں جگہ نہیں دیتا۔"

چوہدرانی کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا۔ "بی بی! تم میں کیا کمی ہے۔۔۔۔۔ دولت' عزت' شہرت' صورت شکل ایسی کہ مصر ہی کیا تمام دنیا میں تمہارا جواب نہ ہو گا۔ پر تم ہو کہ اس کے لئے جان ہلکان کر رہی ہو۔ آخر اس میں ایسے کون سے لعل ٹکے ہیں کہ تم دیوانی ہو رہی ہو؟"

زلیخا خاموش بیٹھی سب کی باتیں سنتی اور مسکراتی رہی۔ اس کی کنیزیں' یوسفؑ کی برائی کر رہی تھیں لیکن وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ اس کے محبوب اور جان بہار کا ذکر تو ہو رہا ہے خواہ برائی کے ساتھ ہی سہی۔ اب تک وہ تنہا' یوسفؑ کے بارے میں سوچتی تھی۔۔۔۔۔ لیکن اب اس کے ساتھ اس کی کنیزیں بھی اس ذکر میں شامل ہو گئی تھیں۔

جب سب کنیزیں اپنی اپنی بولیاں بول کر خاموش ہو گئیں تو زلیخا نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "تم جو چاہے کہو لیکن میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔ عشق کی لذت تو وہی جانتا ہے جس نے کبھی عشق کیا ہو۔ تم کیا جانو کہ درد فراق کسے کہتے ہیں اور ہجر میں کیسی خلش ہوتی ہے۔ گھائل کے دل کا حال گھائل ہی جان سکتا ہے۔ تم نے جو کچھ کہا ہے اس کا جواب میں دے سکتی ہوں لیکن ابھی نہیں۔ وقت آنے پر تم کو ایسا جواب دوں گی کہ تمہاری زبانیں ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گی۔"

باورچن بولی۔ "نہ بی بی! ہم ایسے عشق وشق سے باز آئے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ جگہ جگہ بدنامی ہو' ہر طرف سے انگلیاں اٹھائی جائیں۔"

مشاطہ ہنس کر بولی۔ "بی بی! یہ لنگڑا لولا عشق تو ہم نے آج ہی سنا۔ تالی ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ تم تو اس کے عشق۔۔۔۔۔ میں سودائی ہوئی جا رہی ہو اور وہ ہیں کہ سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتے۔۔۔۔۔ دماغ آسمان پر چڑھا ہوا ہے۔ میں تمہاری جگہ ہوتی تو ایسا سبق دیتی کہ وہ بھی یاد کرتے۔"

بات جب گھر سے نکلے تو باہر پھیلتے دیر نہیں لگتی۔ زلیخا کی کنیزوں نے چھپی ہوئی بات کو بانس پر چڑھا دیا۔۔۔۔۔ اور پھر ہر ایک کی زبان پر یوسفؑ اور زلیخا کا عشق چڑھ گیا۔ زلیخا کی وہ **سہیلیاں** جو کبھی کبھار اس کے پاس آتی تھیں اب روز چکر لگانے لگی تھیں۔

زلیخا پر ہر طرف سے لعنت ملامت ہونے لگی۔ طعن و تشنیع کے اتنے تیر چلے کہ اس کا کلیجہ چھلنی ہونے لگا۔ وہ اکیلی کس کس کو سمجھاتی' کسے کسے اپنا دکھڑا سناتی۔ اس عشق نے اسے گلی گلی کوچے کوچے رسوا کر دیا۔

پھر ایک دن زلیخا نے اپنی تمام سہیلیوں کو ایک خاص دعوت پر اپنے محل میں مدعو کیا۔ دعوت میں ان پانچ کنیزوں کو خصوصیت سے بلایا گیا جنہیں سب سے زیادہ اعتراض تھا۔

دعوت کے لئے ایک بڑے میدان میں تنبو' شامیانے لگائے گئے۔ تمام مہمان خواتین کے لئے الگ الگ تخت بچھائے گئے۔ ان پر قیمتی قالین اور تکیے لگائے گئے۔ ہر تخت پر کھانوں کے خوان الگ الگ رکھے گئے۔ کھانوں کے علاوہ انواع اقسام کے خشک و تر میووں اور اعلیٰ قسم کے مشروبات سے بھی ان کی تواضع کے لئے موجود تھے۔ زنان مصر ایک ایک کر کے آتی گئیں اور تختوں پر بیٹھتی گئیں۔ باہر تو یہ

انتظامات تھے اور اندر یوسفؑ کو دلہا کی طرح آراستہ کیا جا رہا تھا۔ زلیخا نے اس محفل کے لئے حضرت یوسفؑ کا خاص لباس تیار کرایا تھا۔ ان کے کپڑے زربفت کے تھے سر پر مرصع تاج تھا۔ حضرت یوسفؑ کو زلیخا نے خود اپنے ہاتھ سے بنا سنوار کر تیار کیا تھا۔

حضرت یوسفؑ کو تیار کرنے کے بعد زلیخا باہر آئی۔ تمام مہمان خواتین سے خوش دلی اور پیار و محبت سے ملی۔ اس کی **سہیلیاں** اس محفل میں بھی اس پر طنز کرنے سے باز نہ آئیں۔ وہ جدھر جاتی طنز کے تیر کھاتی۔ مگر وہ آج بڑی خوش تھی۔ اسے کسی کے طعن و تشنیع کی کوئی پروا نہ تھی۔ کوئی کتنا ہی بڑا طعنہ دیتا وہ ہنس کر ٹال جاتی۔

جب سب خواتین اپنے اپنے تختوں پر بیٹھ گئیں تو محفل میں دو خوان لائے گئے جو لیمو اور چھریوں سے بھرے ہوئے تھے۔ زلیخا نے اپنی---- کنیزوں کو حکم دیا کہ ہر عورت کو ایک ایک لیمو اور چھری پکڑا دی جائے۔ عورتوں میں آپس میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں لیمو اور چھری کیوں دی گئی۔ اس کا کیا مقصد ہے۔ اگر لیمو اتنا ہی ضروری تھا تو اسے کھانے کے ساتھ خوان میں رکھا جا سکتا ہے۔ ہاتھ میں چھری کے ساتھ پکڑانے کی کیا ضرورت تھی؟"

زلیخا بڑی دلچسپی اور توجہ سے مہمان خواتین کی سرگوشیاں سن رہی تھیں اور ان کی بے چینی کا اندازہ لگا رہی تھی۔ آخر زلیخا نے مسکرا کر تمام خواتین کو مخاطب کیا۔

"اے زنان مصر! میں ایک عرصے سے سوچ رہی تھی کہ تم سب کو اپنے محل میں مدعو کروں لیکن کچھ پریشانیوں کی وجہ سے ایسا نہ کر سکی---- اب ایک موقع ساتھ مل بیٹھنے کا مل گیا ہے۔ آپ سب اس دعوت سے لطف اندوز ہوئیے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد ہم سب بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

ایک عورت نے پوچھا۔ "اے زلیخا! اتنے اچھے اچھے کھانوں کے ساتھ تم نے چھری اور لیمو کیوں ہمارے ہاتھوں میں پکڑا دیئے ہیں؟"

زلیخا نے ہنس کر کہا۔ "بہنو! فکر کی ضرورت نہیں۔ لیمو تو ہمیشہ سے دعوت طعام

کا ایک حصہ رہا ہے۔ بغیر لیمو کے کھانے کا لطف نہیں آتا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ چھری آپ کو لیمو کاٹنے کے لئے دی گئی ہے---- لیکن یہ لیمو آپ اس وقت کاٹیں گی جس وقت میں آپ کو آواز دے کر خود کہوں گی۔"

زنان مصر دل میں سوچنے لگیں کہ یہ عجیب دعوت ہے جس میں انہیں لیمو کاٹنا ہیں بعض کو خیال گزرا کہ شاید زلیخا پاگل ہو گئی ہے جو اس طرح کی الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہے۔ بہرحال وہ اپنے اپنے تخت پر سنبھل کر بیٹھ گئیں اور زلیخا کی آواز کا انتظار کرنے لگیں۔

زلیخا نے چند لمحے توقف کے بعد کہا۔ "اے زنان مصر! اب اس محفل میں ایک اور مہمان کو بلواتی ہوں۔ جسے خصوصیت کے ساتھ تم سے ملوانے کے لئے بڑی مشکل سے آمادہ کیا ہے لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ آپ سب کو میری آواز کے ساتھ ہی لیمو تراشنا ہے۔ اس بات کی تاکید رہے بلکہ اسے میرا حکم سمجھا جائے۔"

اس وقت' زلیخا کے حکم پر ایک مرصع تخت زنان مصر کے سامنے بچھایا گیا اور حضرت یوسفؑ جو کہ اپنے چہرے پر کئی نقابیں ڈالے ہوئے تھے لا کر بٹھائے گئے۔

زنان مصر نے لباس فاخرہ میں ملبوس مہمان کو دلچسپی سے دیکھا اور اپنے اپنے دل میں اندازے لگانے لگیں کہ آخر یہ کون ہو سکتا ہے جس کو اتنے اہتمام کے ساتھ اس مرصع تخت پر بٹھایا گیا ہے۔

زلیخا' حضرت یوسفؑ کے تخت کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور اس نے سرگوشی میں انہیں نقاب الٹنے کا حکم دیا۔ اس کے کہنے پر حضرت یوسفؑ نے اپنے چہرے سے نقابیں الٹ دیں۔

نقاب کا اٹھنا تھا کہ یوں معلوم ہوا جیسے ہزاروں بجلیاں ایک ساتھ چمک اٹھی ہوں۔ نور کا ایک جھماکا سا ہوا اور زنان مصر کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ ان پر کیف و سرور' خوابیدگی اور محویت کی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ اپنے حواس تقریباً" کھو بیٹھیں اور نیم بے ہوشی میں مبتلا ہو گئیں۔

اسی وقت زلیخا نے آواز دی۔ "اے زنان مصر! اپنے اپنے لیمو کاٹو۔"

لیکن زنان مصر پر تو کوئی اور ہی کیفیت طاری تھی۔ ان کے کانوں میں زلیخا کی آواز اس طرح آئی جیسے کوئی دور سے بول رہا ہو۔ اسی محویت کے عالم میں جبکہ ان کی نظریں حضرت یوسفؑ پر جم کر رہ گئی تھیں اور ہوش کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹ چکا تھا' اسی حال میں زنان مصر نے لیمو کاٹنا شروع کئے------ لیکن ان کی چھریاں لیمو کے بجائے اپنی اپنی انگلیاں تراش بیٹھیں اور انہیں اس کا ذرا بھی احساس نہ ہوا۔

قرآن حکیم نے اس منظر کو یوں بیان فرمایا۔ "جب سنا تو قریب بلوایا ان کو۔ اور تیار کی ان کے واسطے ایک مجلس۔ اور دی ان کو ہر ایک کے ہاتھ میں چھری اور لیمو------ اور ادھر حضرت یوسفؑ سے بولی اب نکلو سامنے سے۔"

زنان مصر' لیمو کے بجائے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ ان کی انگلیاں لہولہان ہو گئیں اور کپڑے خون آلود زلیخا کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اس نے اپنے معترضین کو جواب دے دیا تھا۔ حسن یوسفؑ نے انہیں خود سے بیگانہ کر دیا۔ انہیں اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا اور اس حسن و پیکر کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں۔ وہ بولیں۔ "بے شک یہ انسان نہیں فرشتہ ہے۔"

جیسا کہ قرآن حکیم بیان کرتا ہے۔ "پھر جب دیکھا' حضرت یوسفؑ کو تو دہشت میں آ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیں------ ماشاء اللہ! یہ شخص تو آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ شاید بزرگ فرشتہ ہے۔"

جب زنان مصر ہوش میں آئیں۔ تو دیکھا ان کے کپڑے خون آلود ہیں اور لیمو کے بجائے' انگلیاں کٹ گئی ہیں تو وہ اپنے دل میں بہت شرمندہ ہوئیں۔ وہ زلیخا سے بھی شرمندہ تھیں اور ان کی نظریں اوپر کی طرف نہ اٹھتی تھیں۔

زلیخا نے ہنس کر کہا۔ "اے' زنان مصر! دیکھا' تم نے' میرے محبوب کو۔ یہ وہی شخص ہے جس کے لئے تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ اب اپنا حال دیکھو۔ ایک نظر دیکھتے ہی ایسی مدہوش ہوئیں کہ لیمو کے بجائے انگلیاں تراش بیٹھیں۔ یہ محفل میں نے اسی لئے سجائی تھی تاکہ تمہارے طعنوں' تشنعوں کا جواب دوں۔"

ایک عورت نے شرمندگی سے کہا۔ "بے شک زلیخا! تو واقعی بڑی ہمت والی ہے کہ اس کو دیکھتی ہے اور صبر کرتی ہے ورنہ دنیا میں کوئی عورت ایسی نہیں جو حضرت یوسفؑ کو دیکھے اور اپنے دل پر قابو رکھ سکے۔"

کہتے ہیں وہ تمام زنان مصر جو اس محفل میں شریک تھیں وہ حضرت یوسفؑ کو دیکھتے ہی ان پر عاشق ہو گئیں۔

ایک دوسری عورت نے زلیخا سے کہا۔ "اے زلیخا! ہمیں معاف کر دے۔ ہم تجھے بے جا ملامت کرتے تھے۔ تو تو بڑی خوش قسمت ہے کہ تو نے اتنا حسین محبوب پایا لیکن بڑا تعجب ہے کہ تو نے اسے اتنے عرصے سے اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے لیکن تیرے حسن کا جادو اب تک اس پر نہ چل سکا۔ تو اب تک اس پر قابو کیوں نہ پا سکی۔"

زلیخا افسردگی سے بولی۔ "اے بہن کیا بتاؤں۔ میں نے بڑی کوشش کی اور اب بھی کوشش میں لگی ہوں لیکن یہ میرے قابو میں نہیں آتا اور میرا کہا نہیں مانتا۔"

(قرآن) "اور میں نے اس سے چاہا کہ جی بھر لوں مگر وہ اپنی جگہ اپنے ارادے پر برابر قائم رہا۔ اگر اب بھی نہ کرے گا جو میں کہتی ہوں البتہ قید خانے میں پڑے گا اور ہو گا بڑا بے عزت۔"

زلیخا نے زنان مصر کو یوسفؑ کی ایک جھلک دکھانے کے بعد محل میں واپس بھیج دیا تھا لیکن زنان مصر انہیں دیکھ کر ایسی بدحواس ہو رہی تھیں کہ ایک بار اور دیکھنے کی آرزومند تھیں لیکن زلیخا سے کہتی ڈرتی تھیں کہ کہیں وہ انکار نہ کر دے۔ ان میں ایک عورت بہت چالاک تھی۔ اس نے زلیخا سے کہا۔

"اے زلیخا! تمہارا محبوب ہرچند کہ بڑا بددماغ معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اس کی خوشامد کی جائے تو ممکن ہے اس کا دل پسیج جائے اور راہ راست پر آ جائے۔"

"نہیں بہن! میں تو تھک ہار چکی ہوں۔" زلیخا مغموم آواز میں بولی۔

عورت نے کہا۔ "تم تھک ہار چکی ہو لیکن ہم تو نہیں تھکے ہارے اگر ہم سب مل کر اس پر زور ڈالیں تو کیا عجب کہ اسے تم پر رحم آ جائے ایک بار تم اسے ہمارے

سامنے بلاؤ تو سہی۔"

یہ تو سب عورتوں کے دل کی آواز تھی۔ سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور زلیخا پر زور دیا کہ وہ حضرت یوسفؑ کو دوبارہ محفل میں بلائے۔ زلیخا کے لئے سفارش کرنے کا تو بس ایک بہانہ تھا۔ تمام عورتیں دراصل حضرت یوسفؑ کو دوبارہ دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا چاہتی تھیں۔

زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو دوبارہ بلوا بھیجا۔

حضرت یوسفؑ آئے تو ایک عورت نے کہا۔ "اے یوسفؑ! تو واقعی بہت حسین ہے لیکن زلیخا بھی کسی طرح سے کم نہیں۔ تجھے اس بے چاری پر رحم کیوں نہیں آتا؟"

دوسری بولی۔ "اے' اور کیا------ اتنا غرور بھی اچھا نہیں------ بات بگاڑنے سے کیا فائدہ۔ ہم تو بھلے کے لئے کہتے ہیں ہم نہیں چاہتے کہ تم دونوں میں دشمنی ہو اور تم کسی عذاب میں مبتلا ہو جاؤ اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔"

حضرت یوسفؑ نے عورتوں کی باتیں' ٹھنڈے دل اور تحمل سے سنیں پھر کہا۔ (قرآن) "اے' رب! مجھ کو قید پسند ہے' اس بات سے' جس طرف یہ مجھ کو بلاتی ہے۔"

زلیخا کی یہ کوشش بھی ناکام ہوئی۔ کیونکہ ایک تو عورتیں------ حضرت یوسفؑ کو ایک غلط کام کی ترغیب دے رہی تھیں۔ دوسرے یہ کہ ان کی اس ترغیب میں خلوص بھی نہ تھا۔ وہ تو حضرت یوسفؑ کو ایک بار اور دیکھنا چاہتی تھیں۔ اس مقصد میں وہ ضرور کامیاب ہو گئیں۔

زلیخا کو اپنی مقصد براری میں جب پے در پے ناکامی ہوئی تو اسے حضرت یوسفؑ سے اور زیادہ کد اور دشمنی ہو گی۔ عورت کو جب احساس شکست ہوتا ہے تو پھر وہ نسوانیت کی فطری زنجیریں بھی توڑ ڈالتی ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ اس گیرو گریز میں ناکامی کے بعد زلیخا اپنی جگہ پشیمان ہوتی اور

اپنی لغزش پر افسوس کرتی لیکن اس میں اور زیادہ ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی پیدا ہو گئی اور وہ حضرت یوسفؑ کو ایذا پہنچانے کے نئے نئے طریقے سوچنے اور آزمانے لگی۔

زلیخا کو اس بات کا اور زیادہ افسوس تھا کہ اس نے زنان مصر کو دعوت میں بلا کر حضرت یوسفؑ کا دیدار کرا دیا۔ اس سے یہ تو ہو گیا کہ اس پر لعنتیں پڑنا بند ہو گئیں لیکن اب تک تو صرف وہی حضرت یوسفؑ پر عاشق تھی لیکن اس دعوت کے بعد تو وہ تمام زنان مصر جو اس محفل میں شریک تھیں حضرت یوسفؑ پر عاشق ہو گئیں اور ان کے لئے آہیں بھرنے لگیں۔ زنان مصر کی اس حرکت نے زلیخا کو زنان مصر سے حد درجہ بدظن کر دیا------ اور وہ انہیں اپنا رقیب سمجھ کر ان سے جلنے لگی۔

اس دعوت خاص کے بعد یوسفؑ کے حسن و جمال کا پوری طرح تمام مصر میں چرچا ہو گیا اور ہر عورت ان کی صورت دیکھنے کے لئے بے چین ہو گئی۔ صبح سے شام تک زلیخا کے قصر پر عورتوں کی بھیڑ لگی رہتی جو کسی نہ کسی بہانے ایک نظر حضرت یوسفؑ کو دیکھنا چاہتی تھیں۔

یہ صورتحال زلیخا کے لئے پریشان کن بھی تھی اور تکلیف دہ بھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے محبوب پر کسی اور کی نظر پڑے لیکن اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کا کیا علاج کرے اور ان نادیدہ عاشق عورتوں کو کس طرح اپنے محل پر آنے سے روکے۔

زلیخا کا شوہر عزیز بھی اپنی جگہ کچھ کم پریشان نہ تھا۔ زلیخا کی اس دعوت نے اسے پورے مصر میں بدنام کر دیا تھا اور جو بات اب تک ڈھکی چھپی رہی تھی وہ عام ہو گئی تھی۔ عزیز مصر اپنے ہم چشموں اور احباب میں شرمندہ شرمندہ سا رہنے لگا۔ اسے ہر وقت فکر رہتی کہ کسی طرح حضرت یوسفؑ سے پیچھا چھڑایا جائے لیکن اسے زلیخا کا بھی خیال تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے زلیخا کی مرضی کے خلاف' یوسفؑ کو کوئی سخت سزا دی تو اس کے گھر کا سکون برباد ہو جائے گا۔

اسی ادھیڑ بن میں ایک رات عزیز مصر نے زلیخا سے کہا۔ "اے نیک بخت! تجھے معلوم ہے کہ تو نے اپنی اس دعوت سے مجھے اپنے دوستوں میں کس قدر ذلیل کر دیا

ہے۔ میں کسی کے سامنے آنکھ اٹھانے کے قابل بھی نہ رہا۔"

زلیخا کو اپنے شوہر کی افسردگی اور پریشان کا احساس تھا لیکن وہ دل سے مجبور تھی۔ اس نے دبی زبان میں کہا۔

"بے شک! میں نے زنانِ مصر کی دعوت کر کے بڑی غلطی کی------ میں خطا وار ہوں۔ آپ کی بدنامی کی میں ذمے دار ہوں۔ آپ جو چاہے مجھے سزا دیجئے۔ مجھے شکوہ نہ ہو گا۔"

عزیز مصر کو اب بھی بیوی کا بے حد لحاظ تھا۔ اس نے کہا۔ "لیکن تمام فتنے اور جھگڑے کی جڑ تو یوسفؑ ہے۔ سزا یوسفؑ کو کیوں نہ دی جائے۔"

سزا کا نام سن کر زلیخا کانپ اٹھی۔ اف ری محبت! واقعی ایک سچا عاشق، معشوق کی بے وفائیاں برداشت کرتا ہے لیکن دل سے ہرگز نہیں چاہتا کہ اسے کوئی تکلیف پہنچے۔

زلیخا نے بڑے افسردہ لہجے میں پوچھا۔ "آپ اسے کیا سزا دینا چاہتے ہیں؟"

عزیز مصر بولا "بات اتنی پھیل چکی ہے کہ اگر اس وقت میں یوسفؑ کو قتل کراتا ہوں تو میری اور زیادہ بدنامی ہو گی۔ لوگ یہی کہیں گے کہ میں نے ایک بے گناہ کو قتل کرا دیا۔ اب اگر تم پسند کرو تو میری صلاح یہ ہے کہ یوسفؑ کو قید میں ڈال دیا جائے۔ اس طرح وہ لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رہے گا اور لوگ آہستہ آہستہ اسے بھول جائیں گے۔"

زلیخا کو عزیز مصر کی یہ بات بہت پسند آئی۔ وہ تو خود بھی یہی چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔ "آپ کی رائے بہت مناسب ہے۔ یہ فتنہ صرف اسی طرح دب سکتا ہے۔"

عزیز مصر کا خیال تھا کہ زلیخا سخت احتجاج کرے گی لیکن جب زلیخا نے اس کی رائے سے اتفاق کیا تو وہ دل میں بہت خوش ہوا۔ وہ بولا۔ "تم راضی ہو تو میں کل ہی اسے قید خانے بھیج دوں گا۔"

زلیخا نے کہا۔ "اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ آپ اس کی طرف سے بے فکر رہیں۔ میں خود ہی انتظام کر کے اسے قید خانے بھیج دوں گی۔"

عزیز مصر کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اس نے اطمینان کی سانس لی۔

کہتے ہیں، دوسری صبح، زلیخا نے حکم دیا کہ قید خانے کے ایک حصے کو خوب پاک و صاف کیا جائے پھر اس میں ایک خوبصورت اور شاندار عمارت تعمیر کی جائے۔ زلیخا کا حکم، عزیز مصر کا حکم ہوا کرتا تھا۔ فوراً" معمار اور مزدور لگ گئے اور بڑی تیزی سے قید خانے کے ایک حصے میں ایک خوبصوت عمارت تعمیر کر دی گئی۔ زلیخا نے اس عمارت کو دیکھا اور ہر طرح سے پسند کیا۔

عمارت کی تیاری کے بعد زلیخا نے حکم دیا کہ اس عمارت کے بڑے ہال میں دیبائے نفس کا فرش بچھایا جائے اور عود و عنبر کی خوشبو سے پوری طرح عمارت کو مہکایا جائے اور تمام کمروں کو آراستہ کیا جائے۔ زلیخا کے اس حکم کی بھی تعمیل ہو گی---- پھر زلیخا، حضرت یوسفؑ کے پاس گئی۔ انہیں لباس فاخرہ پہنایا اور ایک زریں تاج ان کے سر پر رکھا۔ اس طرح انہیں خوب سجا بنا کر چند کنیزوں کے ساتھ قید خانے میں بھیج دیا۔

کنیزیں حضرت یوسفؑ کو لے کر قید خانے کے دروازے پر پہنچیں تو قید خانے کے پہرے داروں نے اعتراض کیا کہ قید خانے میں قیدیوں کے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ اس لباس فاخرہ کے ساتھ قیدی کو نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کے یہ کپڑے اتروائے جائیں۔

کنیزیں بڑی منہ زور اور منہ چڑھی تھیں۔ انہوں نے پہلے تو پہرے داروں کو صلواتیں سنائیں پھر دو ایک کو پکڑ کر پیٹ ڈالا۔ بات زیادہ بڑھی تو قید خانے کے ناظم کو خبر ہوئی۔ وہ بھاگا آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک شہزادہ تاج زریں سر پر رکھے بڑی شان سے قید خانے کے دروازے پر کھڑا ہے اور زلیخا کی کنیزیں پہرے داروں سے دست و گریباں ہیں۔

ناظم قید خانہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا گیا تو اس نے بڑی خوشامد کے بعد کنیزوں کو ٹھنڈا کیا اور زلیخا سے اس سلسلے میں خود بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

زلیخا کی ایک کنیز، ناظم قید خانہ کو زلیخا کے پاس لے گئی---- وہاں پہنچ کر کنیز نے پہلے تو پہرے داروں اور ناظم کو ہزاروں گالیاں دے ڈالیں۔ "دیکھو بی بی! اس

کمبخت کی اتنی ہمت ہے کہ کہتا ہے' قیدی کے کپڑے اتروا دو۔" یہ کہتے ہوئے کنیز نے ناظم قیدخانہ کا گریبان پکڑ لیا۔ اگر زلیخا "ہائیں ہائیں" نہ کرتی تو کنیز' ناظم کے دو چار ہاتھ ضرور جما دیتی۔

زلیخا نے ناظم سے پوچھا۔ "ہاں' تم بتاؤ یہ کیا جھگڑا ہے----- اور تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

ناظم قیدخانہ کا تو پہلے ہی خون خشک ہو رہا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "جی اعتراض تو کوئی نہیں میں نے تو کنیزوں سے درخواست کی تھی کہ-----"

ناظم کو ساتھ لانے والی کنیز کو پھر غصہ آگیا۔ اس نے بڑھ کر ناظم کا گریبان پکڑ لیا اور قبل اس کے زلیخا اسے روکتی' کنیز نے دو زوردار طمانچے اس کے منہ پر جڑ دیے اور چیخ کر بولی۔ "کنیز ہو گی تیری ماں' تیری بہن۔ ہم تو بی بی زلیخا کی خواصیں ہیں۔ تو ہمیں کنیزیں کہے گا تو جوتیاں مار مار کر تیرا منہ لال کر دوں گی۔"

بے چارہ ناظم گال سہلا کر رہ گیا----- پھر حوصلہ کر کے بولا۔ "جی' میری توبہ کہ اب اس لفظ کو منہ سے بھی نکالوں----- تو جی میں نے یہ درخواست کی تھی کہ قیدی کو اس قدر شان و شوکت سے قیدخانے میں نہیں بھیجا جا سکتا۔ اگر حکم عالی ہو تو ان کی پوشاک اتروا لی جائے۔ بس اتنی سی بات تھی جس پر اتنا ہنگامہ ہوا۔ آپ کی معزز خواصوں نے تمام پہرے داروں اور نگہبانوں کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا۔"

زلیخا کے بولنے سے پہلے ہی کنیز بول پڑی۔ "لو' یہ موا کہتا ہے کہ اتنی سی بات ہے۔ ارے تو ان کی پوشاک کو ہاتھ لگا کے تو دیکھ۔ میں تیرے ہاتھ کا سرمنہ نہ بنا دوں تو نام بدل دینا۔"

زلیخا کو ہنسی آگئی۔ اس نے کنیز کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور ناظم سے بولی۔ "تم جنہیں قیدی سمجھ رہے ہو' وہ قیدی نہیں بلکہ حصاری (نظربند) ہیں۔ ہم نے انہیں وہاں اس لئے بھیجا ہے کہ انہیں کوئی نہ دیکھے اور وہ دوسروں کی نظروں سے محفوظ رہیں۔ خبردار! انہیں وہاں رتی بھر تکلیف نہ ہونے پائے۔ ورنہ تم لوگوں کی خیر نہیں۔ وہ جس طرح چاہیں اس عمارت میں رہیں۔ انہیں ہر بات کی اجازت ہے۔ ان کی ہر خواہش پوری کی جائے۔ سوائے اس کے کہ وہ باہر نہ جائیں۔"

ناظم قیدخانہ اب کیا کہہ سکتا تھا۔ وہ منہ لٹا کر واپس چلا گیا۔

ناظم قیدخانہ دروازے سے نکلنے لگا تو کنیز چمک کر بولی۔ "بڑا آیا تھا۔ قانون بگھارنے۔ اب کیسا جا رہا ہے منہ لٹکائے ہوئے۔"

کلام پاک کا سچا قصہ عبرت انگیز بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔ چنانچہ محققین نے حضرت یوسفؑ کو لباس فاخرہ کے ساتھ قیدخانے بھیجے جانے کا ایک نہایت خوبصورت نکتہ پیش کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب کسی مومن کی موت آتی ہے تو اللہ تعالیٰ' فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس مومن کے سر پر شہادت کا عمامہ سجایا جائے اور لباس معرفت پہنایا جائے---- کمر میں خدمت کا کمربند باندھا جائے اور پیروں کو اسلام کے موزوں سے ڈھانپا جائے۔ جب مومن کو اس طرح سجایا جاتا ہے تو موت کا فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اے' باری تعالیٰ' اس لباس فاخرہ اور خصائل حمیدہ کے ساتھ اس بندہ مومن کی روح کس طرح قبض کی جائے گی----- پھر وہ درخواست کرتا ہے کہ اگر حکم ہو تو اس کا یہ لباس اتار لیا جائے۔ تب حکم خداوندی ہوتا ہے----- کہ یہ زندانی نہیں حصاری ہیں۔ ان کا لباس ایسے ہی رہنے دو۔ اور تم جان لو وہ میرا نیک بندہ ہے' بد نہیں۔

○

حضرت یوسفؑ مصر کے قیدخانے میں اپنے دن گزارنے لگے۔ ان کے لئے قیدخانے میں الگ عمارت تعمیر کی گئی تھی اور عیش و آرام کی تمام چیزیں مہیا کی گئی تھیں۔ لیکن آپ دن رات عبادت الٰہی میں مصروف رہتے اور عام قیدیوں کی طرح زندگی بسر کرتے۔ آپ قیدیوں میں گھل مل گئے تاکہ انہیں عبادت کی تلقین کر سکیں۔ تمام قیدی بھی آپ سے انتہائی بے تکلف ہو گئے اور ہر وقت آپ کو گھیرے رہتے۔ آپ قیدیوں کو اللہ کی پرستش کی تلقین فرماتے اور بت پرستی سے روکتے۔

حضرت یوسفؑ کے لئے زلیخا نے کھانے پینے کا اعلیٰ قسم کا انتظام کیا تھا۔ صبح و

شام ان کے لئے زلیخا کے مطبخ سے بہترین اور وافر مقدار میں کھانا آتا۔ زلیخا کی وہ پانچ کنیزیں جو حضرت یوسفؑ پر عاشق ہو گئی تھیں' وہ بھی گاہے بہ گاہے بہترین کھانے پکوا کر ان کے لئے بھجواتی رہتی تھیں۔ لیکن حضرت یوسف کھانا بہت کم کھاتے تھے۔ اکثر آپ کچھ بھی نہ کھاتے اور تمام کھانا قیدیوں میں تقسیم کر دیتے۔ قیدی ان کے حسن سلوک سے بڑے متاثر تھے۔

اسی زمانے میں مصر کے بادشاہ ریان ابن ولید کو زہر دینے کی کوشش کی گی۔ سازش پکڑی گئی اور دو آدمی گرفتار ہوئے۔ ان میں ایک آدمی وہ تھا جو بادشاہ کے لئے شراب کشید کرتا تھا اور دوسرا شاہی خانساماں تھا۔ ان دونوں کو شبہ میں پکڑ کر قید خانے میں بھیج دیا گیا اور تحقیقات شروع ہو گئیں۔

ایک رات ان دونوں قیدیوں میں سے ایک نے جو بادشاہ کے لئے شراب بناتا تھا' ایک عجیب طرح کا خواب دیکھا۔ خدا کا کرنا دیکھئے اسی رات' دوسرے قیدی خانساماں نے بھی ایک ڈراؤنا سا خواب دیکھا۔

صبح کو شراب کشید کرنے والے نے خانساماں سے کہا۔ "بھائی! میں نے رات کو ایک عجیب سا خواب دیکھا ہے۔ تم سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

خانساماں بولا۔ "لیکن رات میں نے جو خواب دیکھا ہے وہ تمہارے خواب سے بھی عجیب ہے۔"

پہلے نے ہنس کر کہا۔ "یہ اچھی رہی۔ ابھی تم نے میرا خواب سنا بھی نہیں اور اپنے خواب کو عجیب تر بتانے لگے۔ اچھا پہلے میرا خواب سن لو۔ میں نے رات کو دیکھا کہ میں بادشاہ سلامت کے لئے انگور کے خوشے نچوڑ رہا ہوں تاکہ شراب تیار کر سکوں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ میں پڑا تو ہوں قید میں اور خواب دیکھ رہا ہوں بادشاہ سلامت کے لئے شراب کشید کرنے کا۔"

خانساماں نے کہا۔ "تمہارا خواب میں کوئی عجیب بات نہیں ـــــــ تم بادشاہ کے لئے انگور نچوڑ کر شراب بناتے تھے۔ وہی بات تمہیں خواب میں نظر آ گئی۔ اب ذرا میرا خواب سنو پھر فیصلہ کرو کہ کس کا خواب زیادہ عجیب اور حیرتناک ہے۔ تو بھائی!

میں نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹی رکھی ہوئی ہے اور پرندے اس پر چونچیں مار مار کر کھا رہے ہیں۔"

"ہاں' بھائی! تمہارا خواب واقعی بڑا عجیب ہے۔" اس نے خانساماں کا خواب سننے کے بعد کہا۔

"لیکن میرے خواب کی تعبیر کیا ہے؟" خانساماں نے پوچھا۔

اس نے مشورہ دیا۔ "اس خواب کی تعبیر کوئی نیک اور عقلمند بندہ ہی بتا سکتا ہے۔ ایسا ایک آدمی اس قید خانے میں موجود ہے اور وہ ہے یوسفؑ نام کا نوجوان۔ اس کی نیکی اور پارسائی کی ہر ایک تعریف کرتا ہے۔"

خانساماں نے ساقی کی رائے سے اتفاق کیا اور وہ دونوں حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے۔ حضرت یوسفؑ سے وہ پہلے بھی کئی بار مل چکے تھے اور ان میں دیر تک گفتگو ہوتی رہی تھی۔ اس سے جہاں ان لوگوں کو حضرت یوسفؑ کی نیکی کا یقین ہو گیا تھا وہاں حضرت یوسفؑ نے بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ دونوں بہت عقلمند اور ذہین ہیں۔

شراب کشید کرنے والے اور خانساماں نے حضرت یوسفؑ سے اپنے اپنے خواب بیان کئے اور ان خوابوں کی تعبیر دریافت کی۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر ضرور بتاؤں گا لیکن تمہیں ذرا انتظار کرنا ہو گا۔"

حضرت یوسفؑ انہیں اس خواب کی تعبیر فوراً بتا سکتے تھے لیکن انہیں انتظار کرنے کے لئے کہا۔ اس میں یہ راز پوشیدہ تھا کہ وہ بہت عقلمند تھے۔ حضرت یوسفؑ نے سوچا کہ اگر ان لوگوں کو پہلے اسلام کی دعوت دی جائے۔ اس کے بعد خواب کی تعبیر بیان کی جائے تو اس کا زیادہ اثر ہو گا۔ اسی لئے آپ نے تعبیر بیان کرنے میں تامل فرمایا۔ جیسا کہ قرآن پاک کہتا ہے۔

"کہنے لگا ایک' ان میں سے کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں' شراب اور دوسرے نے کہا کہ میں اٹھا رہا ہوں' سر پر روٹی کہ پرندے کھاتے ہیں' اس میں سے۔ لہٰذا آپ دونوں کے خوابوں کی تعبیر بتائیں کیونکہ ہم آپ کو نیکی والا دیکھتے ہیں۔"

حضرت یوسفؑ نے کہا کہ "نہ آنے پائے گا' تم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے مگر میں بتاؤں گا' تم کو تعبیر' اس کے آنے سے پہلے۔ یہ علم ہے سکھایا۔ مجھ کو میرے رب نے اور میں نے چھوڑا دین' اس قوم کا یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور آخرت سے بھی وہ منکر ہیں۔"

حضرت یوسفؑ نے انہیں یقین دلایا کہ ان کے خوابوں کی تعبیر' انہیں روز کا کھانا آنے سے پہلے پہلے بتا دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ کہہ کر "یہ علم سکھایا ہے مجھے' میرے رب نے" انہیں اسلام کی دعوت دی۔

ساقی نے پوچھا۔ "بھلا بتایئے تو' آپ کا رب کون ہے؟"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "میرا رب وہی ہے جو سارے جہان کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہی ہر ایک کو روزی دیتا ہے وہی پیدا کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔"

دوسرا سوال خانساماں نے کیا۔ "آپ بتایئے آپ کا دین کون سا ہے جو آپ ہمارے بتوں سے بیزار نظر آتے ہیں؟"

حضرت یوسفؑ نے فوراً جواب دیا۔ "میرا دن کوئی نیا نہیں ہے۔ میں تو اپنے باپ دادا کے دین کا پیروکار ہوں۔"

اس نے پھر سوال کیا۔ "آپ کے باپ دادا کون ہیں؟"

حضرت یوسفؑ نے ارشاد فرمایا۔ "میرے باپ حضرت یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیم خلیل اللہؑ ہیں۔"

قرآن میں یوں ارشاد ہوا ہے۔ "اور پکڑا' میں نے دین' باپ دادوں کا۔ ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا اور ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں' اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو۔ یہ فضل ہے ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ شکر نہیں کرتے۔"

ان دونوں نے جرح کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "ہم اگر بتوں کو پوجتے ہیں تو آپ کو کیا اعتراض ہے؟"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا "اعتراض یہ ہے کہ تم ایسی چیز کو پوجتے ہو جو خدائی کے لائق نہیں۔"

خانساماں نے اپنے خیال میں بڑا اہم سوال کیا۔ "آپ تو اپنے آپ کو پیغمبر زادہ کہتے ہیں پھر غلام کس طرح ہو گئے؟"

حضرت یوسفؑ نے کہا۔ "میرے بھائی مجھ سے حسد کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے دھوکہ دے کر بردہ فروش کے ہاتھ فروخت کر دیا۔"

پھر حضرت یوسفؑ نے انہیں 'الف' سے لے کر 'ی' تک اپنی پوری داستان سنائی۔ آپ کی داستان سن کر وہ دونوں بہت متاثر ہوئے۔

ساقی نے کہا۔ "اب آپ فرمایئے۔ ہم کیا کریں۔ اپنے دین پر قائم رہیں یا اس سے پھر جائیں۔"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ (قرآن) "اے رفیقو! بھلا سوچو کہ کئی معبود جدا جدا بہتر ہیں یا ایک اللہ بہتر ہے؟"

پھر حضرت یوسفؑ نے ان سے دین حق پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی۔ یہاں تک کہ وہ بتوں کی پرستش سے تائب ہو کر اسی وقت دین ابراہیمی میں داخل ہو گئے۔

ساقی نے کہا۔ "اے' اللہ کے نبی! ہم اپنے بتوں کی پرستش چھوڑ کر آپ کے باپ دادا کے دین پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب آپ ہمارے خوابوں کی تعبیر سے ہمیں آگاہ کیجئے۔"

ابھی ان لوگوں کا روز کا کھانا قید خانے میں نہ پہنچا تھا۔ کہ حضرت یوسفؑ نے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان کرنا شروع کی۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "اے رفیقو! تم میں سے جس نے خواب میں انگور نچوڑتے دیکھا ہے وہ کل اس قید خانے سے نجات پائے گا۔ یہی نہیں بلکہ خلعت حاصل کر کے بادشاہ کو حسب سابق شراب پلانے پر مامور ہو گا ---- اور جس شخص کے سر پر روٹی رکھی تھی اور پرندے چونچیں مار رہے ہیں اس کے خواب کی یہ تعبیر ہے کہ وہ اپنے جرم کی پاداش میں کل سولی پر چڑھے گا اور اڑتے جانور اس کا مغز نوچ نوچ کر کھائیں گے۔"

حضرت یوسفؑ نے تعبیر بیان کی تو وہ شخص جس کو سولی پر چڑھنا بتایا گیا تھا' وہ تو

چیخنے چلانے اور رونے لگا لیکن جس کے لئے حضرت یوسفؑ نے سابقہ عہدے پر بحالی کا اعلان کیا تھا۔ وہ بہت خوش ہوا اور اس نے حضرت یوسفؑ کا شکریہ ادا کیا۔

جس وقت ساقی حضرت یوسفؑ کا شکریہ ادا کر رہا تھا اس وقت شیطان نے حضرت یوسفؑ کے دل میں اپنی رہائی کا خیال بھی ڈال دیا۔۔۔۔۔ حضرت یوسفؑ نے ساقی سے کہا۔ "اے بندہ خدا! کل جب تمہیں آزاد کیا جائے اور تم خلوت میں اپنے بادشاہ کو شراب پلانے جاؤ تو اس سے کہنا کہ ایک نوجوان بے گناہ قید و بند میں پڑا ہوا ہے۔"

حضرت یوسفؑ کا ساقی سے یہ التماس' مالک کون و مکان کو ناگوار گزرا۔ کیونکہ حضرت یوسفؑ نے اپنی رہائی کے لئے خدا کو بھول کر غیراز خدا سے نجات کی توقع کی تھی۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

(قرآن) "اور کہہ دیا یوسفؑ نے اس سے جو بچے گا' ان دونوں میں سے' میرا ذکر کرنا' اپنے خداوند کے پاس' سو بھلا دیا شیطان نے ذکر اپنے خداوند سے' پھر رہ گئے یوسفؑ قید میں کئی برس۔"

جس روز یوسفؑ نے ساقی اور خانساماں کو خوابوں کی تعبیر بتائی۔ اس کے دوسرے ہی دن دونوں کو قید خانے سے نکلوایا گیا۔ خانساماں پر زہر دینے کا جرم ثابت ہو گیا۔ اس لئے اسے سولی پر چڑھا دیا گیا اور اس کی لاش میدان میں پھینک دی گئی اور اس کا مغز اڑتے ہوئے پرندے کھانے لگے جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا۔

ساقی کو تعبیر یوسفؑ کے مطابق باعزت طور پر بری کر دیا۔ وہ اپنے سابقہ عہدے پر بحال ہو گیا اور بادشاہ کی خلوت و جلوت کا مصاحبت بن گیا۔ لیکن اس کے دل سے وہ بات جو حضرت یوسفؑ نے اس سے اپنے بادشاہ سے کہنے کے لئے کہی تھی بالکل محو ہو گئی اور حضرت یواس اسی طرح بندی خانے میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

حضرت یوسفؑ کے دل میں کئی بار یہ خیال آیا کہ اگر ساقی نے اپنے بادشاہ سے ان کی بے گناہی کے بارے میں کچھ کہا ہوتا تو ممکن تھا کہ ان کو بھی رہائی مل جاتی

لیکن وہ اس کا گلہ کس سے کرتے۔ وہ پھر خداوند تعالیٰ کی عبادت اور ریاضت میں لگ گئے اور اپنے فرصت کے اوقات میں تبلیغ کرنے لگے۔

ایک دن جبریلؑ حضرت یوسفؑ کے پاس تشریف لائے اور بولے۔ "اے یوسفؑ! تم نے اپنی نجات کے لئے اپنے اللہ سے رجوع کیوں نہ کیا۔ اس کے بجائے مصر کے بادشاہ سے تم نے اپنی نجات کی امید باندھی۔ اسی کی سزا ہے کہ تم اب تک قید میں ہو اور ابھی اسی طرح سات برس اور گزارنا پڑیں گے۔"

ایک روایت ہے کہ جب جبرئیل قید خانے میں تشریف لائے تو حضرت یوسفؑ نے ان سے سوال کیا۔ "اے' مقرب بارگاہ عالی! اللہ تعالیٰ نے مجھے کس گناہ کی پاداش میں اس قید خانے میں ڈالا ہے اور اپنی رحمت و شفقت کے بجائے اس ذلت و خواری میں رکھا ہے؟"

حضرت جبرئیل نے جواب دیا۔ "اے یوسفؑ! تم نے شوق سے ذلت کو اختیار کیا ہے اور اپنے کام کو خدا کے توکل پر نہ چھوڑا۔ حالانکہ وہی قاضی الحاجات ہے۔"

حضرت یوسفؑ نے افسردگی سے کہا۔ "لیکن میں نے قید کی ذلت کی تمنا تو نہ کی تھی؟"

حضرت جبرئیل نے جواب دیا۔ "اے یوسفؑ! اس وقت کو یاد کرو جب تم نے کہا تھا۔ (قرآن) اے میرے رب! مجھ کو قید پسند ہے' اس بات سے کہ جس طرف یہ مجھ کو بلاتی ہے۔"

حضرت یوسفؑ نے یہ الفاظ' اس وقت کہے تھے' جب زلیخا کی سہیلیوں نے کہا تھا کہ اگر تم زلیخا کا کہا نہ مانو گے تو قید میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو صرف خیر کی دعا مانگنا چاہئے کیونکہ اپنے لئے برائی کی دعا مانگنے والے کی بھی دعا قبول ہو جاتی ہے اور وہ مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسفؑ نے پھر سوال کیا۔ "اے جبریلؑ! تمہیں کچھ میرے غمزدہ باپ کی خبر ہو تو مجھے سناؤ؟"

حضرت جبرئیل نے جواب دیا۔ "وہ تمہارے غم میں مبتلا ہو گئے ہیں انہوں نے

گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے اور تمہاری جدائی میں روتے روتے بینائی سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔"

حضرت یوسفؑ کا دل تڑپ اٹھا۔ انہوں نے کہا۔ "اے جبرئیل! میں تو اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہوں مگر میرے باپ کو یہ کس گناہ کی سزا مل رہی ہے؟"

حضرت جبرئیل نے کہا۔ "یہ سب تمہاری محبت نے کیا ہے۔ خدا کو یہ چیز ہرگز پسند نہیں کہ اس کا بندہ اپنے خالق کو چھوڑ کر اس کی مخلوق سے محبت کرے یا اس کا سہارا ڈھونڈے۔"

حضرت یوسفؑ نے بے چین ہو کر پوچھا۔ "آخر ان کا غم کب ختم ہو گا۔ ان کی فلاح کی بھی کوئی صورت ہے؟"

حضرت جبرئیل امین نے جواب دیا۔ "حضرت یعقوبؑ دن رات عبادت کرتے ہیں اس وجہ سے انہیں روزانہ ایک شہید کا درجہ ملتا ہے۔

اس بات سے حضرت یوسفؑ کو کچھ سہارا ہوا۔ انہوں نے کہا۔ "اگر اللہ' ان پر اتنا مہربان ہے تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔"

○

دن' مہینے اور سال پہ سال گزرتے رہے۔ کنعان میں حضرت یعقوب فراق یوسفؑ میں آنکھوں کی بینائی کھو چکے تھے۔ مصر میں زلیخا اپنے محبوب کو قید میں بھیج کر پچھتا رہی تھی۔ جس طرح یعقوب بیٹے کی جدائی میں تڑپ رہے تھے اسی طرح زلیخا محبوب کے فراق میں سلگ رہی تھی۔

اس کی غمگسار' وہی پانچ کنیزیں تھیں۔ وہ زلیخا کو تسلی و تشفی دیتیں لیکن خود بھی چھپ چھپ کر آنسو بہاتیں کیونکہ وہ بھی حضرت یوسفؑ کا رخ زیبا دیکھ کر ان پر عاشق ہو گئی تھیں۔

حضرت یوسفؑ رضائے الٰہی پر شاکر تھے۔ وہ عبادت کرتے اور قیدیوں میں دین ابراہیمی کی تلقین فرماتے تھے۔ اس طرح آپ کے قید و بند کے سات سال پورے ہو گئے۔

اسی زمانے میں ایک رات مصر کے بادشاہ ریان ابن الولید نے ایک حیرتناک خواب دیکھا۔ صبح ہوئی تو وہ اپنے بستر سے پریشان پریشان سا اٹھا۔ نہ کسی سے بولتا تھا نہ کسی کی سنتا تھا۔ پھر اس نے وزیراعظم کو طلب کیا اور حکم دیا کہ ملک کے تمام نجومیوں کو دربار میں پیش کیا جائے۔

وزیراعظم نے حکم شاہی کے تحت تمام بڑے چھوٹے نجومیوں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ اراکین دولت اور مدبران قوم کو بھی ایک خاص دن دربار میں پہنچنے کا حکم ہوا۔ جتنے دن تک یہ انتظام نہ ہو گیا۔ بادشاہ اپنے محل سے برآمد نہ ہوا۔ جب وزیراعظم نے بادشاہ کو خبر دی کہ تمام نجومی' دانشور اور اراکین سلطنت کل حضور کی سلامی اور قدم بوسی کے لئے حاضر ہوں گے تو بادشاہ نے دربار جانے کا فیصلہ کر لیا۔

دربار مصر کو پہلے سے بھی زیادہ آراستہ پیراستہ کیا گیا۔ کیونکہ شاہ مصر کئی دن کے بعد آج دربار میں آ رہا تھا۔ لوگوں کو اڑتے اڑتے یہ خبر بھی مل گئی کہ بادشاہ کسی وجہ سے پریشان ہے۔ اسی لئے نجومیوں اور دانشوروں کو دربار میں طلب کیا ہے۔

صبح ہی سے دربار میں بھیڑ لگنا شروع ہو گئی۔ لوگ آتے اور اپنی اپنی مخصوص نشستوں پر بیٹھ جاتے۔ دربار کے مقررہ وقت پر شاہ مصر' کنیزوں' غلاموں اور اراکین سلطنت کے جلو میں بڑی شان و تمکنت سے دربار میں آیا۔ سب لوگ اس کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بعض سجدے میں گر پڑے۔ بادشاہ کا چہرہ اترا ہوا تھا اور وہ خاموش تھا۔

جب سب درباری اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو شاہ مصر نے کہا۔ (قرآن) "اور کہا بادشاہ نے میں نے خواب دیکھا۔ سات گائیں موٹی کو' سات گائیں دبلی کھاتی ہیں' اور اسی طرح دیکھا کہ سات بالیاں ہری تازی کو' سات بالیاں سوکھی کھاتی ہیں۔ اے میرے درباریو اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر ہو تم تعبیر بتانے والے۔"

بادشاہ کی زبان سے یہ عجیب و غریب خواب سن کر دربار کا ہر شخص حیرت زدہ رہ گیا۔ اس خواب کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ بادشاہ نے فردا" فردا" ہر ایک نجومی اور دانشور سے اس کی تعبیر پوچھی مگر کوئی بھی نہ بتا سکا۔ بادشاہ اب تو اور پریشان

ہوا۔ خواب اس کے لئے ایک معمہ بن گیا۔ جب نجومیوں نے تعبیر بتانے سے معذوری ظاہر کی تو بادشاہ کو ہول آنے لگا اور اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے۔

تمام نجومیوں نے اتفاق رائے سے بادشاہ کو مطلع کیا کہ یہ خواب اڑتا ہوا خواب ہے اور ایسے خوابوں کی تعبیر نجومی بتانے سے قاصر ہیں۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ اس خواب کی تعبیر دنیا کا کوئی انسان نہیں بتا سکتا۔ بادشاہ کو نجومیوں کی باتوں پر بہت غصہ آیا۔ اس نے ان سب کو دربار سے نکلوا دیا لیکن اب پھر وہی سوال تھا کہ اس خواب کی تعبیر کون بتائے گا؟

پھر حکم خداوندی سے شاہ مصر کے شراب کشید کرنے والے کو ایک دم حضرت یوسفؑ کا خیال آیا۔ ساقی نے آہستہ سے بادشاہ کے کان میں کہا۔ "شاہ معظم! اب ان سب کو رخصت کر دیجئے۔ میں آپ کو ایک ایسے آدمی کا نام بتاؤں گا جو اس خواب کی تعبیر منٹوں میں آپ کو بتا دے گا۔"

بادشاہ کو یقین تو نہ آیا لیکن اس نے تمام درباریوں کو رخصت کر دیا۔

شاہ مصر نے پوچھا۔ "اے، ساقی! اب بتا، کیا واقعی کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہے؟"

ساقی نے جواب دیا۔ "حضور والا! آپ، میری بات کا یقین کیجئے وہ آدمی تعبیر بتانے میں ماہر اور کامل ہے۔"

"اس کا نام کیا ہے اور وہ کہاں ہے؟" بادشاہ نے بے چینی سے پوچھا۔ "ہم اس خواب کی وجہ سے سخت پریشان ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس الجھن سے ہمیں جلد نجات حاصل ہو۔"

"اس کا نام یوسفؑ ہے۔" ساقی نے بتایا۔ "یوسفؑ کئی سال سے جیل میں پڑا ہوا ہے۔"

یہ سن کر بادشاہ نے برا سا منہ بنایا اور بولا۔ "ساقی! تو نے ہمارا دل توڑ دیا۔ بھلا ایک قیدی، ایسے اہم خواب کی تعبیر کیسے بتا سکتا ہے۔ تجھے ضرور کسی نے غلط اطلاع

دی ہے۔ ظاہر ہے قیدی کسی جرم میں گرفتار کر کے ہی جیل میں ڈالا جاتا ہے اور ایک مجرم ضمیر انسان سے کسی اعلیٰ صفت کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔"

ساقی نے بادشاہ کا موڈ بگڑتے دیکھا تو کہا۔ "شاہ والا تبار کا خیال درست ہے۔ مجرم ضمیر لوگ اچھی صفتوں کے حامل نہیں ہوا کرتے لیکن وہ ایسا شخص ہے جسے میں نے خود آزمایا ہے۔ اسی یقین کے تحت میں نے اس کا نام حضور کے سامنے پیش کیا ہے۔"

شاہ مصر نے کہا۔ "دیکھ ساقی! ہم نے تجھ کو دوبارہ عزت و حرمت عطا کی ہے۔ کسی غلط آدمی کو ہمارے سامنے پیش کر کے اگر تو کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا تو پھر ہم ذمے دار نہ ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ قیدی اپنی رہائی کے لئے ہمارے سامنے کوئی غلط تعبیر پیش کر دے۔"

ساقی کو اور گھبراہٹ پیدا ہو گی۔ پہلے تو اس نے چاہا کہ اس کام سے دست کش ہو جائے لیکن وہ مسلمان ہو چکا تھا اور اسے حضرت یوسفؑ پر پورا اعتماد تھا۔ اس اعتماد کے بھروسے پر اس نے پر یقین لہجے میں کہا۔

"اے شاہ مصر! بادشاہوں کے سامنے غلط بیانی کرنا یا انہیں فریب دینا خود اپنی موت کو آواز دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ حضور کو بتاتا ہوں کہ یوسفؑ پر میرا اعتماد کیوں ہوا۔ عالی جاہ کو یاد ہو گا کہ آپ نے مجھے اور خانساماں کو زہر دینے کے شبے میں قید خانے بھیج دیا تھا۔ اس قید خانے میں میری ملاقات یوسفؑ سے ہوئی۔ ایک شب میں نے اور خانساماں نے خواب دیکھے۔ صبح کو ہم نے اپنے خواب ایک دوسرے سے بیان کئے۔ میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں خوشہ انگور نچوڑ رہا ہوں اور جام بھر رہا ہوں خانساماں نے خواب دیکھا تھا کہ اس کے سر پر روٹیوں کا خوان ہے اور پرندے، چونچیں مار مار کر روٹیاں کھا رہے ہیں۔

ہم نے اپنے خوابوں پر بہت غور کیا لیکن کوئی تعبیر سمجھ میں نہ آئی۔ پھر ہم نے طے کیا کہ اس کی تعبیر یوسفؑ سے پوچھنا چاہئے۔ کیونکہ جوان ہونے کے باوجود نہایت دیندار اور نیک آدمی تھا اور ہر وقت ہم قیدیوں کو نیک باتوں کی تلقین کیا کرتا تھا۔ ہم

نے یوسفؑ سے اپنے خواب بیان کئے اور تعبیر پوچھی۔ یوسفؑ نے ذرا تامل کے بعد بے دھڑک بتایا کہ جس نے خود کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے وہ قید سے رہائی پائے گا اور اپنی ملازمت پر بحال ہو گا اور جس شخص کے سر پر روٹیوں کا تھال تھا وہ سولی پر چڑھے گا اور اس کا مغز پرندے نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ عالم پناہ! ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ حضور نے ہم دونوں کو طلب کیا۔ مجھے پرانی خدمت پر مامور کیا اور خانساماں کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔"

بادشاہ حیران ہوا۔ اسنے پوچھا۔ "اے' ساقی! کیا اس نے یہی تعبیر بتائی تھی؟"

ساقی نے بادشاہ کا مزاج نرم پایا تو چہک کر بولا "عالم پناہ! میں تو کہتا ہوں کہ اس کی جوتیوں کے طفیل مجھے دوبارہ آپ کی خدمت اور عظمت حاصل ہوئی ہے۔"

"اے ساقی! بس اب دیر نہ کر۔ فوراً" قید خانے جا اور اس سے خواب کی تعبیر معلوم کر کے واپس آ۔"

ساقی جانے لگا تو بادشاہ نے کہا۔ "اے ساقی! یقین رکھ اگر قیدی نے ہمیں صحیح تعبیر بتا دی تو ہم اس کے معاملے پر ہمدردی سے غور کریں گے۔"

ساقی بھاگم بھاگ قید خانہ پہنچا۔ حضرت یوسفؑ کا سامنا ہوا تو ساقی ان کے پیروں پر گر گیا۔ حضرت یوسفؑ نے اسے اٹھا کر گلے لگایا اور بڑی محبت سے اس کی خیریت دریافت کی۔

ساقی نے کہا۔ "اے اللہ کے نیک بندے! میں' آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ قید خانے سے رہائی کی خوشی میں' میں وہ بات اپنے بادشاہ سے کہنی بھول گیا جو آپ نے مجھ سے کہی تھی۔ افسوس! اگر میں بادشاہ کو آپ کے حالات سے پہلے ہی آگاہ کر دیتا تو آپ آج قید خانے میں نہ ہوتے۔"

حضرت یوسفؑ نے مسکرا کر کہا۔ "اے ساقی! اللہ تعالیٰ نے ہر کام کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس میں بھی اس کی مصلحت تھی کہ تو میری بات بھول جائے اور میں قید میں رہوں۔"

ساقی شرمندگی سے بولا۔ "اے یوسفؑ! مجھے تعجب اس بات کا ہے کہ میں آپ کو اتنے عرصے تک کیسے بھولا رہا اور آج بھی آپ مجھے یاد نہ آتے اگر بادشاہ نے خواب نہ دیکھا ہوتا اور اس کی تعبیر کی ضرورت پیش نہ آتی۔"

حضرت یوسفؑ ایک دیرینہ شناسا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ "ہاں' بھائی ساقی! پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم اب تک اس دین پر قائم ہو جس کا اقرار تم نے میرے سامنے کیا تھا؟"

ساقی نے فوراً" جواب دیا۔ "بے شک! میں اسی دین ابراہیمی پر اب تک قائم ہوں اور مرتے دم تک قائم رہوں گا۔ میں نے شراب پینا چھوڑ دی ہے۔ لیکن شراب سازی میری خدمت اور ملازمت ہے۔ اب آپ میری مشکل آسان کیجئے تاکہ بادشاہ کی نظروں میں میری توقیر بڑھے اور آپ کی بزرگی اور نیکی کا وہ بھی قائل ہو جائے۔"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "تم' بادشاہ کے خواب کی تعبیر معلوم کرنے آئے ہو۔ میرے رب نے چاہا تو تم شاد کام جاؤ گے۔ بادشاہ کا خواب بیان کرو۔"

حضرت یوسفؑ نے تعبیر بتانے کا خود ہی اعلان کر دیا۔ اس سے ساقی کا دل بڑھ گیا۔ اس نے کہا۔ "اے یوسفؑ! میرا دل کہتا ہے کہ اس خواب کی تعبیر صرف آپ ہی بتا سکتے ہیں۔ کیونکہ مصر کے تمام نجومیوں اور دانشوروں نے تعبیر بتانے سے اپنی مجبوری کا اظہار کیا ہے۔"

ذرا رک کر ساقی نے بادشاہ کا خواب بیان کیا۔ "میرے عالی جاہ نے دیکھا کہ سات موٹی اور فربہ گائیں کو ساتھ دبلی گائیں کھاتی ہیں۔ اسی طرح سات ہری بھری بالیوں کو ساتھ سوکھی بالیاں کھاتی ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر اس کی تعبیر بتایئے تاکہ بادشاہ کے دل کو سکون ہو ----- نجومیوں کا خیال ہے کہ یہ اڑتے خواب ہیں۔ وہ ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں بتا سکتے۔"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "اے ساقی! جاؤ اور اپنے بادشاہ سے کہو کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس ملک میں سات برس تک بڑی ارزانی رہے گی۔ کھیتی باڑی خوب ہو گی۔ اناج زیادہ پیدا ہو گا لیکن سات سال بعد ایک زبردست قحط کا سامنا ہو گا جس سے لوگ سخت پریشان ہوں گے۔ کھیتی باڑی کم ہو گی عوام تکلیف اور اذیت میں

مبتلا ہوں گے یہ تعبیر جا کر بیان کر دو۔ میرا خدا تم کو سرخرو کرے گا۔"

ساقی حضرت یوسفؑ کا شکریہ ادا کر کے خوشی خوشی دربار شاہی میں واپس پہنچا۔ بادشاہ اور تمام درباریوں کی نظریں ساقی کے انتظار میں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔

ساقی جیسے ہی دربار میں داخل ہوا۔ بادشاہ نے سوال کیا۔ "اے' ساقی! تجھے کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی؟"

ساقی آداب بجا لا کر بولا۔ "شاہ معظم میں آپ کے خواب کی تعبیر لے کر حاضر ہوا ہوں۔ تعبیر اس خواب کی یہ ہے کہ سات سال تک اس ملک میں غلے کی فراوانی ہو گی۔ خوب کھیتی باڑی ہو گی۔ اناج بہت زیادہ پیدا ہو گا پھر سات سال کی خوشحالی کے بعد مصر میں زبردست قحط پڑے گا۔ غلہ کم پیدا ہو گا اور لوگ مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ خوشحالی' بدحالی میں بدل جائے گی۔"

درباریوں کو یہ تعبیر سن کر بڑی حیرانی ہوئی۔

بادشاہ ایک لمحہ سوچنے کے بعد بولا۔ "بے شک! یہ تعبیر دل کو لگتی ہے۔ اس کے سوا اس خواب کی اور کوئی تعبیر ہو ہی نہیں سکتی لیکن اے ساقی! یہ تو بتا کہ اس عظیم قحط سے بچنے کے لئے ہمیں کیا کرنا ہو گا؟"

ساقی تھا تو بہت عقلمند لیکن ایسے الجھے ہوئے مسائل کا حل اس کے پاس نہ تھا۔ اس نے کہا۔ "حضور والا! یہ حقیر اس کی کوئی تدبیر بتانے سے قاصر ہے؟"

بادشاہ نے کہا۔ "اے ساقی! ہمارے خواب کی تعبیر بتانے والا سچا ہے۔ بہتر ہے کہ تو اس کے پاس واپس جا اور پوچھ کہ ہمارا ملک اس مصیبت سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟"

ساقی الٹے پاؤں حضرت یوسفؑ کے پاس واپس آیا اور کہا۔ "اے یوسف! ہمارے بادشاہ نے آپ کی تعبیر کو سچ جانا اور اس کی تصدیق کی ہے لیکن اب آپ یہ بھی بتائیے کہ اس قحط کی مصیبت سے ہمیں کس طرح نجات مل سکتی ہے۔ یہ بات ہمارے بادشاہ نے دریافت کی ہے اور اگر آپ خواہش کریں تو میں آپ کو شاہی دربار میں اپنے ساتھ لے چلوں تاکہ ان لوگوں کو آپ کی عظمت کا احساس ہو۔"

حضرت یوسفؑ نے ساقی کی اس پیشکش پر کوئی توجہ نہ دی اور فرمایا۔ (قرآن)

"تم کھیتی کرو گے سات برس محنت سے۔ پس جو کچھ کاٹو تم' پس چھوڑ دو' اس کو بیچ بالیوں میں اس کی مگر تھوڑا اس میں سے کھاؤ---- پھر آئے گا اس کے پیچھے ایک برس' اس میں بارش پائیں گے لوگ اور اس خوشی میں شرابیں بنائیں گے۔"

مقصد یہ کہ غلے کو اگر گوداموں میں ذخیرہ کیا گیا تو اس کے گلنے سڑنے اور کیڑا لگنے کا خطرہ ہے اس لئے اناج کو بالیوں ہی میں رہنے دیا جائے اور قحط کے ایام میں انہیں استعمال کیا جائے۔

حضرت یوسفؑ کی زبان سے یہ تدبیر سن کر ساقی خوشی سے پاگل ہو گیا۔ وہ بھاگتا ہوا دربار میں پہنچا اور جو کچھ حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا بادشاہ سے بیان کر دیا۔

درباری اس تدبیر کو سن کر اور زیادہ حیران ہو گئے۔

بادشاہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے فوراً ساقی سے کہا۔ "اے ساقی! یہ شخص تو بہت عقلمند اور دانا ہے اور اس قابل ہے کہ اس کو مصر کی وزارت پر فائز کیا جائے۔"

ساقی تو دل سے یہی چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "اے' تاجدار مصر! یوسفؑ ایک صالح اور دانا جوان ہے۔ اس میں گوناگوں خوبیاں موجود ہیں۔ جنہیں الفاظ میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس جوان رعنا کو عزیز مصر نے ایک سوداگر مالک بن زغر سے خرید کر اور اپنا غلام بنا کر گھر میں رکھا تھا۔"

بادشاہ نے پوچھا۔ "اگر وہ خرید کردہ غلام ہے تو عزیز مصر نے اسے قید میں کیوں ڈال دیا ہے؟"

ساقی نے جواب دیا۔ "یوسفؑ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ وہ کسی کا غلام نہیں۔ اسے اس کے سوتیلے بھائیوں نے حسد اور جلاپے کی وجہ سے عالم طفلی میں پکڑ کر زبردستی مالک بن زغر کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔"

شاہ مصر کو یہ باتیں سن کر بڑا افسوس ہوا۔ وہ حضرت یوسفؑ کی عقلمندی سے بہت متاثر ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ انہیں کوئی اچھا منصب پیش کرے۔ شاہی ہرکارہ دوڑا ہوا گیا اور ناظم قید خانہ کو بلا لایا۔

بادشاہ نے اس سے سوال کیا۔ "تمہارے قید خانے میں یوسفؑ نام کا ایک ن
موجود ہے۔ اس کے افعال و کردار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

ناظم قید خانہ نے ادب سے جواب دیا۔ "حضور والا! یوسفؑ انتہائی نیک اور
کردار کا مالک ہے۔ وہ اس قدر خوبصورت ہے کہ میں نے آج تک ایسا نوجوان ن
دیکھا۔ حضور میری بات کو مبالغہ نہ سمجھیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب وہ دربار میں
ہو گا تو ہر شخص میری بات کی تصدیق کرے گا۔"

"دوسرے قیدی اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟" بادشاہ نے مزید تصدیق چا
ناظم نے جواب دیا "ہر قیدی' اس کی تعریف کرتا ہے۔ اس نے آج تک ک
تکلیف نہیں ہونے دی۔ دن بھر عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا ہے۔ فرصت
اوقات میں قیدی ان کے پاس جا بیٹھتے ہیں۔ یوسفؑ انہیں نیکی کی تلقین کرتا ہے۔

بادشاہ کی شاید پھر بھی تسلی نہ ہوئی۔ اس نے پوچھا۔ "اگر وہ ایسا ہی نیک
ہے تو تم نے اس کے کھانے پینے کا کیا بندوبست کیا ہے۔ کیا اسے بھی عام قید
کھانا دیا جاتا ہے؟"

"نہیں' عالیجاہ!" ناظم نے کہا۔ "اس کا کھانا عزیز مصر کی بیوی زلیخا بھیجتی ہے
کبھی زلیخا کی پانچ منہ چڑھی اور رازدار کنیزیں بھی اسے اچھے اچھے کھانے بھیجتی
بادشاہ نے بگڑ کر پوچھا۔ "قیدی کو باہر سے کھانا کیوں بھیجا جاتا ہے۔ ان عو
ان سے کیا تعلق ہے؟"

ناظم قید خانہ ذرا جھکا پھر بولا۔ "حضور اگر عزیز مصر کے ہاتھوں سے میری
امان دیں تو میں اصلی واقعہ بیان کروں؟"

بادشاہ کو طیش آ گیا۔ اس نے گرج کر کہا۔ "اے نادان! تو' عزیز مصر
ڈرتا ہے۔ ہم بادشاہ ہیں۔ عزیز مصر ہمارا خادم ہے۔ خبردار! جو ایک لفظ بھی زبا
نکالا۔"

ناظم نے ہمت کر کے کہا "عالیجاہ! عزیز مصر کی بیوی زلیخا اور اس کی پانچوں
اس نوجوان پر عاشق ہیں مگر وہ نیک مرد کسی کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ عزیز

یوسفؑ کو اپنی بیوی کی تہمت کی پاداش میں قید خانے میں ڈال رکھا ہے۔ زلیخا کی کنیزیں' اس سے محبت مخفی رکھتی ہیں اور زلیخا کے خوف کی وجہ سے پوشیدہ طور پر اسے کھانا بھجواتی رہتی ہیں لیکن وہ قانع نوجوان بہت کم کھاتا ہے اور تمام کھانا قیدیوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔"

اب شاہ مصر کے سامنے ایک نیا مقدمہ پیش ہو گیا۔ وہ کچھ دیر غور کرتا رہا پھر حکم دیا کہ "عزیز مصر کو فوراً" حاضر کیا جائے۔"

حکم کی تعمیل ہوئی اور عزیز مصر لرزاں و ترساں دربار میں پہنچ کر آداب بجا لایا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

شاہ مصر نے رعب دار آواز میں پوچھا۔ "قطمیر! تم نے یوسفؑ نامی ایک نوجوان کو قید خانے میں کیوں ڈال رکھا ہے؟"

عزیز مصر' ناظم قید خانہ کو دربار میں دیکھ کر معاملے کی نوعیت کو کسی حد تک بھانپ گیا تھا اور اس باب میں جواب کے لئے بھی خود کو تیار کر لیا تھا۔ اس نے نہایت ادب اور شائستگی سے کہا۔ "شاہ عالی مقام جانتے ہیں کہ میں نے اس غلام کو مالک بن زغر سے خریدا تھا۔ میں نے اسے اپنا بیٹا بنا کر گھر میں رکھا اور ہر طرح کا آرام دیا لیکن اس نے مجھے فریب دیا اور امانت میں خیانت کا مرتکب ہوا۔ اس لئے میں نے مجبور ہو کر اسے قید میں ڈال دیا۔"

بادشاہ کو عزیز مصر کی باتوں کا یقین نہ آیا۔ اس نے ساقی سے کہا۔ "اے' ساقی! قید خانے جا اور اس نیک جوان کو نہایت عزت و احترام سے میرے دربار میں لے آ۔"

ساقی فوراً" قید خانے پہنچا اور جو کچھ دربار میں پیش آیا تھا۔ وہ حضرت یوسفؑ کے گوش گزار کرنے کے بعد' ان سے دربار میں چلنے کی درخواست کی۔

حضرت یوسفؑ نے ساقی سے کہا۔ "اے ساقی! تم جانتے ہو کہ میں' عزیز مصر کا غلام ہوں اور اپنے مالک کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ دربار شاہی میں جانے کے لئے مجھے عزیز مصر کے حکم کی ضرورت ہے۔"

حضرت یوسفؑ نے سوچا کہ اس وقت موقع ہے کہ ساقی کے ذریعے بادشاہ کو ان تمام واقعات سے آگاہ کر دیں جو ان کے اور زلیخا کے درمیان پیش آئے تھے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ ہو جائے لیکن انہیں فوراً" خیال آیا کہ خداوند قدوس نے انہیں حضرت جبرئیل کے ذریعے تاکید فرمائی ہے کہ زلیخا کا نام نہ لیا جائے اور اس کی عیب پوشی کی جائے۔ اس خیال کے آتے ہی انہوں نے افشائے راز کا ارادہ ترک کر دیا۔

پھر حضرت یوسفؑ نے ساقی سے کہا۔ "اے ساقی! اگر بادشاہ کو حقیقت حال ہی معلوم کرنا ہے تو میرے بجائے' ان عورتوں کو بلوا کر دریافت کرے جن عورتوں نے مجھے دیکھ کر لیمو تراشنے کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ وہ تمام عورتیں میری گواہ اور شاہد ہیں۔"

ساقی پھر دربار واپس گیا اور جو کچھ حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا وہ بلاکم و کاست اس سے بیان کر دیا۔ بادشاہ مصر عالی دماغ اور عدل پرور تھا۔ اس نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے اسی وقت زلیخا اور اس کی پانچوں کنیزوں کو دربار میں طلب کر لیا۔

اس وقت دربار کا منظر دیکھنے کے قابل تھا جب زلیخا اور پانچوں کنیزیں شرم سے نظریں جھکائے دربار میں داخل ہوئیں۔ شان خداوندی تو دیکھئے کہ تمام مجرم تو دربار میں حاضر ہو گئے لیکن خدا نے ایسے حالات پیدا کئے کہ نبی زادے کو دربار میں آنے اور زلیخا پر کھلا الزام لگانے کا موقع نہ دیا۔

بادشاہ نے کنیزوں سے پوچھا۔ "اے کنیزو! اگر اپنی جان کی خیر چاہتی ہو تو ہمیں سچ سچ بتاؤ کہ تم نے یوسفؑ کی خواہش کی تھی یا یوسفؑ نے تمہاری خواہش؟"

ان میں سے ایک عورت نے جواب دیا۔ "اے بادشاہ! سچ بات تو یہ ہے کہ ہم نے ایسا حسن و جمال کبھی نہ دیکھا تھا۔ جب ہم نے اس جوان کو یک بارگی دیکھا تو ایسے مدہوش ہوئیں کہ لیمو کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ہم نے اس کی طلب کی تھی۔ وہ بے گناہ قید میں پڑا ہے۔"

دوسری عورت نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی۔

زلیخا نے دیکھا کہ اب تو بات سر دربار کھل گئی ہے اور اصل مجرم وہ خود ہے۔ اس کے عشق نے زور مارا اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بادشاہ سے کہا۔ "اے تاجدار مصر! آپ ان کنیزوں سے کیا پوچھتے ہیں جو خطا ہوئی وہ مجھ سے ہوئی ہے۔ اس مقدمے میں کسی گواہ اور شاہد کی ضرورت نہیں۔ میں خود اقرار کرتی ہوں کہ گناہ مجھ سے سرزد ہوا ہے اور حضرت یوسفؑ بے گناہ قید میں ڈالے گئے ہیں۔ میں ان کے عشق میں بے قرار ہوئی تھی اور اب بھی بے قرار ہوں۔ آپ جو چاہیں' مجھے سزا دیں سزاوار میں ہوں۔"

زلیخا کو اپنے تن کا ہوش نہ رہا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس جگہ اس کا شوہر بھی موجود ہے۔ اس کی بے قراری اس درجہ بڑھی کہ اس نے وہیں آہ و بکا شروع کر دی۔ وہ خود کو بار بار کوستی تھی کہ اس نے اپنے محبوب پر ظلم کیا اور اس بے گناہ کو قید میں ڈالا۔ اس نے اس طرح آہ و زاری کی کہ تمام درباریوں کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ شاہ مصر پر اس منظر کا اتنا اثر ہوا کہ اسنے عزیز مصر' زلیخا اور کنیزوں سے پھر کوئی بازپرس نہ کی اور انہیں معاف کر کے دربار سے رخصت کر دیا۔

○

حضرت یوسفؑ کے مصائب کا دور ختم ہو چکا تھا۔ وہ عزیز مصر کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہو چکے تھے۔ مصر جس کے بازار میں ان کی نیلامی ہوئی تھی وہی مصر آج ان کے قدم چومنے کے لئے بے چین تھا——— شاہ مصر نے سواری بھیج کر حضرت یوسفؑ کو اپنے پاس بلوایا۔ جس وقت حضرت یوسفؑ دربار میں تشریف لائے تو ریان ابن الولید نے مسند شاہی سے اٹھ کر ان کا استقبال کیا اور اس خوش جمال اور خوش اطوار جوان کو اپنے ساتھ مسند شاہی پر بٹھایا۔

شاہ مصر نے کہا۔ "اے یوسفؑ! آپ کو عزیز مصر نے ناحق قید کیا۔ اب وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہے۔"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "اے فرمانروا! میرا مقصد' عزیز مصر کو شرمندہ کرنا ہرگز

نہ تھا۔ میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ حقیقت پر سے پردہ اٹھ جائے۔ عزیز مصر میرے لئے محترم ہیں اور ان کے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں۔"

شاہ نے کہا۔ "اے یوسفؑ! تم جیسے صالح اور فرزانہ انسان کی مصر کو ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں وزارت کے عہدے پر فائز کریں۔"

حضرت یوسفؑ نے ارشاد فرمایا۔ "میں اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن میں یہ خدمت بجا لانے سے معذور ہوں کیونکہ میں رعیت کی خبرگیری اور انہیں آرام پہنچانے کا خود کو اہل نہیں سمجھتا۔"

ریان ابن الولید نے کہا۔ "اے یوسفؑ! آپ کی خوبیوں کی ہمیں خبر ہے۔ تمام دربار آپ کا مداح ہے۔ ہم عزیز مصر کو معزول کر کے اس کا عہدہ آپ کو دینے کے خواہشمند ہیں۔"

حضرت یوسفؑ گھبرا گئے۔ انہوں نے فرمایا۔ "اے شاہ مصر! میں گنہگار نہیں ہونا چاہتا۔ عزیز مصر کو اپنے عہدے پر برقرار رکھا جائے میں ان کی جگہ لینے کو ہرگز تیار نہیں ہوں۔"

حضرت یوسفؑ نے انکار سے شاہ مصر اور زیادہ خوش ہوا۔ اس نے کہا۔ "ہم تمہارے خلوص اور احسان شناسی سے بہت خوش ہوئے ہیں۔ تمہارے کہنے کے مطابق ہم عزیز مصر کو اس کے عہدے پر برقرار رکھیں گے لیکن ہم تمہیں مصر سے نہ جانے دیں گے۔ تمہیں کوئی نہ کوئی خدمت تو ضرور قبول کرنا ہو گی۔ ہم تمہاری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر مصر کو زیادہ سے زیادہ خوشحال بنانا چاہتے ہیں۔"

آخر جب شاہ مصر نے بہت اصرار کیا تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "اگر شاہ مصر مجھے واقعی اتنی اہمیت دیتے ہیں تو غلے کا انتظام میرے سپرد کر دیا جائے۔"

شاہ مصر نے فوراً قبول کر لیا اور کہا۔ "آج سے محکمہ اجناس آپ کے سپرد کیا گیا۔ ہم ابھی اس کا فرمان جاری کر دیتے ہیں۔"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "شاہ مصر اپنے فرمان میں اس امر کی ضرور وضاحت فرما دیں کہ اناج کا ایک دانہ بھی میری اجازت کے بغیر ادھر سے ادھر نہ کیا جائے۔"

شاہ مصر نے اسی وقت فرمان جاری کروایا اور حضرت یوسفؑ کے ارشاد کے مطابق اس میں ہر بات کی وضاحت کر دی گئی۔ حضرت یوسفؑ نے محکمہ خوراک سنبھال لیا اور اناج کے انتظام میں مصروف ہو گئے۔

حضرت یوسفؑ کو حضرت جبرئیل کے ذریعے پہلے ہی علم ہو چکا تھا کہ سات سال بعد ملک میں قحط پڑے گا۔ اس لئے آپ نے قحط کے مصائب سے بچنے کے لئے ابھی سے غلہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ حضرت یوسفؑ نے محکمہ خوراک کی خواہش اس لئے کی تھی کہ اس زمانے میں کاشتکاروں سے شاہی ٹیکس کے نام پر آدھا غلہ حاصل کر لیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے عوام بدحال اور پریشان رہتے تھے اور ارکان حکومت عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت یوسفؑ نے پرانا قانون منسوخ کر کے غلے کی تقسیم کا نیا نظام جاری کیا۔

اسی دوران' زلیخا کے شوہر عزیز مصر کا انتقال ہو گیا۔ زلیخا کو جب شوہر سے آزادی ملی تو اس نے پھر حضرت یوسفؑ سے راہ و رسم پیدا کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی اور کاروبار سلطنت میں مصروف رہے۔ زلیخا کے عشق کی شدت بڑھتی جاتی تھی مگر نہ اس کی آہوں میں اثر پیدا ہوا اور نہ نالہ و شیون سے آپ کا دل پسیجا آپ کے دنیاوی درجات روز بروز بڑھتے گئے۔ شاہ مصر نے ان میں ایسی اہلیت اور قابلیت دیکھی تو انتظام سلطنت سے کسی حد تک کنارہ کش ہو گیا۔ اس نے عزیز مصر کے فرائض بھی حضرت یوسفؑ کے حوالے کر دیئے۔

حکم خداوندی کے تحت سات سال گزرنے کے بعد مصر میں قحط نمودار ہوا۔ کھیتیاں سوکھ گئیں اور ہر طرف ویرانی پھیل گئی۔ حضرت یوسفؑ نے اس قیامت صغرا سے مصر کو بچانے کے لئے اناج کا وافر ذخیرہ کر لیا تھا۔ انہوں نے اناج کی ایک قیمت مقرر کر دی اور حکم دیا کہ جب تک قحط ختم نہیں ہو جاتا اسی قیمت پر غلہ فروخت ہو گا۔

یہ قحط صرف مصر ہی میں نہیں بلکہ اس کی لپیٹ میں دور دور تک کے ممالک آ گئے اور لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ ایک ملک کے لوگ بھاگ کر دوسرے مل جاتے

تو معلوم ہوتا کہ وہاں والوں کی حالت تو ان سے زیادہ ابتر ہے۔

قحط کا ایک ساتھ تو کسی طرح گزر گیا۔ لوگ اپنے اثاثے بیچ بیچ کر غلہ خرید کھاتے رہے مگر قحط تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ جب گھر کی جمع جتھا ختم ہو تو مصروالوں نے گھریلو سامان بیچنا شروع کر دیا۔ تاکہ بھوک کی آگ کو بجھایا جا سکے کہتے ہیں کہ بھوک کی آگ تمام جذبوں کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔ اس میں حقیقت موجود ہے۔ کیونکہ دو سال کے اندر مصروالوں کی گھرگرہستی بھی فروخت ہو گئی تو لوگوں نے اپنے جگر گوشوں کو بھوک کی بھینٹ چڑھا دیا اور ہزاروں معصوم بچے' سر عام غلاموں اور کنیزوں کی طرح فروخت ہو گئے۔ لیکن یہ بچے بردہ فروشوں کے ہاتھ نہیں بیچے گئے بلکہ حکومت مصر نے انہیں خرید لیا۔ یہ سب حکمت عملی حضرت یوسفؑ کی تھی۔ انہوں نے اعلان کرا دیا کہ قحط کے دوران کوئی چیز نقد قیمت پر فروخت نہیں کی جا سکے بلکہ اس کی قیمت غلے کی شکل میں ادا کی جائے۔ اس طرح مصری عوام کی کوئی چیز کسی اور کے ہاتھ فروخت نہ ہو سکی۔ کیونکہ غلہ صرف حکومت کے پاس تھا جسے جو کچھ فروخت کرنا ہوتا وہ حکومت کے کارندوں سے رابطہ پیدا کرتا اور حکومت کی طرف سے اس کی قیمت غلے کی شکل میں ادا کی جاتی۔

ایک شاعر کا شعر ہے کہ کسی زمانے میں دمشق میں ایسا سخت قحط پڑا کہ عاشق عشق کرنا بھول گئے۔ شاعر نے ٹھیک ہی کہا ہے لیکن شاید اسے زلیخا کے عشق کی خبر نہ تھی ورنہ وہ ایسا نہ کہتا۔ مصر میں قحط کی شدت کے ساتھ ساتھ زلیخا کے عشق میں تیزی پیدا ہو گئی۔ وہ صرف عزیز مصر کی بیوی ہی نہ تھی بلکہ بادشاہ طیموس کی بیٹی بھی تھی۔ اس کے باپ نے شادی کے وقت اس کے جہیز میں جواہرات کی پیٹیاں دی تھیں۔ سیم و زر کا بھی کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔ زلیخا کے مصر میں کئی عالیشان محل تھے۔ عزیز مصر کے مرنے کے بعد اس کی شان و شوکت میں کوئی کمی نہ ہوئی تھی۔ دنیا کی ہر چیز اور ہر آرام اس کو میسر تھا لیکن برا ہو اس عشق کا جس نے اس کا سکون دل چھین لیا تھا۔ زلیخا کو نہ زمانے کے سرد و گرم کی فکر تھی اور نہ قحط کی شدت کی پرواہ۔ وہ تو عشق یوسفؑ میں فنا ہو کر رہ گئی تھی۔ ہر دم آہیں بھرتی اور حضرت یوسفؑ کا نام نامی

ورد زبان رہتا۔

زلیخا کے عشق کا شہرہ ہر مصری کی زبان پر تھا۔ ایک دن زلیخا کسی کام سے اپنے محل سے باہر جا رہی تھی کہ ایک پریشان حال عورت نے اس کا راستہ روک لیا۔

زلیخا نے پوچھا۔ "مائی! تو کیوں پریشان ہے میں تیری کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

عورت نے روتے ہوئے کہا۔ "اے زلیخا! تو اپنے محل میں آرام سے بیٹھی' یوسفؑ یوسفؑ' چلاتی ہے اور مصر کے غریب عوام بھوکوں مر رہے ہیں۔"

زلیخا نے کہا۔ "مائی یہ قحط تو دیوتاؤں کا قہر ہے۔ اس سلسلے میں میں کیا مدد کر سکتی ہوں۔ رہا یوسفؑ کا عشق' تو یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ تجھے اس میں کیا اعتراض ہے؟"

عورت نے پوچھا۔ "اے زلیخا! کیا تجھے یوسفؑ سے سچا عشق ہے؟"

"ہاں۔ اس میں شبہ کی کیا بات ہے۔" زلیخا نے فخریہ لہجے میں جواب دیا۔

عورت نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "اگر تجھے حضرت یوسفؑ سے سچا عشق ہے تو کیا تو مجھے اتنی رقم دے سکتی ہے کہ میں اپنے بھوکے بچوں کے لئے ایک ہفتے کا غلہ خرید سکوں؟"

زلیخا نے ایک آہ بھری اور کہا۔ "اے عورت! تو نے میرے محبوب کے نام کی بہت کم قیمت لگائی۔ اگر تو ایک سال کے غلے کی رقم مانگتی تو وہ بھی میں تجھے ادا کر دیتی۔"

زلیخا محل میں واپس گئی اور حکم دیا کہ مطلوبہ رقم سے دگنی رقم اس عورت کو ادا کر دی جائے۔

اس وقت جو غلام اور کنیزیں وہاں موجود تھیں' وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں۔ وہ اس بات کو لے اڑیں اور چشم زدن میں یہ بات تمام مصر میں پھیل گئی۔

زلیخا کا عشق قحط کے دوران اس کے لئے مصیبت بن گیا۔ لوگ غریب سے غریب تر اور فقیر ہوتے جا رہے تھے جس کے پاس غلہ خریدنے کے لئے رقم نہ ہوتی وہ شرم کو بالائے طاق رکھ کر زلیخا کے محل کا رخ کرتا۔۔۔۔۔ اور حضرت یوسفؑ کے نام پر دست سوال پھیلاتا۔ زلیخا حضرت یوسفؑ کا نام سن کر تڑپ اٹھتی۔ سوالی کو عزت سے

بٹھاتی اور اس کی حاجت پوری کرتی۔ کہتے ہیں اگر ہاتھ نہ روکا جائے یا ذرائع آمدنی نہ ہوں تو خرچ کرنے سے قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہی صورت زلیخا کو پیش آئی۔

زلیخا کے خزانے کی نقد رقم آہستہ آہستہ ختم ہو گئی۔ مگر اس عشق کی ماری نے اپنا ہاتھ نہ روکا۔ وہ اپنے عشق اور حضرت یوسفؑ کے نام کی لاج رکھنا چاہتی تھی۔ اس کے در سے کوئی خالی ہاتھ واپس نہ جاتا۔ وہ ہر ایک کا دامن بھرتی۔ قحط ختم ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ زلیخا، یوسفؑ کے نام پر خود کو لٹاتی رہی۔

نقد رقم کے بعد زر و جواہر بیچ کر اس نے لوگوں کی دست گیری کی۔ جواہرات ختم ہو گئے تو اپنے ذاتی زیورات فروخت کر دیئے پھر محلات کا نمبر آیا۔ ایک ایک کر کے محل بکتے رہے۔ کنیزیں دیکھتیں اور دانتوں میں انگلیاں دبا لیتیں۔

جب زلیخا کے پاس آخری محل رہ گیا تو اس نے کنیزوں اور غلاموں کو بھی رخصت کر دیا۔ اف رے، عشق کی کرشمہ سازیاں۔ زلیخا کا محل بھی فروخت ہو گیا مگر وہ حضرت یوسفؑ کے نام کی لاج رکھتی رہی اور پھر یہ نوبت آ گئی کہ سوالیوں کی حاجت پوری کرنے والی خالی ہاتھ رہ گئی سوائے تن کے کپڑوں کے اس کے پاس کچھ نہ رہا۔ اب وہ تھی اور لبوں پر ہائے یوسفؑ" کا نعرہ تھا۔ لوگ اسے دیکھتے تو افسوس کرتے۔ کسی نے ایسا عشق پہلے کاہے کو دیکھا ہو گا۔

حضرت یوسفؑ" زلیخا کی حالت سے لاعلم نہ تھے۔ انہیں دم، دم کی خبریں ملتی رہیں۔ لیکن ان کے دل میں زلیخا کی الفت پیدا نہ ہوئی۔ انہیں زلیخا کے حال زار کی خبروں پر افسوس کے سوا اور کچھ نہ ہوتا۔

زلیخا سوز عشق سے اپنی جوانی کو جلاتی رہی مگر حضرت یوسفؑ کے پاس جانے کی کوشش نہ کی۔ وہ سوچتی کہ جب میں اچھے دنوں میں ان کے سامنے نہ گئی تو ان پھٹے حالوں جا کر کیا کروں گی۔ وہ اس خیال سے دل کو تسلی دیتی کہ اگر اس کا عشق سچا ہے تو ایک نہ ایک دن وہ ماہ کنعان خود کھنچ کر اس کے پاس چلا آئے گا۔

اور پھر ایک دن زلیخا کے عشق نے حضرت یوسفؑ کو اس کے پاس پہنچا دیا۔

حضرت یوسفؑ ہر روز قحط زدہ رعیت کا حال دیکھنے کے لئے شہر میں چکر لگاتے تھے۔ اس دن ان کا گزر ادھر ہوا جہاں زلیخا رہتی تھی۔ لوگوں نے بھاگ کر زلیخا کو خبر دی کہ حضرت یوسفؑ کی سواری ادھر سے گزر رہی ہے۔ زلیخا بے تابانہ بھاگی اور سڑک کے کنارے جا بیٹھی۔ حضرت یوسفؑ کی سواری بڑے شاہانہ انداز سے آ رہی تھی۔ کنیزیں، غلام، لشکری اور اراکین سلطنت ساتھ ساتھ تھے۔ حضرت یوسفؑ گھوڑے پر سوار، لباس فاخرہ زیب تن کئے، سر پر شاہی دستار رکھے، گزرے۔

حضرت یوسفؑ، زلیخا کے پاس سے گزر گئے لیکن ان کی نظر زلیخا پر نہ پڑی۔

زلیخا نے بے چین ہو کر آواز لگائی۔ "اے ماہ کنعان! ایک نظر، اس کرم جلی پر بھی ڈال۔"

حضرت یوسفؑ نے زلیخا کی آواز فوراً پہچان لی۔ گھوڑا موڑ کر اس کے پاس آئے۔ زلیخا کا رنگ و روپ ختم ہو چکا تھا۔ ناگن جیسی کالی زلفیں گرد و غبار میں اٹی ہوئی تھیں۔ جسم پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔

حضرت یوسف نے پوچھا "زلیخا تو نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟"

زلیخا بولی۔ "اے یوسفؑ! تم عشق کی لذت سے نا آشنا ہو ——— عاشقوں کا حال یہی ہوتا ہے۔"

حضرت یوسفؑ مسکرائے اور بولے۔ "زلیخا! عشق کا بھوت تیرے سر سے اب تک نہیں اترا۔ کیوں اپنی جان گنواتی ہے؟"

زلیخا نے آہ بھر کر کہا۔ "اے یوسفؑ! جو کچھ میرے پاس تھا تمہارے نام پر صدقہ کر دیا۔ اب آرزو ہے کہ یہ جان ناتواں بھی تم پر نثار کر دوں۔"

حضرت یوسفؑ نے ارشاد فرمایا۔ "اے زلیخا! سوائے میرے جس چیز کی خواہش کرے میں تیرے لئے مہیا کر دوں؟"

زلیخا بولی "میں جانتی ہوں۔ تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔ سوز عشق سے میرا سینہ جس طرح جلتا ہے اس کی تمہیں خبر نہیں تم میری قربت سے گریزاں ہو۔ اگر مجھ پر کچھ مہربانی کرنا چاہتے ہو تو اپنا عصا، میرے منہ کے قریب کر دو۔"

حضرت یوسفؑ کے ہاتھ میں سونے کا عصا تھا۔ یہ دراصل وزارت کا نشان تھا۔

حضرت یوسفؑ نے اپنا عصا زلیخا کے منہ کے پاس کر دیا زلیخا نے ایک آہ آتشیں بھر کر اسے بوسہ دیا۔ کہتے ہیں کہ وہ سونے کا عصا زلیخا کی آہ کی سوزش سے اس قدر گرم ہوا کہ حضرت یوسفؑ کے ہاتھ سے گر گیا۔

حضرت یوسفؑ کے سینے میں پہلی بار، زلیخا کے لئے گداز پیدا ہوا۔ آپ نے زلیخا سے فرمایا۔ "اے زلیخا! تو مجھ سے عشق کرتی ہے لیکن اس سے عشق کیوں نہیں کرتی جس کا میں عاشق ہوں؟"

"کون ہے وہ؟" زلیخا نے بے تابی سے پوچھا۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "وہ ہے میرا رب! جس نے مجھے وہ حسن و جمال دیا ہے جسے دیکھ کر تو نے اپنا یہ حال بنا لیا ہے۔ میرے خدا سے عشق کر کہ تجھے وہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا جس کی تو خواہش مند ہے۔"

زلیخا فوراً چلائی۔ "اے یوسفؑ! مجھے تمہارے عشق کی قسم کہ میں نے تمہارے خدا کو قبول کیا ہے۔ مجھے اپنے دین میں داخل کر لو۔"

حضرت یوسفؑ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور زلیخا کے سامنے فرش پر بیٹھ کر اسے کلمہ حق پڑھایا۔

زلیخاؒ دین ابراہیمی میں داخل ہوئیں تو عرش اعلیٰ پر آفرین اور تحسین کا غلغلہ بلند ہوا۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ جلد جاؤ اور زلیخا کی خبر لو۔ آج زلیخاؒ نے عشق مجازی سے منہ موڑ کر عشق حقیقی اختیار کیا ہے۔ اس نے ہم سے رشتہ جوڑا ہے۔ ہم اپنے عاشق کو خانہ برباد اور پریشان حال نہیں دیکھ سکتے۔۔۔۔۔۔

حضرت زلیخاؒ نے کلمہ پڑھ کر نظر اوپر اٹھائی تو ان کا رنگ ہی کچھ اور تھا۔ باد سبک کے جھونکے چلے۔ جنہوں نے حضرت زلیخا کی مینڈھیاں گوندھیں، زلفیں آراستہ کیں۔ شفق نے اپنی سرخیاں بھیج کر زلیخاؒ کے رخسار گلگوں کئے۔ افشاں نے بال بال موتی پر دیئے۔ ماہتاب نے ملاحت اور آفتاب نے جلال پیش کیا۔ وریدہ لباس کے چاک خود بخود رفو ہو گئے۔ اب وہ پہلے والی زلیخاؒ نہ تھیں۔ ان کا چہرہ نور ایمان سے

دمک رہا تھا آنکھوں میں صہبائے حق کی مستیاں برس رہی تھیں۔

حضرت زلیخاؒ نے حضرت یوسفؑ پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور پھر سر جھکا کر ایک طرف چل پڑیں۔ فرشتوں کو پھر حکم ہوا کہ وہ محبت جو زلیخاؒ کے دل میں یوسفؑ کے لئے تھی اب وہی محبت یوسفؑ کے دل میں زلیخا کے لئے بھر دی جائے۔ فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت یوسفؑ کا سینہ زلیخاؒ کی محبت سے بھر گیا۔

حضرت یوسفؑ نے بے چین ہو کر زلیخاؒ کو آواز دی۔ "اے زلیخاؒ! میری طرف دیکھو۔ کہاں جا رہی ہو، کچھ بولو، کچھ باتیں کرو۔"

حضرت زلیخاؒ کے قدم رکے۔ آپ نے مڑ کر حضرت یوسفؑ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ "اے یوسفؑ! اب مجھے بھول جا۔ زلیخا تو اس نور پر عاشق ہو گئی ہے جس کے سامنے تیرا حسن و جمال عشر عشیر بھی نہیں۔ میرا تیرا رشتہ آج سے ختم ہو گیا۔"

اللہ، اللہ! قدرت کے کھیل، وہی بہتر جانتا ہے۔ وہی ذرے کو آفتاب اور آفتاب کو ذرہ بنا دیتا ہے۔ حضرت یوسفؑ حضرت زلیخاؒ کو آوازیں دیتے رہے اور حضرت زلیخاؒ حضرت یوسفؑ سے دور ہی دور ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

یہ کیا انقلاب تھا کہ صرف یوسفؑ کے نام کا ورد کرنے والی زلیخاؒ، حضرت یوسفؑ کی طرف پشت کئے ہوئے چلی گئیں اور یوسفؑ جنہوں نے زلیخاؒ کو کبھی محبت کی نظر سے نہ دیکھا تھا، انہیں آوازیں دیتے رہ گئے۔ عشق حقیقی نے زلیخا کے قلب کو پلٹ کر رکھ دیا تھا اب ان کی نظروں میں ہزاروں یوسفؑ ہیچ تھے۔ ان کی نظریں تو یوسفؑ کے خالق سے مل گئی تھیں پھر ان کی نظر میں حضرت یوسفؑ کی کیا حیثیت رہ گئی۔

حضرت یوسفؑ کے دل میں حضرت زلیخاؒ کی محبت کی جوت جاگ اٹھی تھی۔ انہوں نے حضرت زلیخا کے پاس کتنے ہی پیغامات بھیجے مگر حضرت زلیخاؒ نے توجہ نہ فرمائی۔ جو ان کے پاس جاتا۔ منہ لٹکائے ناکام واپس آ جاتا۔ حضرت یوسفؑ جتنا ان سے ملنے کی کوشش کرتے، وہ اتنا ہی ان سے دور بھاگتیں۔

ان باتوں کی خبر شاہ مصر، ریان ابن الولید کو پہنچی تو وہ حضرت یوسفؑ کے پاس آیا

اور ان سے گفتگو کی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اب حضرت یوسفؑ کا دل، حضرت زلیخا کے لئے بے چین ہے۔ ادھر عرش اعلیٰ سے بھی دونوں کے ملاپ کا حکم ہو چکا تھا۔ چنانچہ شاہ مصر کی چالیس دنوں کی مسلسل کوششوں کے بعد حضرت زلیخا نے حضرت یوسفؑ کی طرف توجہ فرمائی پھر حضرت یوسفؑ اور حضرت زلیخا کا عقد ہوا۔ اس طرح ایک طویل زمانے کے بعد دونوں یکجا ہو کر شکر خداوندی بجا لائے۔ کہتے ہیں کہ حضرت زلیخا نے حضرت یوسفؑ کے لئے اتنے سالوں تک فراق کی جو صعوبتیں اٹھائیں، اتنے ہی کرب سے حضرت یوسفؑ کو ان چالیس دنوں کے دوران گزرنا پڑا۔

○

قحط کا ہر اگلا سال، گزشتہ سے زیادہ ہولناک ثابت ہو رہا تھا۔ مصر میں تو حضرت یوسفؑ کی حسن تدبیر سے تباہی نہ ہوئی۔ لیکن دوسرے ملکوں میں تو قیامت برپا ہو گئی۔ لوگ بھوک سے بلک بلک کر مرنے لگے۔ دور دور تک قحط اور خشک سالی کا دور دورہ تھا۔ دودھ دینے والے جانوروں کے تھن خشک ہو گئے اور وہ چارہ نہ ملنے کی وجہ سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے۔ ہر طرف قیامت کا سماں تھا۔

اطراف و جوانب میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ملک مصر میں قحط کا زور کم ہے اور عزیز مصر کے پاس غلے کا کافی ذخیرہ ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مصر میں غلہ بڑی معقول قیمت میں اس وقت بھی فروخت ہو رہا ہے اور یہ حقیقت بھی تھی۔ حضرت یوسفؑ نہ صرف مصریوں میں غلہ تقسیم کرتے بلکہ باہر سے آنے والوں کو بھی محروم نہ رکھتے اور جہاں تک ہو سکتا انہیں غلہ دے کر رخصت کرے۔ انہوں نے اس کے لئے یہ اصول بنایا تھا کہ دوسرے ملکوں سے آنے والوں کو ایک اونٹ فی کس سے زیادہ غلہ نہ دیا جائے تاکہ مصر کے غلے سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہو سکیں۔

شدہ شدہ یہ خبر کنعان میں پہنچی۔ وہاں قحط کا سخت زور تھا ——— حضرت یوسفؑ کے سب بھائیوں نے باپ سے مصر جانے کی اجازت لی اور اونٹوں پر پشمینہ بار کر کے مصر کا رخ کیا تاکہ یہ سامان فروخت کر کے غلہ حاصل کریں۔

برادران یوسفؑ تکلیفیں اٹھاتے اور منزلیں طے کرتے آخر مصر میں داخل

ہوئے۔ حضرت یوسفؑ کو جب اطلاع ملی کہ کنعان سے ایک قافلہ غلہ حاصل کرنے کے لئے آیا ہے تو ان کا دل تڑپ اٹھا۔ انہوں نے فوراً انہیں دربار میں طلب کیا۔

ظالم کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ جب برادران یوسفؑ دربار میں داخل ہوئے تو وہ حضرت یوسفؑ کو نہ پہچان سکے۔ حالانکہ حضرت یوسفؑ نے انہیں پہلی ہی نظر میں شناخت کر لیا۔ چنانچہ رب کریم فرماتا ہے۔

(قرآن) "اور آئے بھائی حضرت یوسفؑ کے، پھر داخل ہوئے اس کے پاس تو انہوں نے، حضرت یوسفؑ کو پہچانا اور بھائیوں نے ان کو نہ پہچانا۔"

بھائیوں کو اپنے سامنے دیکھ کر حضرت یوسفؑ کو تمام پرانی باتیں ایک دم یاد آ گئیں۔ حضرت یوسف کو بھائیوں کے ظلم اور بے وفائی پر سخت غصہ آیا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ ان سے اس ظلم کا بدلہ لیا جائے۔ لیکن اسی وقت ان کے کانوں میں صدائے ربانی گونجی۔

"اے یوسفؑ! عفو و درگزر، انتقام اور بدلہ لینے سے زیادہ احسن ہے۔ یہ غریب الوطن ہیں اور اتنی دور سے تمہارے پاس غلہ لینے آئے ہیں جو ہوا اسے بھول جاؤ اور ان سے محبت اور خلوص سے پیش آؤ۔ اگر تم نے ان پر ویسا ہی ظلم کیا تو پھر تم میں اور ان میں کیا فرق رہ جائے گا۔ تم صاحب استطاعت ہو اور حاکم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی پر اپنا خوف طاری کرے اور وہ اپنی حاجت بیان نہ کر سکے۔ تم خود کو ان سے چھپاؤ تاکہ یہ کھل کر اپنی ضرورت کا اظہار کر سکیں۔"

حضرت یوسفؑ اس تنبیہہ سے کانپ اٹھے۔ انہوں نے شیطان مردود پر لعنت بھیجی جو ان کے دل میں انتقام کی آگ بھڑکانے کی کوشش کر رہا تھا۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا تھا لیکن انہیں اس بات پر تعجب تھا کہ صرف دس بھائی آئے ہیں، گیارہواں بھائی بیامین جو ان کا سگا بھائی ہے، وہ ان کے ساتھ نہ تھا لیکن وہ صاف طور سے بیامین کے بارے میں نہیں پوچھ سکتے تھے کیونکہ انہیں اپنی شخصیت پوشیدہ رکھنے کا حکم تھا۔

حضرت یوسفؑ نے انہیں عزت سے بٹھایا اور دریافت فرمایا۔ "اے غریب

الوطن مسافرو! تمہارا تعلق کس ملک سے ہے؟"

حضرت یوسفؑ کے ایک بھائی یہودا نے جواب دیا۔ "اے' عزیز مصر! ہم سب کنعان کے رہنے والے ہیں اور سب آپس میں بھائی ہیں۔"

حضرت یوسفؑ نے سوال کیا۔ "تم کتنے بھائی ہو؟"

یہ سوال کرتے وقت حضرت یوسفؑ کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ دراصل اپنے بھائی کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے لیکن اس بات کا خوف تھا کہ کہیں ان کی شخصیت بھائیوں پر نہ ظاہر ہو جائے۔

یہودا' ان کے سوال کی گہرای تک نہ پہنچ سکا۔ اس نے کہا۔ "ہم کل بارہ بھائی تھے۔ ہمارے ایک چھوٹے بھائی کو بھیڑیا اٹھا لے گیا۔ ایک چھوٹا بھائی اور ہے جسے ہم گھر پر چھوڑ آئے ہیں۔"

گھر کا ذکر آتے ہی آپ نے دریافت فرمایا۔ "کیا تمہارے والد اب تک حیات ہیں؟"

ان کے بھائی نے بتایا۔ "والد صاحب زندہ تو ضرور ہیں لیکن بیٹے کے غم نے انہیں گور تک پہنچا دیا ہے۔ وہ ایک الگ مکان میں رہتے ہو جو بیت الحزن کہلاتا ہے۔ ہمارے والد صاحب پیغمبر خدا حضرت یعقوبؑ ہیں۔ اس لئے یا تو خداوند تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں یا پھر ہمارے بھائی یوسف کے غم میں آنسو بہاتے رہتے ہیں۔ روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی تک زائل ہو چکی ہے۔"

حضرت یوسفؑ ان تمام باتوں سے واقف تھے۔ اس وقت تو بس وہ اپنے بھائی اور باپ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "تم اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟"

یہودا نے جواب دیا۔ "ہمارے والد صاحب نے اسے اپنے پاس اس لئے رکھا ہے تاکہ انہیں ہماری عدم موجودگی کا زیادہ احساس نہ ہو۔"

حضرت یوسفؑ نے تمام حالات معلوم کر لئے تو ارشاد فرمایا۔ "اے کنعانی مسافرو! اب بتاؤ! تم مصر کیوں آئے ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

حضرت یوسفؑ کے بھائی بولے۔ (قرآن) "عزیز مصر! پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی۔ لائے ہیں ہم پونجی ناقص۔ سو غلہ دو ہم کو۔ پورا' پورا دینا۔ تم خیرات کرو ہم پر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے۔"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ "تم لوگ اپنے ساتھ جو سامان اور پونجی لائے ہو وہ غلے کی قیمت سے بت کم ہے لیکن تم اطمینان رکھو۔ ہم تمہیں مقررہ غلہ ضرور دیں گے۔ کیونکہ تم اتنی دور سے آئے ہو مگر مسافرو! یہ تو بتاؤ کہ تم بارہ بھائی تھے۔ اگر ایک بھائی کم ہو گیا تو تمہارے والد صاحب اس کا اتنا غم کیوں کرتے ہیں۔ کیا وہ بھائی علم و ہنر میں تم لوگوں سے بہتر تھا؟"

یہودا بولا۔ "ایسی تو کوئی بات نہیں لیکن ہمارا بھائی یوسف اپنی خوبصورتی اور حسن و جمال میں ہم سب سے بہتر تھا۔ اللہ نے اسے دانائی اور عقلمندی بھی زیادہ عطا فرمائی تھی۔ اسی لئے والد ان سے زیادہ محبت کرتے تھے۔"

حضرت یوسفؑ نے حکم دیا کہ جب تک یہ لوگ یہاں رہیں ان کے عیش و آرام کا خاص خیال رکھا جائے۔ ان کے لئے قیام و طعام اور لباس کا بھی معقول انتظام کیا جائے۔

برادران یوسفؑ نے کئی دن وہاں قیام کیا۔ جب وہ رخصت ہونے لگے تو انہیں حسب دستور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ عطا کیا اور پھر کہا۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے۔

(قرآن) "اور کہا' لے آئیو میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے' باپ کی طرف' کیا نہیں دیکھتے ہو کہ تمیں پورا پورا ناپ دے رہا ہوں اور میں سب سے زیادہ ناپ دینے والوں میں سے ہوں۔"

انہوں نے کہا۔ (قرآن) "ہم سب خواہش ظاہر کریں گے اپنے باپ سے اس (بنیامین) کے لانے کی اپنے ہمراہ اور ہم کو یہ کام کرنا ہے ضرور۔"

حضرت یوسفؑ کو علم تھا کہ یہ لوگ گھر کی تمام پونجی اکٹھا کر کے غلہ خریدنے آئے ہیں اور گھر پر اب کچھ باقی نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے غلاموں کو حکم دیا کہ

غلے کی جو قیمت ان سے وصول کی گئی ہے وہ ان کے سامان میں پوشیدہ طور پر رکھ دی جائے۔

رقم چھپا کر واپس کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ جب گھر پہنچ کر انہیں رقم ملے تو شاید وہ انہیں پہچان لیں اور پھر ملاقات کے لئے مصر آئیں۔ حضرت یوسفؑ نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر تم اپنے چھوٹے بھائی کو لے کر آؤ گے تو تم کو ایک شتر بوجھ غلہ اور دیا جائے گا۔ اس واقعے کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

(قرآن) "اور کہہ دیا اپنے خدمت گاروں کو کہ ان کی پونجی کو ان کے اونٹوں کے بوجھوں میں رکھ دو۔ شاید وہ اپنے گھر میں پہنچ کر اس کو پہچانیں اور شاید اسی وجہ سے وہ پھر واپس ہمارے پاس آویں۔"

حضرت یوسفؑ کو اپنے بھائیوں پر اپنی شخصیت ظاہر کرنے کی خدا کی طرف سے اجازت نہ تھی اس لئے انہوں نے یہ ترکیب نکالی کہ رقم چھپا کر انہیں واپس کر دی جائے تاکہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی نہ ہو اور کنعان پہنچ کر وہ انہیں پہچان بھی لیں۔

برادران یوسفؑ غلہ لے کر خوشی خوشی کنعان واپس ہوئے۔ راستے بھر بھائیوں میں یہی بحث ہوتی رہی کہ آخر عزیز مصر نے ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیوں کیا اور ان کے چھوٹے بھائی بیامین کو دوسرے سفر میں اپنے ساتھ لانے کی اس قدر تاکید کیوں کی؟

یہودا اور شمعون کا خیال تھا کہ عزیز مصر ان کا بھائی یوسف ہے لیکن دوسرے بھائی اس کی تردید کرتے۔ ان کی یہ دلیل تھی کہ اگر عزیز مصر یوسفؑ ہوتا تو وہ ان سے انتقام لیتا اور اتنی مروت اور عزت سے ہرگز پیش نہ آتا۔ یہی بحث کرتے ہوئے وہ کنعان پہنچ گئے۔

حضرت یعقوبؑ اور کنعان کے لوگ ان لوگوں کے بخیریت کامیاب واپس آنے سے بہت خوش ہوئے۔

لوگوں کی بھیڑ چھٹ جانے کے بعد حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں سے پوچھا۔ "

بیٹو! اپنے کامیاب سفر کا کچھ حال ہم کو سناؤ۔ کیونکہ اس قحط سالی کے زمانے میں اتنا غلہ حاصل کرنا ایک نہایت اہم کام نہیں بلکہ حیرت انگیز واقعہ ہے۔"

برادران یوسفؑ نے مختصر الفاظ میں سفر کے حالات اپنے والد کے گوش گزار کئے۔ اور عزیز مصر کی ضیافتوں اور حسن سلوک کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔

سفر کا حال سننے کا تو ایک بہانہ تھا۔ درپردہ حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے یوسفؑ کے متعلق کوئی خبر سننے کو بے چین تھے۔ جب انکے متعلق لڑکوں نے کچھ نہ کہا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے واضح الفاظ سے دریافت فرمایا۔ "میرے بیٹو! تم نے سب حال تو بیان کر دیا لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہیں مصر میں میرے لخت جگر یوسفؑ کی بھی کوئی خبر ملی؟"

ایک بیٹے نے منہ بنا کر کہا۔ "واہ' ابا جان! آپ بھی کیا پوچھ رہے ہیں۔ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا۔ اس بات کو ایک زمانہ گزر چکا ہے مگر آپ اب تک یوسفؑ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر ہم مصر میں یوسفؑ کے بارے میں کسی سے پوچھتے تو کیا وہ ہمیں سودائی نہ سمجھتا؟"

حضرت یعقوبؑ کے بیٹے کے غم میں پھر اشک رواں ہو گئے۔

حضرت یوسفؑ کے بھائی یہودا کے دل میں عزیز مصر کے بارے میں شبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے کہا۔ "ابا جان! یوسف کے بارے میں تو ہم نے کسی سے نہیں پوچھا لیکن مصر میں ایک عجیب بات ضرور ہوئی تھی۔"

حضرت یعقوبؑ نے بے چین ہو کر دریافت فرمایا۔ "کیا عجیب بات ہوئی تھی میرے بیٹے؟"

یہودا نے کہا۔ "ابا جان! ہم نے عزیز مصر کے پوچھنے پر جب انہیں یہ بتایا کہ ہمارا ایک چھوٹا بھائی بیامین بھی ہے تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اب کی دفعہ جب تم لوگ مصر آؤ تو اپنے بھائی کو ضرور ساتھ لانا پھر انہوں نے بیامین کو دیکھنے کا بہت زیادہ اشتیاق ظاہر کیا اور ہمیں چلتے وقت پھر تاکید کی ہم بیامین کو ضرور ساتھ لائیں اگر ہم اسے اپنے ساتھ نہ لے گئے تو ہمیں غلے کا ایک دانہ بھی نہ ملے گا لیکن بیامین کو

لے جانے کی صورت میں ہمیں ایک شتر بوجھ غلہ زیادہ دیا جائے گا۔"

یہودا کی زبان سے یہ باتیں سن کر حضرت یعقوب کو بڑی حد تک یقین ہو گیا کہ عزیز مصر ان کے محبوب بیٹے حضرت یوسف کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن انہیں اپنے بیٹوں پر اعتبار نہ تھا۔ اس لئے آپ نے بیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے میں تکلف اور توقف فرمایا۔

یہودا اور دوسرے بیٹوں نے انہیں رضامند کرنے کی بہت کوشش کی مگر آپ کا دل کسی طرح نہ مانتا تھا پھر سب بیٹوں نے آپ کے سامنے خدا کو حاضر و ناظر کر کے قسم کھائی۔ تب باپ کو مجبور ہونا پڑا۔

حضرت یعقوبؑ دوسرے بیٹوں کے ساتھ بیامین کو مصر جانے کی اجازت دینے ہی والے تھے کہ غلاموں نے اطلاع دی کہ سامان کے ساتھ دیناروں کی ایک تھیلی ملی ہے۔ تھیلی پیش کی گئی تو یہودا نے بتایا کہ یہ تو وہی رقم ہے جو اس غلے کی قیمت کے طور پر ادا کی تھی۔

حضرت یعقوبؑ نے حکم دیا کہ اب تم لوگ جلد از جلد مصر کو سدھار جاؤ اور اس تھیلی کو اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ رقم بھولے سے تمہارے سامان میں آ گئی ہو۔

مصر کے لئے قافلہ دوبارہ ترتیب دیا گیا۔ حضرت یعقوبؑ نے دل پر پتھر رکھ کر سب سے چھوٹے بیٹے بیامین کو بھی جانے کی اجازت دی اور چلتے وقت بیٹوں کو نصیحت فرمائی۔

(قرآن) "اے میرے بیٹو! تم مت داخل ہونا ایک دروازے سے اور تم داخل ہونا مختلف الگ الگ دروازے سے اور میں کچھ بھی طاقت نہیں رکھتا کہ میں کسی چیز سے بچا سکتا ہوں، بجز حکم خداوندی کے اور حکم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا نہیں اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے اور مجھے یقین کامل ہے کہ اس پر بھروسہ کرنا چاہئے، بھروسہ کرنے والوں کو۔"

مصر میں حضرت یوسفؑ اپنے بھائی بنیامین کے منتظر تھے۔ ان کے دن بڑی

کلی اور بے چینی سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے تمام سراؤں میں آدمی بھیج رکھے تھے کہ کنعان کا قافلہ جیسے ہی پہنچے اسے بلا تاخیر عزت کے ساتھ ان کے پاس لایا جائے۔ کنعانی قافلے کے پہنچتے ہی شاہی ہرکاروں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور عزت کے ساتھ برادران یوسفؑ کو قصر شاہی پہنچایا گیا۔ حضرت یوسفؑ نے قصر کے دروازے پر بھائیوں کا استقبال کیا۔

یہودا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اے عزیز مصر! آپ کو ہمارے چھوٹے بھائی بیامین سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ اس لئے ہم اسے اپنے ساتھ لائے ہیں۔"

حضرت یوسفؑ کی نظریں پہلے ہی بیامین پر جمی ہوئی تھیں۔ انہوں نے خوش دلی سے فرمایا۔ "ہاں میں نے پہچان لیا ہے۔ اس لئے کہ میں تم دس بھائیوں کو پہلے ہی دیکھ چکا ہوں اور گیارہواں جوان جسے میں دیکھ رہا ہوں یقیناً" بیامین ہی ہے۔"

یہودا بولا۔ "اے عزیز مصر! آپ نے بالکل صحیح پہچانا۔ یہی بیامین ہے جسے ہمارے والد صاحب کسی بھی طرح اپنے سے جدا کرنے پر آمادہ نہ تھے۔"

حضرت یوسفؑ کا دل چاہا کہ دوڑ کر بیامین سے لپٹ جائیں مگر وہ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے پہلے وہ فرداً" فرداً" تمام بھائیوں سے بغلگیر ہوئے پھر دیر تک بیامین کو سینے سے لگائے رہے۔ بیامین کو ان کی بانہوں میں ایک عجیب طرح کی لذت محسوس ہوئی۔ اس کا جی چاہا کہ کاش! ہمیشہ کے لئے ان محبت بھری بانہوں کی پناہ آ جائے۔

حضرت یوسفؑ تمام بھائیوں کو محل میں لے آئے اور ان کے لئے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔

حضرت یوسفؑ نے یہودا سے پوچھا۔ "اے یہودا! کچھ اپنے والد صاحب کا حال سناؤ۔ وہ خیریت سے تو ہیں؟"

یہودا نے جواب دیا۔ "اے عزیز مصر! انہیں اپنے بیٹے یوسفؑ کا غم اب تک نہیں بھولا۔ ان کا خیال ہے کہ یوسفؑ اب تک زندہ سلامت ہے۔"

"اللہ کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں۔" حضرت یوسفؑ کی زبان سے بے ساختہ

نکل گیا۔

یہودا کو کچھ یاد پڑا۔ اس نے تھیلے میں سے ایک دستار (پگڑی) نکال کر حضرت یوسفؑ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اے عزیز مصر! یہ ہدیہ ہمارے باپ نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔ یہ دستار ہمارے پردادا حضرت ابراہیمؑ کی ہے۔"

حضرت یوسفؑ اس دستار کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ دستار ابراہیمؑ نبوت کی نشانی سمجھی جاتی تھی جس کے پاس یہ دستاری ہوتی وہ نبوت کے عہدے پر فائز کیا جاتا۔ حضرت یوسفؑ نے شکریے کے ساتھ یہ ہدیہ قبول کر لیا اور پھر بوسہ دے کر اپنے پاس رکھ لیا۔

اب حضرت یوسفؑ کو فکر ہوئی کہ کسی طرح اپنے بھائی بیامین سے گفتگو کی جائے۔ سوچتے سوچتے انہیں ایک تدبیر سوجھی۔ انہوں نے مہمانوں کے لئے کھانا لانے کا حکم دیا۔ کھانا فوراً دسترخوان پر چن دیا گیا۔

حضرت یوسفؑ نے بھائیوں سے فرمایا۔ "اے میرے مہمانو! کھانا تیار ہے لیکن خیال رہے کہ دو، دو آدمی ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں۔"

بظاہر یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر اعتراض کیا جاتا۔ سب دو دو کر کے بیٹھ گئے۔ بیامین کے علاوہ باقی دس بھائی گروپ کی صورت میں ہو گئے۔ بیامین گیارہویں تھے۔ ان کے ساتھ بیٹھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ بہت گھبرائے اور افسردہ ہو گئے۔

حضرت یوسف نے مسکرا کر فرمایا۔ "فکر نہ کرو، بیامین! میں کھانے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ تم میرے ساتھ چلو۔"

حضرت یوسفؑ اپنے بھائی بیامین کو اپنے خاص کمرے میں لے گئے اور بڑی محبت سے پوچھا۔ "اے بیامین! اب سچ سچ بتاؤ، تم اس قدر افسردہ کیوں ہو گئے تھے؟"

بیامین نے کہا۔ "اے مہربان! میرا ایک سگا بھائی یوسف تھا۔ اسے بچپن میں بھیڑیا کھا گیا۔ مجھے اس وقت افسوس اس بات کا تھا کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا۔"

حضرت یوسفؑ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا۔ "اے بیامین! غم نہ کرو تمہارے بھائی کو بھیڑیے نے نہیں کھایا بلکہ اسے تمہارے سوتیلے بھائیوں نے ایک بردہ فروش کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔"

بیامین نے بے چینی سے پوچھا۔ "اے مہربان! جب آپ نے مجھے یہ خوشخبری سنائی ہے جو حقیقتاً درست معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ میرے والد پیغمبر خدا ہیں اور انہیں بھی بیٹے کا انتظار ہے۔ اب آپ مجھے یہ بھی بتائیے کہ میرا ابھائی اس وقت کہاں ہے اور میں اس سے کس طرح مل سکتا ہوں؟"

حضرت یوسفؑ نے بیامین کو محبت سے کھینچ کر اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا۔ "اے بیامین! تیرا گم گشتہ بھائی یوسف میں ہی ہوں——— جسے اللہ تعالیٰ نے مصائب کے امتحان میں ڈالا پھر معاف فرما کر اسی عظیم رتبے تک پہنچایا۔"

بیامین کی خوشی کا عالم کس طرح بیان ہو۔ وہ بے قرار ہو کر حضرت یوسفؑ کے ہاتھ پیروں کو چومتے اور بار بار ان سے لپٹ جاتے۔

بیامین نے کہا۔ "اے، بھائی جان! یہ مژدہ فوراً ابا جان تک پہنچائیے جو آپ کے غم میں روتے روتے نابینا ہو گئے ہیں۔"

حضرت یوسفؑ نے ژاژ نامی ایک برق رفتار قاصد کو کنعان کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ حضرت یعقوبؑ کے پاس پہنچ کر انہیں تمام حالات سے آگاہ کرے۔ قاصد کے جانے کے بعد حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی یہودا کو ایک پیراہن دیا کہ وہ اسے لے کر قاصد کے پیچھے روانہ ہوں اور کنعان پہنچ کر اسے حضرت یعقوبؑ کے چہرے پر ڈال دیں۔

برادران یوسفؑ کو جب معلوم ہوا کہ عزیز مصر، دراصل ان کا بھائی یوسف ہے جسے انہوں نے مالک بن زغر کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔ تو وہ دل میں بہت شرمندہ ہوئے اور حضرت یوسفؑ سے معافی مانگنے لگے۔ حضرت یوسفؑ کے حکم کے تحت یہودا، پیراہن یوسفؑ جسے بعض روایتوں میں پیراہن ابراہیمؑ بھی کہا گیا ہے، لے کر کنعان چل پڑے۔

تیز رفتار قاصد ژاژ پہلے ہی کنعان پہنچ چکا تھا اور اس نے حضرت یعقوبؑ کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔ اب یہودا نے کنعان پہنچ کر' پیراہن یوسفؑ" حضرت یعقوبؑ کے چہرے پر ڈالا تو شان خداوندی سے ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(قرآن) "پس آیا خوشخبری لانے والا تو اس نے ڈال دیا' کرتے کو اوپر منہ اس کے۔ پس ہو گئے۔ وہ بینا---- پھر بولے۔ میں نے یہ نہ کہا تھا تم سے کہ میں جانتا ہوں' اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔"

حضرت یوسفؑ کے زندہ بچنے اور عزیز مصر ہونے کی خبر تمام کنعان میں پھیل گئی۔ لوگوں نے آ کر حضرت یعقوبؑ کو مبارک باد دی۔ پھر حضرت یعقوبؑ اسی شاہی سواری پر مع اپنے تمام لواحقین کے سوار ہوئے جو ان کے لانے کے لئے حضرت یوسفؑ نے مصر سے روانہ کی تھی۔ مصر پہنچ کر حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے سے ملے اور برسہا برس کی فراق کی آگ کو بجھایا۔ حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ نے حاسد اور نافرمان' برادران یوسفؑ کی خطائیں معاف کر دیں۔

حضرت یوسفؑ" حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے دو سو اکیاون سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کے پوتے موسیٰؑ بن عیشاؑ بھی نبی تھے۔ حضرت یوسفؑ نے ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی اور مصر میں دفن ہوئے لیکن بعد میں حضرت موسیٰؑ نے آپ کو مصر سے کنعان لا کر دفن فرمایا۔ حضرت زلیخا' حضرت یوسفؑ کے انتقال سے پہلے ہی رحلت پا چکی تھیں۔

قطامہ

منزل دور اور مغرب کی طرف تیزی سے جھکتا ہوا سورج صحابی رسولؐ عبد اللہ بن خباب کے لئے پریشان کن بات تھی۔ وہ کبھی سورج کو دیکھتے تو کبھی کلام اللہ کا ورد کرتے ہوئے اونٹنی پر محمل نشیں بیوی کی طرف نظر ڈالتے۔ خباب مہار پکڑے چل رہے تھے' وہ جب گھبرا کر اونٹنی کی رفتار سے اپنی رفتار تیز کرتے تو مہار کی ڈوری کو جھٹکا لگتا اور اوپر سے بیوی کے کراہنے کی آواز آتی کیونکہ بیوی پورے دنوں سے تھیں۔

عبد اللہ بن خباب کا ناقہ' جسر نہرواں سے گزر رہا تھا۔ جنگ صفین ختم ہو چکی تھی لیکن یہ علاقہ اب تک جنگ کی لپیٹ میں تھا۔ کسی قدم پر بھی کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ سکتا تھا۔ دشمنان اسلام ہر طرف منڈلا رہے تھے۔ انہیں یہ عارضی صلح پسند نہ تھی اور چاہتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ اور حضرت امیر معاویہؓ ایک بار پھر ٹکرا جائیں اور اسلام کی طاقت پارہ پارہ ہو جائے۔ اپنے چیلوں کے ذریعے حضرت علی کرم اللہ کو دھوکہ دینے والے ان خارجیوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ وہ خود کو اسلام کا

ٹھیکیدار کہتے لیکن مسلمانوں کا خون بہاتے بلکہ خون بہانا تو انہوں نے اپنے عقیدے میں داخل کر لیا تھا۔

یکایک ناقہ نے پیر روک کر گردن ہلائی' گردن میں پڑی ہوئی گھنٹیاں ایک جھٹکے کے ساتھ تیز آواز میں بج اٹھیں۔ یہ کسی نادیدہ خطرے کا اعلان تھا۔ حضرت ابن خباب نے گھبرا کر چاروں طرف نظریں ڈالیں۔ انہیں ترائی میں کچھ خیمے نظر آئے۔ غور کیا تو اور بھی خیمے نظر پڑے۔ پھر خیمے ہی خیمے' حد نظر تک خیموں کا شہر سا آباد تھا۔ حضرت ابن خباب تنہا ہوتے تو کوئی فکر نہ تھی لیکن نحیف و نزار بیوی کا ساتھ' ناقہ کو تیز دوڑا کر خطرے سے دور بھی نہ جا سکتے تھے۔ آخر راضی برضا ہو کر سر جھکا لیا اور آگے بڑھے۔

خیمہ گاہ سے چند آدمی نکل کر بڑی تیزی سے حضرت ابن خباب کی طرف بڑھے اور انہیں گھیرے میں لے لیا۔ اونٹنی زمین پر بیٹھ گئی۔ ابن خباب کی بیوی نے محمل کا پردہ سرکا کر دیکھا۔ انہیں بظاہر بزرگ صورتیں نظر آئیں۔ وہ مطمئن ہو گئیں اور محمل کا پردہ گرا دیا۔

بزرگ صورتیں' لانبے لانبے کرتے ٹخنوں تک لہراتے ہوئے' کہنیوں اور پیشانیوں پر نماز کے ڈھٹے' گھٹنے جھاویں کی طرح کھردرے۔ عبد اللہ ابن خباب ایک ایک کا منہ حیرانی سے تک رہے تھے۔

ان میں سے ایک آگے بڑھا اور حضرت ابن خباب کا گریبان پکڑ لیا۔ ابن خباب کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ کیا یہ ڈاکو ہیں' رہزن لٹیرے ہیں۔ صورت سے تو نہیں لگتے۔ ابن خباب دل ہی دل میں سوچ رہے تھے۔ انہوں نے گلے میں لٹکے ہوئے قرآن حکیم کو مضبوطی سے پکڑا۔

حضرت عبد اللہ ابن خباب کا گریبان پکڑنے والا بڑی رعونت سے بولا۔ "میں ہوں امام عبد اللہ بن الکوار۔"

"الحمد اللہ۔ میں بھی کوفہ کی مسجد کا پیش امام ہوں۔" حضرت عبد اللہ ابن خباب نے جلدی اپنا تعارف کرایا۔

ابن الکوار نے کلام پاک کو کھینچتے ہوئے کہا۔ "تمہارے گلے میں یہ جو قرآن ہے یہ تمہارے قتل کا حکم دیتا ہے۔"

"بھائی' میں بھی مسلمان ہوں۔" اب خباب نے لجاجت سے کہا۔ "میرا نام عبداللہ بن خباب ہے۔"

ابن الکوار نے ایک شیطانی قہقہہ بلند کیا اور لانبا دامن ہوا میں لہرا کر بولا۔ "اچھا کوئی مستند حدیث سناؤ جو تم نے اپنے باپ سے سنی ہو۔" ابن الکوار کا لہجہ انتہائی تحقیر آمیز اور سوقیانہ تھا۔

حضرت ابن خباب نے ایک لمحہ غور کیا پھر کہا۔ "میرے باپ نے سنایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔ "ایک ایسا فتنہ نمودار ہو گا جس میں آدمی کا دل مرجائے گا جیسا کہ اس کا بدن مرجاتا ہے۔ انسان رات کو مومن سوئے گا اور صبح کو کافر اٹھے گا۔ ایسے فتنے میں مقتول ہونا قاتل نہ ہونا۔"

ابن الکوار نے منہ بنایا اور بولا۔ "اچھا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"

"دونوں قابل احترام اور بزرگ خلیفہ تھے۔" حضرت ابن خباب نے سنبھل کر اطمینان سے جواب دیا اور اپنا گریبان چھڑا لیا۔

"تم حضرت عثمانؓ کے ابتدائی عہد کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" ابن الکوار نے پوچھا۔

"وہ بہترین عہد تھا۔" ابن خباب نے مختصر جواب دیا۔

"اور علیؓ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" ابن الکوار کا انداز بھونڈا اور مہذب سے گرا ہوا تھا۔

ابن خباب کے دل کو دھکا سا لگا کیونکہ ابن الکوار نے حضرت علیؓ کا نام بغیر کسی القاب کے بڑی بدتمیزی سے لیا تھا۔ انہوں نے پیش قدمی کے طور پر کمر میں لگی ہوئی تلوار پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور پھر متانت سے بولے۔ "اے ابن الکوار' حضرت علی کرم اللہ وجہہ تمہارے مقابلے میں کتاب اللہ کو زیادہ سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔"

"بس تم راہ ہدایت سے دور ہو گئے۔ تمہارا قتل ضروری اور جائز ہے۔" یہ کہتے ہوئے ابن الکوار اور اس کے ساتھی ابن خباب پر ٹوٹ پڑے۔ ابن خباب تلوار بھی نہ نکال سکے۔ ان دشمنان اسلام نے جو دراصل سبائیوں کے چیلے تھے۔ ابن خباب کو گھسیٹنا شروع کر دیا۔ کسی نے ہاتھ پکڑے' کسی نے پیر تو کسی نے گردن۔ وہ ابن حباب کو کھینچ کر نہر کی طرف لے چلے۔

ابن حباب نے اسی حال میں چیخ کر کہا۔ "اے بیوی تو اپنی فکر کر میں تو راہ حق میں قربان ہونے چلا۔"

ابن خباب کی بیوی محمل کے اندر اطمینان سے بیٹھی آنے والے بچے کے تصور میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پیارے شوہر کی آواز کان میں پڑی تو پردہ کھینچ' چیخ مار کر محمل سے باہر آگئی۔ کمر سے خنجر نکالا اور بے تحاشہ ادھر بھاگی جدھر ظالم اس کے شوہر کو لئے جا رہے تھے مگر آخری مہینہ' ایک ایک قدم اٹھانا مشکل تھا نہ کہ بے تحاشا بھاگنا' غریب تھوڑی ہی دور دوڑی تھی کہ چکرا کر گری اور بے ہوش ہو گئی۔

وہ بے دین اب خباب کو گھسیٹتے ہوئے نہر کے کنارے لے گئے۔ قرآن حکیم ان کے ساتھ ساتھ گھسٹ رہا تھا۔ کبھی زمین پر کبھی اور اوپر۔ پھر محرز بن خنیس اور شعث بن راسی نے ان کے ہاتھ اور مسعد بن فدکی اور اشعث بن قیس فدکی نے ابن خباب کے دونوں پیر پکڑ کر انہیں زمین پر پچھاڑ دیا۔ ابن خباب چت پڑے تھے ان کی نظریں آسمان کی طرف تھیں۔ سینے پر عبد اللہ بن الکوار سوار ہو گیا۔ اس نے خنجر بلند کر کے ابن خباب پر بھرپور وار کیا۔ خنجر دل میں اتر گیا۔ ابن خباب نے اف بھی نہ کیا۔ زبان ضرور حرکت میں تھی۔ کلمہ طیبہ کے ورد میں زبان اس وقت تک حرکت کرتی رہی جب تک روح قفس عنصری سے نکل کر عالم بالا کی پہنائیوں میں گم نہ ہو گئی۔ سینے سے خون کا فوارہ نکلا اور خون لکیر بناتا نہر کے پانی میں سرخی کی آمیزش کرنے لگا۔

مرتدوں کا دل اب بھی ٹھنڈا نہ ہوا۔ تمام قاتل اس وقت تک نہر کے کنارے کھڑے رہے۔ جب تک ابن خباب کی لاش سرد نہ پڑ گئی۔ پھر وہ واپس ہوئے اور ان

جگہ آئے جہاں ابن خباب کی عفت کی پیکر بیوی غش کھا کے گری تھی۔

ان قاتلوں کے ساتھ عبداللہ بن وہب بھی تھا۔ ابن خباب کی عزت مآب زوجہ چت پڑی تھیں۔ ابن وہب نے تلوار کی نوک سے ان کے پیٹ پر پڑے دامن قمیص کو اوپر کی طرف الٹ دیا۔ پیٹ عریاں ہو گیا۔ ایک ننھی سی جان باہر آنے کے لئے پھڑک رہی تھی۔ ظالم ابن الکوار نے ایک بار پھر شیطانی قہقہہ بلند کیا اور ابن وہب کو اشارہ کیا۔ ابن وہب نے تلوار کی انی پیٹ میں اتار دی۔

ابن خباب کی زوجہ نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں۔ ابن الکوار نے اپنا پیر ان کی گردن پر رکھ کر پورا بوجھ ڈال دیا۔

پیٹ چاک ہو چکا تھا معصوم ذی روح دنیا میں آگیا مگر اس طرح کہ وہ ابن وہب کی تلوار میں چھدا ہوا تھا۔ تلوار اس کے حلقوم میں الجھی تھی اور ابن وہب اس تلوار کو ہوا میں اٹھائے لہرا رہا تھا۔ اس طرح زمین پر ماں نے آخری ہچکی لے کر جسم خاکی کو چھوڑا تو اس طرف تلوار میں لٹکے ہوئے بچے نے ایک خفیف سی حرکت کر کے اس دنیا کو دیکھنے سے پہلے ہی خیرباد کہہ دیا۔

ماں کی روح نے بچے کی روح کا فضاؤں میں استقبال کیا۔ بچہ حوروں کی آغوش میں تھا آغوش مادر وا ہوئی اور بچہ آغوش حوراں بہشتی سے آغوش مادر میں آگیا۔ ہوائیں چیخ اٹھیں۔ فضائیں کانپنے لگیں اور جب یہ روحیں عرش اعلیٰ کی طرف محو پرواز ہوئیں تو فرشتوں میں بھاگ دوڑ مچ گئی۔ عبد اللہ ابن خباب کی روح پہلے ہی فریاد کناں تھی۔ عرش اعلیٰ تھرانے لگا۔

○

کہتے ہیں کہ شہیدوں کے خون کی زبان ہوتی ہے۔ یہ خون باتیں کرتا ہے۔ شہید بھی تو آخر زندہ ہوتے ہیں چنانچہ تین شہیدوں کا یہ خون یکجا ہوا اور اپنی داستان بیان کرنے کے لئے بے چین ہو گیا۔

ایک تیز رفتار سوار جو خارجیوں کی تلاش میں کوفہ سے آ رہا تھا۔ اس کا گزر اس رکی طرف سے ہوا۔ خون شہیداں نے اسے آواز دی۔ سوار کا گھوڑا بھڑکا۔ اس

نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ سوار نے گھوڑے کو قابو میں لانے کی لاکھ کوشش کی مگر وہ بے قابو رہا۔ وہ قابو میں کیسے آتا۔ خون شہیداں کی پکار اس کے کانوں کے پردے سے ٹکرا گئی تھی۔ سوار کے ہاتھ سے لگام چھوٹ گئی اور گھوڑا اسے حضرت ابن خباب کی لاش پر لے آیا۔ سوار نے لاش دیکھی تو کانپ اٹھا۔ وہ صحابی رسولؐ حضرت ابن خباب کو پہچانتا تھا۔ سوار نے اتر کر ابن خباب کے جسد خاکی کو کھینچ کر ایک گڑھے میں دفن کیا اور گھاس پھوس اور پتھروں سے ڈھانپ دیا پھر وہ گھوڑے پر بیٹھا اور چاہا کہ کوفہ واپس چلے مگر منہ زور گھوڑا اب بھی باغی تھا۔

سوار نے گھوڑے کی راسیں ڈھیلی کر دیں۔ گھوڑا اپنے سوار کو لئے ادھر سے گزرا جہاں زوجہ حضرت ابن خباب اور معصوم نوزائیدہ کے لاشے پڑے تھے۔ اندھیرے کی وجہ سے کچھ صاف دکھائی نہ دیتا تھا۔ سوار گھوڑے سے اتر پڑا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دور پر اسے دونوں لاشیں مل گئیں۔ وفادار ناقہ دونوں لاشوں کے درمیان بیٹھا جگالی کر رہا تھا۔ سوار نے ان لاشوں کو بھی کسی نہ کسی طرح دفن کیا۔ پھر اس نے ناقے کی رسی گھوڑے کی زین میں باندھی اور آگے بڑھا۔

آگے چراغاں ہو رہا تھا۔ خارجیوں نے خیموں کا شہر بسا لیا تھا۔ جسر نہرواں کا پورا علاقہ خیموں کے احاطے میں تھا۔ ہر خیمے کے آگے آگ روشن تھی اور اندر چراغ ٹمٹما رہے تھے۔ سوار کا سفر ختم ہو گیا۔ وہ انہی خارجیوں کی تلاش میں بھیجا گیا تھا۔ خارجیوں کی چیرہ دستیوں کی خبریں حضرت علی کرم تک پہنچ رہی تھیں۔ وہ سخت متفکر تھے۔ خارجیوں کا صحیح مستقر معلوم کرنے کے لئے انہوں نے کئی سوار مختلف سمتوں میں روانہ کئے تھے۔ یہ سوار ان میں سے ایک تھا۔

سوار اب خون شہیداں کی کہانی سمجھ چکا تھا۔ اس کہانی کی کڑیاں خود بخود جڑتی چلی گئیں۔ پوری داستان مکمل ہو گئی۔ اس نے اپنا گھوڑا موڑا اور کوفہ کی طرف واپس ہوا۔

ریگ زار عرب، شمع اسلام کی کرنوں سے منور ہوا تو یہودیوں کے وقار کا بھی خاتمہ ہو گیا ان میں مسلمانوں سے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے زیر

زمین رہ کر اپنی سازش کا جال پھیلایا۔ یہودیوں کا سرغنہ ملک یمن کا ایک عیار لیکن بڑا عالم فاضل یہودی تھا۔ وہ ایک مسلمان عالم کا روپ دھار کر عہد عثمانؓ میں مدینہ آیا اور مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اس نے مسلمانوں کی کمزوریوں سے واقفیت حاصل کی۔ پھر اپنی خفیہ جماعت قائم کر لی۔ یہ شخص آئندہ چل کر عبد اللہ ابن سبا کے نام سے مشہور ہوا۔

تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا یہی عبد اللہ بن سبا تھا جس کی جماعت نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا۔ اس جماعت نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کے مقابل لا کر ہزاروں آدمیوں کو شہید کرا دیا۔ اس جماعت کا مقصد ہی مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا تھا۔ یہ لوگ وقت اور موقع کے ساتھ ساتھ اپنے اصول اور نعرے بدلتے رہتے تھے۔ کبھی یہ خارجی کہلاتے، کبھی معتزلہ تو کبھی قرامطہ' یہ تمام فتنے اسی عبد اللہ بن سبا کے پیدا کئے ہوئے تھے۔ جسر نہرواں پر حضرت ابن خباب ان کی زوجہ اور نوزائیدہ بچے کی شہادت اس جماعت کے سرپھروں کے ہاتھوں ہوئی تھی جو اپنے آپ کو خارجی کہتے تھے یا کہے جاتے تھے۔

کوفہ میں حضرت امیرالمومنین علی کرم کا دربار لگا ہوا تھا۔ حضرت علی کرم نے مدینہ منورہ سے کوفہ کو دارالخلافہ منتقل کر لیا تھا کیونکہ یہ مقام اسلامی ریاست کے وسط میں تھا۔ دربار خلافت میں سناٹا تھا۔ ہر چیز اداس اور نظر پریشان تھی۔ خود حضرت علی کرم سر جھکائے کچھ سوچ رہے تھے۔ قبیلہ طے کے دو فریادی دربار خلافت میں دست بستہ موجود تھے۔ جناب امیر ان کی فریاد سن چکے تھے۔ اب ہر ایک نظر اپنے قائد، اپنے خلیفہ پر لگی تھی۔

حضرت علی کرم نے کسی گہری فکر سے سر اٹھایا اور فرمایا۔ "فریادیو! کیا تمہیں یقین ہے کہ اسلام کی بیٹیوں کی بے حرمتی اور قتل کے ذمے دار ہماری فوج سے خارج ہونے (خوارج) والے لوگ تھے۔"

ایک بوڑھے آدمی نے جس کے آنسو اب تک رواں تھے بڑے پردرد لہجے میں کہا۔ "اے امیر۔ ہم آپ سے دروغ بیانی کس طرح کر سکتے ہیں۔ میری دونوں بیٹیوں

کو خوارج ہی نے قتل کیا ہے۔ آپ میرے بیٹے سے پوچھ سکتے ہیں۔"

بوڑھے نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے جوان کی طرف اشارہ کیا۔ جوان نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا۔ اس کے ہاتھ کا اگلا حصہ کہنی تک کٹا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "یا امیر المومنین! جنگ صفین میں' میں آپ کے لشکر میں تھا۔ میرا یہ ہاتھ اسی لڑائی میں کٹا ہے' میں نے قاتلوں کو پہچان لیا تھا۔ وہ آپ کے لشکر کے وہ لوگ ہیں جو آپ سے ناراض ہو کر صفین سے واپسی کے وقت آپ سے الگ ہو گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان قاتلوں میں بنی رباب کا شجنہ بھی شامل تھا۔"

اس وقت دربار خلافت میں ایک ادھیڑ عمر فورا" اپنی جگہ کھڑا ہوا اور چیخ کر بولا "یا امیرالمومنین! یہ جھوٹا ہے۔ میں نے تو کوفہ سے قدم تک نہیں نکالا۔ یہ مجھ پر غلط الزام لگا رہا ہے۔ امیر کے باغیوں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

قبیلہ بنی رباب کے شجنہ نے بڑی دلیری سے قبیلہ طے کے دست بریدہ جوان کو جھٹلانے کی کوشش کی۔ حالانکہ یہ بدبخت خارجیوں کے اس گروہ میں شامل تھا جس نے قبیلہ طے کی عورتوں پر حملہ کیا تھا۔ قبیلہ طے کی عورتیں حسب معمول آبادی کے قریب ایک چشمے پر پانی بھرنے گئی تھیں۔ خارجیوں کا ایک گروہ ادھر آ نکلا۔ وہ پانی کی تلاش میں تھے۔ چشمے پر پہنچ کر انہوں نے پانی پینا چاہا۔ ان کی بزرگ صورت دیکھ کر خواتین اسلام نے انہیں اپنے برتنوں سے پانی پلانے کی پیش کش کی لیکن انہوں نے عورتوں کو کافر اور بے دین کہہ کر ان کے برتنوں میں پانی پینے سے انکار کر دیا۔ عورتیں اس بات کو برداشت نہ کر سکیں اور ان کا جھگڑا ہو گیا۔ خارجیوں کے گروہ نے عورتوں پر حملہ کر دیا۔ عورتوں نے اپنی چھاگلوں سے ان کا مقابلہ کیا مگر تلواروں سے کیسے مقابلہ ہو سکتا تھا۔ اس کش مکش میں کئی عورتیں شہید ہو گئیں اور بہت سی زخمی ہوئیں' جب تک مردان کی مدد کو پہنچیں یہ گروہ مرتدین بھاگ کھڑا ہوا۔

حضرت علی کرم کو قبیلہ بنی رباب پر پہلے ہی شبہ تھا۔ انہیں خبر دی گئی تھی کہ یہ قبیلہ خوارج سے تعلق رکھتا ہے اور کوفہ میں شجنہ کا مکان خارجیوں کا مرکز ہے۔ حضرت علی کرم نے شجنہ سے سختی سے پوچھ گچھ کی مگر انہیں کوئی عینی شہادت نہ مل

سکی۔ اس لئے وہ شجنہ کو سزا نہ دے سکے۔

ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ تیز رفتار ہرکارہ جسے خوارج کا پتہ لگانے پر مامور کیا تھا۔ معہ ایک اونٹنی' گھوڑا بھگاتا دربار امیر میں پہنچ گیا۔ وہ گھوڑے سے اترا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ کسی کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا ہوا ہے اور آنے والا کیوں رو رہا ہے لیکن وہ ایسی آہ و زاری کر رہا تھا کہ دیکھنے والے بھی آبدیدہ ہو گئے۔ ہر آنکھ پرنم ہو گئی اور بعض تو اس کے ساتھ رونے لگے۔

جب اس کا رونا کچھ کم ہوا تو حضرت علی کرم نے پوچھا۔ "اے کعب' ہمیں بتاؤ تم پر کیا گزری اور تم اس قدر بے قراری سے گریہ کناں کیوں ہو؟"

کعب اس سوار کا نام تھا۔ اس نے گھوڑے کی زین سے لٹکا ہوا ایک خون آلود کپڑا کھینچ کر ہوا میں لہرایا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "امیرالمومنین یہ دیکھئے یہ دوپٹہ' صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ ابن خباب کی زوجہ کا ہے انہیں ظالم خارجیوں نے جسر نہرواں میں بے دردی سے قتل کر دیا۔"

یہ سنا تھا کہ درباریوں کی چیخیں نکل گئیں۔ ایک کہرام مچ گیا۔ حضرت علی کرم کی آنکھیں بھی اشک بار ہو گئیں۔ تھوڑی دیر یہی عالم رہا۔ پھر حضرت امیر نے پوچھا۔ "اے کعب یہ تو بتاؤ کہ حضرت عبد اللہ ابن خباب کہاں ہیں؟"

کعب نے اپنے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یا امیرالمومنین ظالموں نے انہیں بھی شہید کر دیا۔ میری آنکھوں نے جو منظر جسر نہرواں میں دیکھا ہے اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عبداللہ بن خباب کا سینہ خنجروں سے چھلنی تھا۔ ان کی زوجہ کا شکم چاک تھا اور ایک نومولود بچے کی لاش ان کے پاس پڑی تھی بچے کے نازک جسم سے بھی تلوار کی نوک پار کی گئی تھی!!"

کعب بیان کر رہا تھا اور دربار میں کہرام مچا ہوا تھا۔ لوگ اتنی زور زور سے رو رہے تھے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ہر ایک شدت غم سے پچھاڑیں کھا رہا تھا۔ دربار سے نوحہ غم و الم اس قدر بلند ہوا کہ اس کی آوازیں باہر تک پہنچیں اور لوگ بھاگ کر دربار میں جمع ہوئے۔ جوں جوں مجمع بڑھتا جاتا تھا اسی قدر شور

بڑھ رہا تھا۔ کوفے کی عورتوں کو جب حضرت ابن خباب ان کی زوجہ اور معصوم بچے کی شہادت کی خبر ملی تو ان کی چیخ و پکار اور آہ و زاری سے تو زمین و آسمان ہل گئے حضرت ابن خباب اور ان کی زوجہ کے خاندان والوں کا تو حال دیکھا نہ جاتا تھا۔ در امیر اور شہر میں کئی گھنٹے تک ماتم ہوتا رہا۔ حضرت علی کرم اس قدر روئے کہ ر مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

پھر دربار میں ہر طرف انتقام' انتقام کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جوانوں کا خون ہو گیا۔ انہوں نے تلواریں بے نیام کر لیں اور حضرت امیر سے انتقام کی درخوا کی۔ حضرت علی کرم کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر ان جوانوں پر قابو نہ پایا گیا تو یہ کوئی قدم اٹھالیں گے۔ سب سے زیادہ خدشہ اس بات کا تھا کہ خارجیوں کے بہت سے و اقارب کوفہ میں موجود تھے ان کی حفاظت حضرت امیر پر فرض تھی کیونکہ وہ بے خطا تھے اور جب تک ان کا تعلق خارجیوں سے ثابت نہ ہوتا انہیں نہ تو سزا جا سکتی تھی اور نہ ان کی حفاظت سے چشم پوشی کی جا سکتی تھی۔

یہی بات حضرت امیر کے ساتھیوں کو بھی شدت سے پریشان کر رہی تھی۔ قعقاع بن عمرو نے بہت سوچ سمجھ کر کہا۔ "یا امیرالمومنین! میرا خیال ہے کہ وقت خارجیوں کے فتنے کو ختم کرنے کی طرف پہلے توجہ کی جانی چاہیے۔"

یزید بن قیس نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ "یا امیرالمومنین' ہم آپس لڑائی تو بعد میں بھی لڑ سکتے ہیں لیکن اس وقت خارجیوں نے جو اودھم مچا رکھا ہے کا خاتمہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔"

حضرت امیر ابھی کوئی جواب نہیں دینے پائے تھے کہ عدی بن حاتم طائی نے کھولے۔ عدی اسی قبیلہ کا سردار تھا جس کی خواتین کی خوارج نے بے حرمتی کی اور کئی ایک کو قتل کر دیا تھا۔ اس نے کہا۔ "یا امیرالمومنین' اگر ہم ان خوارج کو کئے بغیر آگے روانہ ہو گئے تو یہ ظالم ہمارے گھروں کو لوٹ لیں گے' عورتوں' بچوں قتل کر دیں گے۔ میں امیرالمومنین سے درخواست کرتا ہوں کہ پہلے ان مرتدوں خاتمہ کیا جائے۔"

ابھی حضرت علی کرم اور حضرت معاویہؓ کے دل صاف نہ ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی اپنی فوجوں کو از سر نو آراستہ کر لیا تھا۔ مختلف صوبوں کے گورنروں کو فوج بھجوانے کا حکم بھی دیا تھا۔ کچھ فوجیں آ بھی چکی تھیں اور یہ سلسلہ جاری تھا۔ مگر ہوتا وہی ہے جو قدرت کو منظور ہوتا ہے۔ صفین کے میدان میں حضرت علی کرم اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جو خون ریز جنگ ہوئی تھی اس میں دونوں طرف کے ہزاروں آدمی شہید ہوئے تھے ظاہر ہے کہ یہ سب مسلمان تھے۔ ان میں بڑے بڑے صحابی بھی تھے۔ چنانچہ اب قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ مسلمان پھر آپس میں ٹکرائیں۔

قبیلہ طے کی خواتین کی بے حرمتی اور شہادت اور اب صحابی رسولؐ حضرت عبد اللہ ابن خباب اور ان کی بیوی بچے کا بیہمانہ قتل ایسا نہ تھا کہ حضرت امیر اسے نظرانداز کرتے۔ ان کا دل بھی اوروں کی طرح خون کے آنسو رو دیا۔ بلکہ ان کو تو اور زیادہ غم تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے اور رعیت کی مال و جان کی حفاظت کرنا ان کا فرض تھا۔

امیرالمومنین حضرت علی کرم نے کئی گھنٹے بڑے کرب میں گزارے تھے۔ لوگوں کی گریہ و زاری' قبیلہ طے کی خواتین کی شہادت' صحابی رسولؐ اور ان کے اہل و عیال کی بربادی اور اب ان کے رفقا کی درخواست۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں جس نے جناب امیر کو بہت متاثر کیا۔ لوگ منتظر تھے کہ امیرالمومنین اپنی زبان سے کچھ ارشاد فرمائیں تاکہ ان کے دلوں کو تسلی ہو۔ ظالموں کو سزا ملے اور مظلوموں کی داد رسی ہو۔

حضرت علی کرم نے بڑے غور و خوض کے بعد فرمایا۔ "اے مظلوم مسلمانو! تم نے مجھے خلیفہ بنایا تاکہ میں اسلام کی حفاظت کروں اور دین کو دنیا میں پھیلاؤں۔ تم نے مجھے خلیفہ بنایا کہ میں مظلوم کو ظالموں سے چھٹکارا دلاؤں۔ تم نے مجھے امیر بنایا کہ میری اور لشکر اسلام کی تلواریں ان کا قلع قمع کریں جو اسلام سے انحراف کریں۔ میرا فرض ہے کہ میں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کروں۔ رعیت کے جان و مال اور عزت و آبرو پر حرف نہ آنے دوں۔ میرے رفقا کی بھی یہی رائے ہے۔ میں مظلوموں

کے غم میں برابر کا شریک ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ میں نے تم سب کے مشور سے شام کی مہم ملتوی کی۔ کیونکہ اس وقت شام کی مہم سے پہلے خوارج کا خاتمہ ک زیادہ ضروری ہے۔ اس فتنے کا سر اگر فوراً نہ کچلا گیا تو دین اسلام اور مسلمانوں ک سخت نقصان پہنچے گا۔ تم کو جو کہنا تھا وہ تم نے کہہ دیا اور مجھے جو کہنا تھا وہ میں نے بیان کر دیا۔ اپنے اپنے گھروں کو جاؤ اور خدا سے دعا کرو کہ وہ لشکر اسلام کو ان نا سمجھ بے دینوں کے مقابلے پر کامیاب کرے۔"

حضرت علی کرم کے اس خطبے اور اعلان سے لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اپنے گھروں کو خاموشی سے واپس چلے گئے۔ حضرت امیر کے رفیق اور ساتھی بھی بہت خوش تھے کہ امیرالمومنین نے ان کی درخواست قبول کر لی۔

اب شام کی طرف جانے کے بجائے حضرت علی کرم کے لشکر نے خارجیوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضرت علی کرم نے دربار برخاست کر دیا۔ جب سب لوگ چلے گئے اور صرف ان کے پاس خاص خاص رفقاء رہ گئے تو حضرت علی کرم نے کعب کو اپنے پاس بلایا جسے جانے سے روک لیا گیا تھا۔

کعب' حضرت علی کرم کے پاس آ کر ادب سے بیٹھ گیا۔ یہ دربار خلافت تھا۔ نہ تخت و تاج' نہ صوفے نہ کرسیاں' معمولی سا دری چادر کا فرش۔ اسی پر امیر اور ای فقیر' سب ساتھ ساتھ بیٹھتے تھے۔ باہر سے آنے والا اگر ناواقف ہو تو وہ خلیفہ کو پہچان ہی نہیں سکتا تھا۔

کعب قریب آ کر بیٹھا تو حضرت امیر نے دریافت کیا۔ "کعب' یہ واقعہ کہاں پیش آیا؟"

"علاقہ جسر نہرواں میں۔ نہر کے کنارے۔" کعب نے ادب سے جواب دیا۔ "حضرت عبداللہ بن خباب کو نہر کے کنارے شہید کیا گیا اور ان کی زوجہ اور بچے کی لاشیں' نہر سے کچھ فاصلے پر پتھروں اور جھاڑیوں کے پاس پڑی تھیں۔"

"تم نے ان لاشوں کو کیا کیا؟" حضرت امیر نے بے چینی سے پوچھا۔

کعب سمجھ گیا کہ امیر کو لاشوں کی بے حرمتی کا خیال پریشان کر رہا ہے۔ اس نے کہا۔ "یا امیرالمومنین۔ میں مسلمان ہوں۔ لاشوں کی بے حرمتی۔ میں کیسے ہونے دیتا۔ میں نے تینوں لاشوں کو پتھروں جھاڑیوں میں دفن کر دیا۔"

حضرت امیر نے ایک لمبی سانس لی۔ جیسے انہیں اطمینان ہو گیا پھر انہوں نے پوچھا۔ "تم خارجیوں سے ملے تھے۔ ان کی تعداد کتنی تھی؟"

کعب کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "ان کی صحیح تعداد کا تو صرف اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ میں نے ان سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ پہلے میں نے چاہا کہ ان سے مل کر اس قتل کی وجہ دریافت کروں لیکن پھر اس خیال سے میں نے ارادہ ملتوی کر دیا کہ اگر میں بھی ان کے ہاتھوں مارا گیا تو دربار خلافت تک خبر لے کر کون آئے گا۔"

"تم نے اچھا ہی کیا۔" جناب امیر بولے۔ "پھر تمہیں اندازہ کیسے ہوا کہ وہ خارجی تھے۔"

"یا امیرالمومنین۔" کعب نے بتایا "میں نے حد نظر تک خیمے ہی خیمے دیکھے۔ اندر شمعیں روشن تھیں اور باہر الاؤ جل رہے تھے۔ میں آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچا میں نے شعث بن راسی اور محرز بن خنیس ا کو خیموں سے باہر ٹہلتے دیکھا۔"

"تم نے ٹھیک اندازہ لگایا۔" حضرت علی کرم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں اس گروہ میں شامل ہیں جو ہمارے لشکر سے الگ ہو گیا تھا۔"

حضرت علی کرم کے رفقاء بڑے غور سے یہ گفتگو سن رہے تھے۔ جب یہ خاموش ہوئے تو قعقاع بن عمرو بولے۔ "یا امیرالمومنین یہ لوگ کس قدر خودسر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے صحابی رسولؐ کو شہید کر دیا۔ انہیں کوئی خوف نہیں آیا؟"

"قعقاع۔" حضرت علی کرم نے فرمایا۔ "یہ لوگ دین کے دشمن ہیں۔ ان کا سر کچلنا ہمارا فرض ہے۔"

○

شجنہ قبیلہ بنی رباب کا ایک اہم سردار تھا۔ جنگ صفین کے بعد جب خارجیوں کا گروہ پیدا ہوا تو **شجنہ** اس میں شامل ہو گیا۔ اس کے بیٹے اور بیٹی نے بھی خارجی عقیدہ اختیار کر لیا۔ **شجنہ** کی جوان بیٹی قطامہ اپنے حسن و جمال میں لاجواب تھی۔

کوفہ اور اطراف کوفہ کے کتنے ہی جوان اس کے خواہش مند تھے۔ لیکن یہ مغ حسینہ کسی کو منہ نہ لگاتی۔ بڑے بڑے رئیس زادوں کے پیغام اس نے ٹھکرا دیئے اسے اپنے حسن پر بجا طور پر ناز تھا۔ اس جیسی خوبصورت لڑکی پورے کوفہ میں موجو نہ تھی۔

قطامہ کی اہمیت اس وقت اور بڑھ گئی جب اس کے باپ شجنہ کو سبائیوں ک خفیہ تنظیم کا کوفہ میں ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اس تنظیم کا بانی عبداللہ ابن سبا اس وقت مصر میں موجود تھا۔ شجنہ روز اول ہی سے حضرت علی کرم کے خلاف تھا۔ جب ا پتہ چلا کہ عبداللہ ابن سبا نے حضرت علی کرم کے خلاف کوئی تنظیم قائم کی ہے تو فوراً" مصر گیا اور ابن سبا سے ملاقات کی۔ ابن سبا بھی ایک بار خفیہ طور پر کوفہ آ تھا۔ اس نے کئی دن شجنہ کے مکان میں قیام کیا۔ اس قیام کے دوران ابن سبا نے اپنی تنظیم کی ایک شاخ کوفہ میں قائم کی اور شجنہ کو اس کا ناظم بنا دیا۔

ابن سبا نے قطامہ کو دیکھا تو اس کے حسن کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ ابن سبا یم کا رہنے والا تھا۔ یمن کی عورتیں بڑی خوبصورت ہوتی ہیں لیکن قطامہ کو دیکھ کر یمنی عورتوں کا حسن بھول گیا۔ اس نے قطامہ سے باتیں کیں تو اسے معلوم ہوا کہ حسینہ ذہانت اور فطانت کے زیور سے بھی آراستہ ہے۔ اس کی دلچسپی قطامہ میں بڑ گئی۔ ابن سبا اس تنظیم کا امام تھا۔ اگر ابن سبا قطامہ کے حصول کی کوشش کرتا اسے ناکامی نہ ہوتی۔ قطامہ خود بھی چاہتی تھی کہ اس کا جیون ساتھی کوئی ایسا ہو ج کا دنیا میں نام ہو اور اس کے حسن کی قدر کرے لیکن ابن سبا بڑا مکار اور دور اندیش تھا۔ اس نے قطامہ کی اس کے باپ شجنہ کے سامنے بہت تعریف کی اور پھر اس زبان سے نکلا کہ یہ لڑکی کوئی ایسا کام ضرور کرے گی جس سے تاقیامت اس کا نام ز رہے گا۔ پتہ نہیں ابن سبا نے کیا سوچ کر یہ کہا تھا۔ اس کے ذہن میں یقیناً" کو بات تھی۔

ابن سبا واپس چلا گیا۔ قطامہ کچھ مایوس ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ ابن سبا پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کر لے گا مگر ابن سبا نے اسے مایوس کر دیا۔ ابن

وہ پہلا آدمی تھا جس نے قطامہ سے مل کر اس کی خواہش نہ کی۔ قطامہ کو مایوسی تو ہوئی لیکن ابن سبا کے اس رویے سے قطامہ کے دل میں ابن سبا کی وقعت اور عزت بڑھ گئی۔ اس نے سوچا کہ ابن سبا واقعی امام ہے۔ اس مایوسی کے باجود قطامہ ابن سبا کے اس اعلان سے بہت خوش ہوئی کہ اس کے ہاتھ کوئی ایسا کام ہو گا جو تاریخ کے صفحات میں درج ہو کر قیامت تک موجود رہے گا۔ وہ کام کیا تھا' قطامہ اس کے لئے بے چین تھی۔

حضرت علی کرم کے اس فیصلے سے کہ وہ پہلے خارجیوں کو ختم کریں گے اس کے بعد شام جائیں گے' شجنہ کو بڑا دکھ ہوا۔ ابن سبا کا پیروکار اور خارجیوں کی تنظیم کوفہ کا ناظم شجنہ تو یہ چاہتا تھا کہ حضرت علی کرم شام جا کر حضرت امیر معاویہؓ سے جنگ کریں تاکہ خارجی اس سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیں لیکن اس فیصلے سے شجنہ کے ارادوں پر اوس پڑ گئی۔

وہ گھر آیا تو اداس اداس تھا۔ قطامہ نے باپ کو پریشان دیکھا تو پوچھا۔ "کیا ہوا ابا جان آپ اس قدر فکرمند کیوں ہیں؟"

شجنہ نے چاہا کہ وہ ٹال دے مگر اسے قطامہ سے بڑی محبت تھی۔ اپنے بیٹے سے بھی زیادہ۔ وہ بات کو ٹال نہ سکا اور افسردگی سے بولا۔ "قطامہ بیٹی۔ میری فکرمندی کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ بھرے دربار میں قبیلہ طے کے دو آدمیوں نے مجھے طے کی عورتوں کا قاتل ٹھہرایا۔"

قطامہ گھبرا گئی اس نے فوراً" پوچھا۔ "پھر آپ کیسے بچ گئے علی کرم کے پرستار تو آپ کے دشمن ہو گئے ہوں گے؟" خارجی حضرت علی کرم کا نام بغیر کسی القاب کے لیا کرتے تھے۔

"بس قسمت تھی کہ بچ گیا۔" شجنہ نے کہا۔ "اگر آج میں دربار میں نہ ہوتا تو طے کی عورتوں کے قتل کے الزام میں مجھے پکڑ کر قتل کر دیا جاتا لیکن میں صاف مکر گیا۔ میری دربار میں حاضری میرے کام آئی۔ الزام لگانے والوں کی بات کا کسی کو یقین نہیں آیا۔ حالانکہ جب میں عورتوں کو قتل کر کے فرار ہوا تو میرا سامنا انہی دو

آدمیوں سے ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے اچھی طرح پہچان لیا تھا۔"

قطامہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر بولی "اور اداسی کی دوسری وجہ کیا ہے ابا جان؟"

"دوسری وجہ یہ ہے کہ علی کرم کا لشکر شام جا کر معاویہؓ سے لڑنے کے بجائے اب ہم خارجیوں سے مقابلے کے لئے تیار ہو رہا ہے۔" شجنہ نے بیٹی کو تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "ایک سوار نے آکر دربار میں بتایا کہ صحابی رسولؐ عبداللہ بن خباب' ان کی بیوی اور نومولود بچے کو ہمارے ساتھیوں نے قتل کر دیا ہے۔"

"لیکن ابا جان معصوم بچے نے کیا کیا تھا۔" قطامہ نے الجھتے ہوئے کہا۔ "ہمارا مقصد تو بے دین مسلمانوں کو تباہ کرنا ہے۔"

شجنہ زہرخند کیا۔ "بیٹی قطامہ مجھے تیری عقل پر افسوس ہوتا ہے۔ امام عبداللہ بن سبا نے تیرے متعلق پشین گوئی کی ہے کہ تیرا نام تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ جگمگاتا رہے گا اور تیری نادانی کی یہ کیفیت ہے۔ کیا تو نہیں جانتی کہ سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوا کرتا ہے۔ معاویہؓ اور علی کرم دونوں ہم سچے مسلمانوں کے لئے سانپ ہیں۔ ان کے پیروکار اور ہمدرد بھی سانپ ہیں ہمیں ان کی نسل ختم کرنا ہے۔ عورتوں اور بچوں سے نسل بڑھتی ہے پھر انہیں کیوں زندہ چھوڑا جائے۔"

قطامہ کی سمجھ میں باپ کی بات کچھ اس طرح آئی کہ انسانی ہمدردی کی جو رمق اس کے ذہن کے گوشے مین موجود تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ اس نے کہا۔ "لاریب ابا جان۔ آپ نے درست فرمایا۔ ان سب کا خاتمہ ہمارے سچے دین کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔"

شجنہ نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولا۔ "قطامہ تو خود کو اس کام کے لئے تیار کر جو تجھ سے لیا جانا ہے۔ اپنے حوصلے بلند رکھ اور اپنے دین کی سربلندی کے لئے مردانہ وار جدوجہد کر۔"

تھوڑی دیر دونوں خاموش رہے۔ پھر شجنہ نے کہا۔ "میں اس وقت جسر نہرواں جا رہا ہوں تاکہ اپنے امام عبداللہ بن الکوار کو آنے والے خطرے سے آگاہ کروں۔

علی کرم کا لشکر دو ایک روز میں ادھر جانے والا ہے۔"

قطامہ کو گھبراہٹ ہوئی۔ اس نے پوچھا۔ "ابا جان کیا آپ کا خیال ہے کہ جسر نہرواں میں میدان کارزار گرم ہو گا؟"

"کیوں نہیں بیٹی۔" شجنہ بولا۔ "دعا کر کہ تیرے باپ کو شہادت نصیب ہو اور دیکھ اگر میں مارا جاؤں تو گھر میں چوڑیاں پہنے نہ بیٹھی رہنا بلکہ امام ابن سبا سے مل کر فرقہ خارجیہ کے لئے کام کرنا۔ میری روح اس سے خوش ہو گی۔"

قطامہ کی آنکھیں تر ہو گئیں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے باپ سے یہ آخری ملاقات ہے۔ قطامہ نے باپ کے آگے کھانا لا کر رکھا۔ مصر سے آئے ہوئے دو سبائی بھی اس میں شریک ہوئے۔ اس کا گھر سبائیوں اور خارجیوں کا خفیہ اڈا تھا۔ یہاں بڑی بڑی سازشیں تیار ہوتیں اور مسلمانوں کے سروں کے فیصلے کئے جاتے۔

شجنہ سے پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا گیا۔ بظاہر وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھا مگر جانتا تھا کہ اگر جسر نہرواں میں ذوالفقار علی کرم بلند ہو گئی تو خارجیوں کو جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ وہ کھانا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ تلوار لگائی ترکش کاندھے پر لٹکایا اور گھوڑے پر بیٹھ جسر نہرواں چل پڑا۔

قطامہ باپ کو دروازے تک رخصت کر کے واپس آگئی اور مہمانوں کی خاطر و مدارات میں پھر مصروف ہو گئی۔ اس کے یہاں آنے والے مہمان ہوتے تو سبائی یا خارجی تھے لیکن ان میں زیادہ تعداد ان جوانوں کی ہوتی جو قطامہ کے حسن جہاں تاب سے آنکھیں سینکنے کے متمنی ہوتے تھے۔ اسی لئے قطامہ کے گھر روز دو ایک نئے مہمان آتے رہتے۔ قطامہ بھی ان سے بے باکی اور بے تکلفی سے گفتگو کرتی اور جب سے یہ معلوم ہوا کہ اسے دنیا میں کوئی اہم کام کرنا ہے اس وقت سے وہ جوان عمر سبائیوں اور خارجیوں سے اور زیادہ التفات سے پیش آنے لگی تھی کہ پتہ نہیں اسے کس وقت جوانوں کی طاقت کی ضرورت پڑ جائے۔

قطامہ کے اس مصلحت آمیز رویے سے آنے والے ہر جوان کو یہ غلط فہمی ہو جاتی کہ قطامہ اسے پسند کرتی ہے۔ اس لئے اکثر ان کی شوخیاں چھیڑ چھاڑ سے بھی

تجاوز کر جاتیں اور قطامہ کو یہ سب اپنے مستقبل کے لئے برداشت کرنا پڑتا۔

شیب بن نجدہ حروری اور وردان' دو خارجی قطامہ کے پرانے عاشق تھے۔ یہ رہنے والے تو اطراف کوفہ کے تھے لیکن تقدیر آزمائی کے لئے مصر گئے اور عبداللہ بن سبا کی سبائی تنظیم میں شامل ہو کر کئی علمائے اسلام کو قتل کیا۔ اس لئے انہیں ابن سبا کا اعتماد حاصل ہو گیا۔ اب یہاں جنگ صفین کے بعد جب خارجیوں نے زور پکڑا تو ابن سبا کے حکم پر یہ کوفہ آئے اور قطامہ کے مہمان ہوئے۔ ان دونوں کو ابن سبا نے اپنے جاسوسوں کے طور پر بھیجا تھا تاکہ وہ خارجیوں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کر کے مصر پہنچائیں کیونکہ ابن سبا یہودی کا طریقہ یہی تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کی پشت پناہی کرتا اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے انہیں مضبوط کرتا۔

شیب اور وردان نے قطامہ کو دو سال بعد دیکھا تھا۔ اس وقت یہ ایک معصوم کلی تھی اور اب وہ کھلنے کے لئے ایک بے تاب غنچہ تھی۔ شیب اور وردان جاسوسی بھول کر اس کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ قطامہ یوں تو ہر نووارد جوان سے التفات کرتی تھی لیکن ان پر اس لئے زیادہ مہربان تھی کہ یہ مصر سے آئے تھے اور امام ابن سبا کے خاص احباب میں تھے۔ قطامہ ان سے گھنٹوں مصر اور ابن سبا کے حالات سنتی رہتی اور یہ دونوں مزے لے لے کر بیان کرتے رہتے۔ قطامہ کے یہاں کوئی مہمان دو تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرتا تھا لیکن انہیں پورا ایک ہفتہ ہو گیا اور یہ جانے کا نام نہ لیتے تھے۔ شجنہ خارجیوں کا ایک اہم رکن تھا۔ وہ دن بھر اور رات کے بیشتر حصے باہر رہتا۔ اس کا بھائی تو خارجیوں کا ایسا شیدائی تھا کہ اس نے گھر آنا بھی چھوڑ دیا۔ اس وقت بھی وہ جسر نہرواں میں خارجیوں کے ساتھ خیموں میں مقیم تھا۔

ان حالات میں قطامہ گھر میں تنہا رہتی۔ اس کی ماں کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ گھر کے کام کاج سے فارغ ہوتی تو وہ مہمانوں میں آ بیٹھتی۔ خالی اوقات میں بڑی دلچسپ محفلیں جمتیں۔ ہنسی مذاق' لطیفہ گوئی' چھیڑ چھاڑ' سبھی کچھ ہوتا۔ قطامہ ہر قسم کی بے ہودگیوں کی عادی ہو چکی تھی بلکہ اب تو وہ خود ان جوانوں کو شہ دیتی۔ وہ جوانی

کے اس دور میں تھی جب لڑکیوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی تعریف کی جائے۔ وہ تھی بھی تعریف کے قابل۔

شجنہ کے جانے کے بعد حسب معمول محفل گرم ہوئی لیکن آج قطامہ کچھ بجھی بجھی تھی۔ شیب نے اسے خاموش دیکھا تو کہا۔ "یہ آج چاند پر گرہن کیسا۔ خیریت تو ہے؟"

قطامہ نے اپنی بھاری سیاہ پلکوں کو جنبش دی اور ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ "شیب ہماری زندگیوں کا مقصد محض ہنسی مذاق تو نہیں۔ ہمارا فرقہ ہم سے کچھ اور بھی امید رکھتا ہے۔"

باپ بیٹی میں جو گفتگو ہوئی تھی۔ اس سے یہ دونوں بے خبر تھے۔ انہوں نے ایک ہفتے سے گھر سے قدم بھی نہ نکالا تھا۔ پھر انہیں حالات کا کیسے علم ہوتا۔ شیب بن نجدہ نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔ "قطامہ ہم تمہیں افسردہ نہیں دیکھ سکتے اگر کوئی خاص پریشانی ہے تو ہمیں بتاؤ؟"

قطامہ نے شاطرانہ انداز اختیار کیا اور بولی۔ "شیب تم خود کو عبداللہ بن سبا کا پیروکار کہتے ہو اور تمہیں ان کی مصاحبت کا فخر بھی حاصل ہے۔ میرا باپ' میں خود بھی ابن سبا کی معتقد ہوں۔ تم سبائیوں اور ہم خارجیوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ جھوٹے مسلمانوں کو ختم کیا جائے اور سچے مسلمانوں یعنی ہمارے فرقے کے ہاتھ میں طاقت آئے۔" اتنا کہہ کر قطامہ خاموش ہو گئی اور دونوں کے چہروں پر اپنی بات کا رد عمل دیکھنے لگی۔

وردان جو اب تک خاموش تھا بولا۔ "لیکن ان باتوں کے بیان سے تمہارا مقصد کیا ہے۔ ہم نے خارجیوں کی کب مخالفت کی ہے۔ ہم کو اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ خارجیوں کی ضروریات کا پتہ لگائیں اور پھر فیصلہ کریں کہ ہم ان کی کس طرح مدد کر سکتے ہیں۔"

قطامہ نے پھر پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "وردان' خارجیوں کی اہم بات کا پتہ گھر میں بیٹھ کر نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ تمہیں کیا علم کہ جسر نہرواں پر کیا ہونے والا ہے۔

تم تو یہاں بیٹھ کر میری باتوں سے دل بہلاتے ہو اور میں مہمان نوازی سے مجبور ہو کر تمہاری خاطر مدارات کرتی ہوں۔"

اب تو دونوں کے کان کھڑے ہوئے۔ شیب نے بے چینی سے پوچھا۔ "جسر نہرواں پر کیا ہونے والا ہے۔ ہمیں صاف صاف بتاؤ۔"

"جسر نہرواں پر علی کرم اور ہمارے امام عبداللہ بن الکوار کے درمیان میدان کارزار گرم ہو گا۔" قطامہ نے کہنا شروع کیا۔ "ایک طرف بے دین مسلمان اور دوسری طرف خارجی مسلمانوں کا لشکر ہو گا اور اس میں فیصلہ ہو گا کہ سچا کون ہے میرا باپ اس جنگ میں شہادت کی آرزو لے کر گیا ہے۔ میرا بھائی ابن الکوار کا مصاحب خاص ہے۔ اس نے چار ماہ سے گھر کی صورت نہیں دیکھی۔"

وردان کچھ سوچ کر بولا۔ "لیکن اس میں فکر کی کیا بات ہے تمہارے باپ بھائی جنگ میں شریک ہیں۔ تم نے تو سچے دین کا فرض ادا کر دیا۔"

قطامہ کو پھر غصہ آ گیا۔ اس نے بگڑ کر کہا۔ "اے وردان' دین کا حق ہر ایک ہوتا ہے۔ اگر تم لوگ میری مہمان نہ ہوتے تو میں بھی اس جنگ میں شریک ہو کر شہادت حاصل کرتی۔"

یہ سن کر شیب بن نجدہ حروری اور وردان کو پسینے چھوٹ گئے۔ وہ ابھی کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ قطامہ کی گرجدار آواز پھر بلند ہوئی۔ اس نے کہا۔ "شیب بن نجدہ حروری اور وردان کان کھول کر سن لو کہ تم لوگوں سے ہنسنا بولنا اور تمہاری بے جا شوخیوں اور شرارتوں کو نظرانداز کر دینا میری مہمان نوازی کا ایک فریضہ ہے لیکن قطامہ اتنی سستی نہیں۔ قطامہ تک صرف وہی پہنچ سکے گا جس کے پنجوں میں شیر کی فولادی طاقت ہو گی اور جو خون کے دریا میں تیرنا جانتا ہو گا۔ قطامہ کو بزدلوں سے شدید نفرت ہے۔"

رنگ محفل بگڑ گیا۔ شیب بن نجدہ حروری اور وردان کے چہرے فق ہو گئے اور ہوائیاں اڑنے لگیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اشاروں کنایوں میں کچھ باتیں کیں۔ قطامہ کنکھیوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

پھر شیب ایک عزم کے ساتھ اٹھا اور بولا۔ "قطامہ ہم تمہارے خیالات کی قدر کرتے ہیں۔ تم واقعی اک بہادر لڑکی ہو۔ تمہیں بہادروں سے ہی محبت کرنا چاہئے۔ ہمیں اجازت دو ہم جسر نہرواں کی جنگ میں شریک ہو کر تمہارے لگائے ہوئے بزدلی کے داغ کو دھونے کی کوشش کریں۔"

جب شیب بن نجدہ اور وردان ہتھیار لگا' گھوڑوں پر سوار ہو کر جسر نہرواں کی طرف روانہ ہو گئے تو قطامہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے سوچا کہ چلو ان سے پیچھا چھوٹا۔ اگر یہ دونوں جسر نہرواں کی جنگ میں مارے گئے تو مجھے دو بزدلوں سے نجات مل جائے گی اور اگر یہ فاتح ہو کر آئے تو میں اپنے ان عاشقوں سے کوئی اور مفید کام لوں گی۔

خارجی جو اپنے آپ کو سچا مسلمان کہتے تھے مگر حضرت علی کرم کا لشکر چھوڑنے کی وجہ سے وہ جب خارجی مشہور ہوئے تو خود بھی اپنے خارجی کہنے پر فخر کرنے لگے۔ خارجی لشکر امیر کو چھوڑ کر کوفہ سے نکلے تھے تو انہوں نے جسر نہرواں کو اپنا مستقر بنایا تھا اور پھر مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ کہتے تو یہ تھے کہ ہم سنت رسولؐ کی اشاعت کر رہے ہیں مگر مقصد مسلمانوں کو مٹانا تھا۔

جب جسر نہرواں پر حضرت عبداللہ بن خباب اور ان کے بیوی بچے کے قتل کا واقعہ پیش آیا تو ان میں آپس میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا جو مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ انہوں نے تو اس تہرے قتل کو سراہا لیکن جن کے پاس ذرا سی بھی عقل تھی وہ اس قتل کو ایک بدشگونی تصور کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ صحابی رسولؐ کے قتل کی خبر کوفہ کے مسلمانوں میں آگ لگا دے گی اور ممکن ہے کہ لشکر اسلام ان کی سرکوبی کے لئے چل پڑے۔ آخر طے ہوا کہ صحابی رسولؐ کی لاش کو ایسی جگہ پوشیدہ کر دیا جائے کہ اسے کوئی نہ دیکھ سکے اور یہ قتل دب کر رہ جائے لیکن جب لاشیں اندھیرے میں تلاش کرنے کے باوجود دستیاب نہ ہوئیں تو یہ لوگ پریشان ہوئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب یہ خبر کوفہ تک ضرور پہنچے گی اور حضرت علی کرم جنگ کے لئے ادھر کا رخ کریں گے۔ دوسرے دن رات کو شعجنہ نے جسر نہرواں پر پہنچ کر ان کے اس خیال

کی تصدیق کر دی۔ دربار خلافت میں جو کچھ پیش آیا تھا۔ شجنہ نے الف سے ی تک سب ان لوگوں کے سامنے دہرا دیا۔ خارجی اس خبر سے بہت خوف زدہ ہوئے۔

عبد اللہ بن الکوار خارجیوں کا امام نماز اور شعث بن راسی امیر اور سالار فوج۔ یہ دونوں قتل عبداللہ بن خباب میں ملوث تھے۔ انہوں نے اپنی غلطی تسلیم نہ کی اور سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کر دیا لیکن دل میں وہ بھی خائف تھے کیونکہ ان کے اسی فعل سے مسلمانوں اور ان مرتدوں کے درمیان جنگ کے زیادہ امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ سالار فوج شعث نے فورا" بصرہ' مدائن اور انبار کو تیز رفتار قاصد روانہ کئے کہ ان کے ہم خیال لوگ فورا" نہرواں پہنچ کر اس لشکر میں شامل ہو جائیں۔ خارجیوں کی خوش قسمتی کہئے کہ ان مقامات کے خارجی پہلے ہی روانہ ہو چکے تھے کیونکہ مسلمانوں نے ان لوگوں کا اخلاقی بائیکاٹ کر دیا تھا جس پر انہیں خارجی ہونے کا شبہ تھا۔

اس طرح جسر نہرواں میں حضرت علی کرم کے پہنچنے سے قبل ہی خارجیوں کا بارہ ہزار سے زیادہ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار تھا۔ حضرت علی کرم بڑے صلح کن واقع ہوئے تھے۔ ان کی اب بھی یہی کوشش تھی کہ اگر خارجی گمراہی چھوڑ کر پھر دائرہ اسلام میں آ جائیں تو زیادہ بہتر ہو۔ پس جب حضرت علی کرم نہرواں کے قریب پہنچے تو انہوں نے اپنے لشکر کو خارجیوں سے ایک فرسنگ دور قیام کا حکم دیا پھر انہوں نے لشکر اسلام میں سے قیس بن سعد بن عبادہ اور حضرت ابو ایوب انصاری کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ انہیں سمجھا بجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کریں مگر ان دونوں بزرگوں کی کوششیں رائیگاں گئیں۔ خارجیوں نے ان کی بات پر کان نہ دھرے اور انہیں ذلیل کر کے واپس بھیج دیا۔

حضرت علی کرم نے پھر بھی اتمام حجت کے طور پر شعث بن راسی کو پیغام بھیجا۔

"اے راسی' تمہاری جماعت کے جن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن خباب کو ہلاک کیا ہے انہیں ہمارے حوالہ کر دو۔ ہم صرف ان قاتلوں کو اپنے بھائیوں کے قصاص میں قتل کر دیں گے اور فی الحال تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیں گے کہ ممکن

ہے کہ خدا تمہارے دلوں کو پھیر دے اور تم دوبارہ ہدایت قبول کرو۔"

اس پیغام کے جواب دینے پر خارجیوں نے شجنہ کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ شجنہ لشکر اسلام میں پہنچ کر حضرت علی کرم سے انتہائی گستاخانہ انداز میں بولا۔ "ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم سب نے تمہارے بھائیوں کو قتل کیا ہے اور ہم سب تمہارے اور تمہارے ہم عقیدہ لوگوں کے خون کو جائز سمجھتے ہیں۔"

شجنہ کا یہ پر غرور اور ہتک آمیز جواب کھلا ہوا اعلان جنگ تھا۔ حضرت علی کرم کے لئے اب سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ شجنہ کے واپس جاتے ہی حضرت علی کرم نے اپنے لشکر کو اصول جنگ کے مطابق ترتیب دیا۔ حضرت علیؓ کی اب بھی یہی کوشش تھی کہ جنگ سے گریز کیا جائے اور خارجی راہ راست پر آ جائیں مگر وہ اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے اور جنگ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

حضرت علی کرم نے آخری کوشش کے طور پر حضرت ابو ایوب انصاری کو سفید جھنڈا لے کر میدان میں بھیجا اور اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس جھنڈے کے نیچے پناہ لے گا یا میدان جنگ چھوڑ کر کوفہ یا مدائن کو چلا جائے گا اسے کچھ نہ کہا جائے گا۔

اس اعلان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل اپنے پانچ سو آدمیوں کے ساتھ خارجیوں کو چھوڑ کر بندنجیں کی طرف چلا گیا۔ کچھ لوگ کوفہ واپس چلے گئے اور کچھ کو اللہ نے توفیق دی اور وہ حضرت علی کرم کے لشکر میں آ گئے۔

شجنہ اور اس کے بیٹے کی خارجیوں میں کوئی خاص وقعت نہ تھی اور نہ وہ سردار تھے لیکن اس موقع پر وہ امام نماز عبداللہ بن الکوار اور سردار خوارج شعث بن راسی سے بھی دو قدم آگے تھے۔ شجنہ کے بیٹے نے طیش میں آ کر تیر کمان سنبھالی اور صلح کے سفید جھنڈے کو نشانہ بنایا۔ اس کی کمان سے تیر نکلا اور لہراتے ہوئے جھنڈے کو چھیدتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ شجنہ کو شاید اپنے بیٹے کی یہ ادا بہت پسند آئی۔ اس نے بھی فورا" اپنا ترکش سنبھالا اور اس کا تیر بھی جھنڈے کے پار ہو گیا۔

حضرت علی کرم سے جھنڈے کی یہ توہین برداشت نہ ہوئی۔ آپ نے گھوڑا بڑھایا اور ذوالفقار حیدری کو ہوا میں گردش دیتے شجنہ کے پاس پہنچ گئے۔ شجنہ مقابلہ کے

لئے تیار تھا۔ اس نے تلوار کا وار تلوار پر روکنا چاہا مگر ذوالفقار کے وار سے کون ر سکتا ہے۔ شجنہ کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ ذوالفقار حیدری شجنہ کا سینہ چیرتی ہوئ کمر تک پہنچ گئی۔ شجنہ کی چیخ بھی نہ نکل سکی اور گھوڑے کی زین سے لٹک گیا۔ باپ کا یہ حال دیکھ کر بیٹا بڑھ کر آیا۔ اس نے وار کیا۔ حضرت علی کرم کا گھوڑا چمک کر تلوار کی زد سے نکل گیا اور اس کا وار خالی گیا۔ اسے دوسرا وار کرنے کی مہلت ن ملی اور ذوالفقار علی کرم دل سے گزر کر پار ہو گئی۔ باپ بیٹوں کا یکساں حال ہوا۔ پھر حضرت علی کرم نے خارجیوں کے بڑے بڑے سرداروں کو چن چن کر قتل کیا۔ عا لڑائی چھڑ گئی اور میدان میں تلواروں کی چمک سے کوندے لپک رہے تھے۔ خارجیو نے پہلے تو بڑھ بڑھ کر حملے کئے لیکن وہ زیادہ دیر تک قدم نہ جما سکے۔

شیب بن نجدہ حروری اور وردان بھی اس جنگ میں خارجیوں کی طرف سے ا رہے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ خارجیوں کا خاتمہ ہو رہا ہے تو وہ بھاگ کھڑ ہوئے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے جان بچائی کیونکہ حضرت علی کرم کی فوج ۔ خارجیوں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے کر قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔

لڑائی ختم ہوئی تو میدان میں چاروں طرف خارجیوں کی لاشیں ہی لاشیں تھیں چار سو خارجی گرفتار ہوئے۔ یہ زخمی تھے۔ حضرت علی کرم نے مہربانی فرما کر ان زخمیو کو علاج کے لئے ان کے عزیزوں کے سپرد کر دیا۔ آپ نے مقتولین کی لاشیں اٹھا کی بھی اجازت دے دی۔ ان کے ہتھیار اور گھوڑے اپنی فوج میں تقسیم کر دیئے او دوسرا سامان وارثوں کے حوالے کر دیا۔

شیب اور وردان دور جا کر چھپ گئے تھے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد جب م والوں کے عزیز و اقارب لاشیں اٹھانے آئے تو انہوں نے بھی چاہا کہ شجنہ اور ا کے لڑکے کی لاشیں اٹھائیں لیکن دن میں روشنی کی وجہ سے ان کی میدان میں جا کی ہمت نہ پڑی۔ وہ شام تک دبکے رہے جب رات کی تاریکی پھیل گئی تو یہ ڈر ڈرتے میدان میں گئے۔ انہیں لاشیں تلاش کرنے میں زیادہ وقت نہ ہوئی۔ شجنہ ا اس کا بیٹا ان کے سامنے قتل ہوئے تھے اور پھر اس وقت تک آدھی سے زیادہ لاشی

اٹھائی جا چکی تھیں۔

دونوں نے ایک ایک لاش گھوڑے کی زین سے لٹکائی اور اپنے صافے اتار کر ان پر کس دیئے تاکہ لاشیں دکھائی نہ دیں پھر یہ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

کوفہ میں خارجیوں کی شکست اور خاتمے کی خبر پہنچی تو کئی گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ کوفہ میں کئی گھرانے ایسے تھے جن کے لوگ اس جماعت میں شامل تھے۔ ان کا مرکز شجنہ کا گھر تھا چونکہ لاشیں ان کے عزیزوں کو اٹھانے کی اجازت دے دی گئی تھی اس لئے پہلے انہوں نے عزیزوں کو دفنایا پھر شجنہ کے گھر کا رخ کیا۔ کوفہ والے عزیزوں کی لاشیں کوفہ نہیں لائے بلکہ میدان جنگ ہی کے قریب انہیں گڑھے کھود کر دبا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا تعلق خارجیوں سے ثابت ہو کیونکہ اس صورت میں ان کی گرفتاری اور قتل کا امکان تھا۔ اپنے گھروں میں بھی انہوں نے پوشیدہ طور پر ماتم کیا اور پوشیدہ ہی طور پر ایک دوسرے کو پرسہ دیا۔ پھر ایک ایک کر کے یہ لوگ شجنہ کے گھر پر اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔

قطامہ گھر میں اکیلی تھی۔ بھائی اور باپ دونوں جنگ میں تھے۔ اسے خبر نہ تھی کہ ان دونوں پر کیا گزری' شیب اور وردان بھی جسر نہرواں جا چکے تھے۔ کوفہ کے بہت ے خارجی اس کے مکان پر جمع ہو گئے لیکن وہ شجنہ اور قطامہ کے بھائی کے متعلق وائے اس کے اور کچھ نہ بتا سکے کہ وہ دونوں حضرت علی کرم کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ن کی لاشوں کا کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ کہاں گئیں۔

بھیگی رات جب آدھی سے زیادہ ڈھل چکی تو قطامہ کے کانوں میں گھوڑوں کے ہستہ آہستہ چلنے کی آواز آئی۔ یہ آواز اس کے مکان کے قریب سے آ رہی تھی۔ طامہ کی بھوک پیاس اور نیند اڑ چکی تھی۔ وہ گوش بر آواز تھی۔ فوراً" گھر سے نکل ر دروازے پر آئی۔ شیب اور وردان قطام کے گھر کے قریب پہنچ چکے تھے۔

قطامہ دوڑ کر ان کے پاس پہنچی۔ شیب نے آہستہ سے کہا۔ "قطامہ صبر کرو' مارے باپ بھائی سچے دن پر قربان ہو چکے ہیں۔"

قطامہ کی آنکھوں کے آنسو پہلے ہی خشک ہو چکے تھے اس نے جواب دیا۔ "میں

ان دونوں کو پہلے ہی صبر کر چکی ہوں مگر ان کی لاشیں کہاں ہیں؟"

"تم اندر چلو، ہم لاشیں لے کر آ رہے ہیں۔" وردان نے اسے جواب دیا۔

قطامہ اندر چلی گئی۔ اس نے شاید اندر جا کر خارجیوں کو اطلاع کی ہو گی کیو اس کے فوراً بعد چار پانچ خارجی لاشیں اتارنے کے لئے باہر آ گئے۔

شبیب اور وردان، لاشوں کو زین سے الگ کر چکے تھے۔ ان آدمیوں کی مدد وہ لاشیں اندر لے گئے۔ قطامہ نے بڑی چٹائی صحن میں بچھا دی تھی۔ شجنہ اور اس بیٹے کی لاشیں چٹائی پر رکھ دی گئیں۔ قطامہ نے دو بڑی شمعیں روشن کیں اور لاشوں کے قریب ایک چوکی پر لا کر لگا دیں۔

قطامہ نے لرزتے ہاتھوں سے ایک لاش کے منہ سے چادر ہٹائی۔ یہ اس بھائی کی لاش تھی۔ قطامہ کا چہرہ سپاٹ تھا پھر اس نے باپ کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیکھا اور اس سے لپٹ گئی۔

لاشیں سرد تھیں اور خون خشک ہو چکا تھا پھر بھی جب قطامہ باپ کی لاش لپٹی تو اس کا ایک ہاتھ خون آلود ہو گیا۔ قطامہ نے اپنا خون آلود ہاتھ شمع کی رو میں دیکھا اور ہاتھ کو آہستہ آہستہ اپنے چہرے کی طرف لے گئی۔ پھر اس نے اپنا اپنے نصف چہرے پر پھیرا۔ خون کے نشانات اس کے آدھے چہرے پر نمودار ہو قطامہ مسکرائی۔ مگر یہ بڑی خوفناک مسکراہٹ تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو کر ا رہی تھیں۔ اس نے شجنہ کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ پھر تمام لوگوں کو مخاطب کرتے کہا۔ "اے خارجی مسلمانو اور دین کے پرستارو! میرا سب کچھ دین پر قربان ہو میں نے اپنے باپ کا خون اپنے آدھے چہرے پر ملا ہے اور اب تم گواہ رہنا کہ عہد کرتی ہوں کہ جب تک اپنے باپ، بھائی کے قاتل کے خون سے اپنا بقیہ چہ نہ کر لوں گی میں چین سے نہ بیٹھوں اور نہ میرے دل کی آگ ٹھنڈی ہو (حضرت) علی کرم کے خون ہی سے میرے دل کی آگ بجھ سکتی ہے۔"

خارجی قطامہ کے اس عہد سے بڑے پریشان ہوئے۔ انہیں یہ تو علم تھا کہ اپنے حسن خداداد کی بدولت بڑے بڑے کام کر سکتی ہے مگر خلیفہ وقت حضرت عل

تک اس کا ہاتھ پہنچنا ناممکن نہیں تو انتہائی دشوار تھا مگر پھر وہ یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے کہ یہ عہد تو قطامہ نے کیا ہے وہ خود اسے پورا کرے یا نہ کرے وہ اس کے ذمے دار نہ تھے۔

دونوں لاشوں کو مکان کے صحن ہی میں قبر کھود کر گاڑ دیا گیا۔ یہ خبر رات ہی میں کوفے کے تمام خارجیوں کو پہنچ گئی۔ وہ ایک ایک دو دو کر کے رات بھر تعزیت کو آتے رہے۔ لیکن جو رات کو نہ آ سکے اور صبح کو قطامہ کے گھر پہنچے تو انہوں نے گھر کو بند پایا۔ قطامہ صبح ہونے سے پہلے ہی گھر چھوڑ چکی تھی۔ اس وقت وہ شبیب بن نجدہ حروری اور وردان کے ساتھ بڑی تیزی کے ساتھ مصر کی طرف گھوڑا اڑاتی چلی جا رہی تھی۔

مصر میں عبداللہ بن سبا کو جنگ نہرواں پر خارجیوں کی شکست عظیم کی خبر پہنچ چکی تھی۔ اسے خارجیوں کی شکست کا افسوس تو ضرور تھا لیکن اسے خارجیوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ کیونکہ ان لوگوں نے عبداللہ بن سبا کو امام تسلیم کرنے کے بجائے عبداللہ بن الکوار کو امام نماز بنایا تھا اور اپنا علیحدہ تشخص برقرار رکھنے کے لئے ایک الگ جماعت بنا لی تھی حالانکہ دونوں کا نصب العین اسلام دشمنی ہی تھا۔

قطامہ جب شبیب اور وردان کے ساتھ مصر پہنچ کر عبداللہ بن سبا سے ملی تو اس نے محسوس کیا کہ ابن سبا کا رویہ اس کے ساتھ سرد اور خشک ہے۔ قطامہ نے جسر نہرواں کے معرکہ کی پوری تفصیل بتائی اور اپنی قسم کا ذکر کیا لیکن ابن سبا نے زیادہ دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔

پھر تو قطامہ سے رہا نہ گیا اس نے پوچھا۔ "یا امام آپ کو نہرواں پر شہید ہونے والوں کا کوئی غم معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ آخر انہوں نے بھی تو سچے مسلمانوں کی عظمت کے لئے اپنی جانیں قربان کی ہیں؟"

ابن سبا نے بات کو ٹالنا چاہا مگر قطامہ سر ہو گئی۔ آخر ابن سبا نے کہا۔ "قطامہ جسر نہرواں پر ہلاک ہونے والے تمام لوگ شہادت کے درجے پر فائز ہوں گے سوائے دو آدمیوں کے۔"

قطامہ چونک پڑی اس نے پوچھا۔ "وہ کون ہیں امام۔ انہوں نے کیا قصور کیا کہ وہ شہادت کے مرتبے سے محروم کئے گئے۔"

ابن سبا نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک جوان کی طرف دیکھا اور بولا۔ "اے ابن ملجم تو اس لڑکی کو بتا کہ وہ دونوں کون تھے اور وہ جہنمی کیوں ہوئے۔"

عبد الرحمان بن ملجم قبیلہ حمیری کا ایک پرجوش نوجوان تھا۔ وہ سبائیہ فرقے میں کچھ ہی دن پہلے شامل ہوا تھا لیکن اس نے ابن سبا کے حکم پر بعض ایسے لوگوں کو قتل کیا تھا کہ ابن سبا کی نظروں میں اس کا درجہ بڑھ گیا تھا۔ ابن ملجم ہر وقت ابن سبا کے ساتھ رہتا۔ اہم سے اہم معاملات پر گفتگو کے وقت بھی ابن ملجم اس کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔

ابن سبا' ابن ملجم سے مخاطب ہوا تو اس نے فوراً" کہا۔ "قطامہ ابھی دوشیزگی کی منزل میں ہے۔ دین کی باتیں اس کی سمجھ میں نہ آئیں گی۔"

"یہ قطامہ کی توہین ہے۔" قطامہ چٹک کر بولی۔ "اگر میں بے عقل ہوتی تو کوفے سے مصر تک امام کے مشورے کے لئے نہ آتی۔"

ابن ملجم پہلی ہی نظر میں قطامہ پر عاشق ہوگیا تھا۔ یہ بات تو اس نے قطامہ کو چھیڑنے کے لئے کہی تھی۔ بولا۔ "قطامہ میرا مقصد تمہاری توہین ہرگز نہ تھا۔ عورتیں چونکہ دین سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتیں اس لئے میں نے یہ بات کہی تھی۔ اگر تمہیں ناگوار گزری ہے تو میں معافی مانگ سکتا ہوں۔ تم تو ہماری مہمان ہو۔"

ابن سبا کی تیز نظروں نے دیکھ لیا کہ ابن ملجم قطامہ پر مائل ہے۔ اس لئے اس نے کہا۔ "قطامہ' ابن ملجم بڑا پرجوش جوان ہے تو اس سے جھگڑا نہ کر۔ یہ تیرے بہت کام آسکتا ہے۔"

قطامہ خود بھی بہت چالاک تھی۔ وہ ابن سبا کا اشارہ سمجھ گئی اور فوراً بولی۔ "امام محترم آپ کا کہنا درست ہے مگر آپ کو معلوم ہے کہ میں بزدلوں سے نفرت کرتی ہوں۔"

ابن سبا مسکرایا اور کہا۔ "تو نے میرے ایک جاں نثار پر بڑا سنگین الزام لگایا

ہے۔ اس بارے میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس نے میرے بڑے بڑے کام کئے ہیں اور بڑے کام بزدل نہیں کیا کرتے۔ اگر تجھے یقین نہیں تو خود اسے آزما لے۔"

قطامہ جیسے اس موقع کا انتظار کر رہی تھی جھٹ سے بولی۔ "میں اسے بہادر تو اس وقت جانوں گی جب یہ اس دور کے سب سے بڑے بہادر کا خون بہائے گا۔"

عبداللہ ابن سبا سمجھ گیا کہ قطامہ کا اشارہ کس طرف ہے پھر بھی اس کی زبان سے یہ جملہ سن کر سن پڑ گیا۔ وہ دیر تک قطامہ کا منہ دیکھتا رہا۔ ابن ملجم بھی بڑا متعجب تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ قطامہ کو کیا جواب دے۔ اسے اپنی پوزیشن بڑی کمزور سی محسوس ہوئی اور وہ اپنے آپ کو پہلے سے حقیر نظر آنے لگا۔

چالاک عبداللہ نے موقع کی نزاکت سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اس نے کہا۔ "قطامہ' تو نے یہ سوال شبیب اور وردان سے کیوں نہ کیا۔ کیا وہ بہادر نہیں؟"

قطامہ شیرنی کی طرح بپھر گئی اور بولی۔ "یا امام میں نے آپ کے ان دونوں پرستاروں سے یہ سوال اس وجہ سے نہیں کیا کہ یہ جنگ نہرواں میں شریک تو ہوئے لیکن انہیں شہادت نصیب نہ ہوئی۔ اگر یہ بہادر ہوتے تو لڑتے لڑتے مرجاتے یا زخمی ہو کر گرفتار ہو جاتے کیا۔ یہ تعجب کی بات نہیں کہ اتنی بڑی جنگ میں یہ صاف بچ گئے اور ان کے جسم پر خراش تک نہ آئی۔"

ابن سبا لاجواب ہوگیا۔ اس نے نظر اٹھا شبیب بن نجدہ حروری اور وردان کو دیکھا۔ وہ ابن سبا کی نظروں کی تاب نہ لا سکے اور انہوں نے ندامت سے نظریں نیچی کرلیں۔ ابن سبا کو یقین ہوگیا کہ قطامہ کی بات سچ ہے۔ اب اس نے ابن ملجم کی طرف رخ کیا اور کہا۔ "ابن ملجم یہ تیرا اور قطامہ کا معاملہ ہے۔ میں اس میں خود دخل نہیں دینا چاہتا۔ تو جو چاہے اسے جواب دے۔"

عبدالرحمان ابن ملجم نے بہت سوچنے کے بعد کہا۔ "یا امام میرے دل کا حال آپ سے پوشیدہ نہیں۔ قطامہ نے بھی اس کا شاید اندازہ کر لیا ہے اسی وجہ سے اس نے وہ بات کی جو بظاہر ناممکن ہے لیکن میں اسے جواب دینے سے پہلے تنہائی میں گفتگو

کرنا چاہتا ہوں۔"

ابن سبا بھی یہی چاہتا تھا جس اسکیم پر وہ عمل کرنا چاہتا تھا اس کا راستہ خود بخ پیدا ہو رہا تھا۔ ابن سبا کو یمن کے یہودی پیشوا کا حکم پہلے ہی مل چکا تھا کہ مسلما کی طاقت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اس لئے مسلمان علما کو ختم کرنے کے بجا مسلمانوں کے بڑے بڑے سرداروں کو راستے سے ہٹایا جائے۔ آج کل ابن سبا ا خطوط پر غور کر رہا تھا۔ حضرت علی کرم کا نام اس کے ذہن میں تھا مگر وہ ان کی طاق سے خائف تھا۔ کوفے میں تو ان پر ہاتھ ڈالنا ناممکن تھا۔ اس کام کو تو کوئی سرپھرا کر سکتا تھا۔ اب وہ سرپھرا ابن ملجم کی صورت میں اس کے سامنے آ رہا تھا۔ ا ملجم یوں تو ابن سبا کے کہنے پر کئی بار جان پر کھیل گیا تھا لیکن حضرت علی کرم کا نا لیتے ابن سبا ڈرتا تھا کیونکہ مسلمانوں سے نفرت کے باوجود سبائی حضرت علی کرم طرفدار تھے بلکہ سبائی فرقے کے عقیدے کے مطابق حضرت علی کرم کو سبائی حضر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی سمجھتے تھے۔ پھر بھلا کوئی سبائی ان کے خلا تلوار کیسے اٹھا سکتا تھا۔ ہاں خارجیوں نے ضرور کھلم کھلا حضرت علی کرم سے بغاوت تھی اور ابن سبا کو خارجیوں پر پورا قابو حاصل نہ تھا۔ وہ آہستہ آہستہ خارجیوں کو ا ہم خیال بنا رہا تھا کہ حضرت علیؓ کے خلاف ان کے بھڑکے ہوئے جذبات سے فا اٹھائے۔ قطامہ پکی اور کٹر قسم کی خارجی عقیدے کی پیروکار تھی اور اب تو اس۔ باپ، بھائی کا انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ابن سبا نے یہی بہتر خیال کیا کہ ان دونو کو ملا دیا جائے۔ ممکن ہے کہ اس طرح کوئی بہتر صورت نکل آئے اور اس کا ناپاک منصوبہ کامیاب ہو جائے۔

ابن سبا نے فوراً" ابن ملجم کو قطامہ سے تنہائی میں گفتگو کرنے کی اجازت د دی۔ قطامہ نے بھی کوئی عذر نہ کیا۔ قطامہ بے دین تھی لیکن تھی بہت ذہین ا فطین۔ اس نے ابن ملجم کے چہرے مہرے اور باتوں سے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ پرجو جوان واقعی اس کا دست راست ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس نے ابن ملجم تنہائی میں گفتگو پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

ابن سبا نے ایک بزرگ مسلمان کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ اس لئے کھلے عام شراب کا استعمال نہ کرتا تھا لیکن اس نے اپنے اور اپنے خاص احباب کے لئے ایک خاص قسم کا مشروب تیار کرایا تھا جو دیکھنے اور ذائقے میں خوش رنگ و خوش نما مشروب تھا لیکن اصل میں اس میں نصف سے زیادہ شراب شامل ہوتی تھی۔ شراب کی بدبو کو زائل کرنے کے لئے اس میں خوشبودار جڑی بوٹیوں کا ست بھی ملایا جاتا تھا۔ ابن سبا یہودی تھا اور شراب کا بڑا رسیا۔ اس طریقے سے وہ اپنے شراب کے شوق کو بھی پورا کرتا تھا۔

یہ خاص مشروب یا شراب اپنے ان احباب کو بھی پیش کرتا جو اس کے معتمد خاص ہوتے۔ خاص خاص موقعوں پر وہ اس مشروب سے کام لیتا تھا۔ قطامہ اور ابن ملجم کی ملاقات کے موقعے پر بھی ابن سبا نے اس مشروب کا خاص طور پر اہتمام کرایا۔ ابن سبا نے اس کمرے میں جس میں قطامہ اور ابن ملجم ملنے والے تھے۔ خوبصورت بلوریں صراحیوں میں یہ مشروب بھروا کر رکھوا دیا۔ صراحیوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بلور ہی کے پیالے تھے اور کھانے کی تپائی پر کچھ اس قسم کے لوازمات کھانے کے لئے رکھوا دیئے جو مے نوشی کے دوران کھائے جاتے ہیں۔ ابن سبا کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ دونوں جو جوان ہیں ملیں گے تو ممکن ہے کہ ان کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو۔ اس وقت اس شربت کے چند گھونٹ ان کے جذبات کو اور بھڑکائیں گے لیکن مکار قطامہ ابن سبا سے زیادہ دوراندیش تھی۔ اس نے جب اس کمرے میں قدم رکھا جس میں اسے ابن ملجم کے ساتھ گفتگو کرنا تھی تو اس نے اپنی جوانی اور جوانی کے تمام جذبات کو باہر ہی چھوڑ دیا اور ایک بڑی سیاست دان اور مدبر بن کر کمرے میں داخل ہوئی۔ قطامہ نے اپنے کو اندر سے تو خالی کر لیا لیکن ابن ملجم کو لبھانے اور زیر کرنے کے لئے اس نے اپنے حسن و جمال کی خود ہی مشاطہ گری کی۔ اس نے نہ صرف انتہائی بیش قیمت لباس پہنا تھا بلکہ اعلیٰ عرب خواتین کے مروجہ زیورات سے بھی خود کو آراستہ کیا تھا۔ اس نے بدن کو اس قدر باریک کپڑوں سے پوشیدہ کیا تھا کہ اس میں چھپنے کے بجائے اس کے جسمانی اعضا کے خطوط اور ابھرکے

آ گئے تھے۔ غرضیکہ قطامہ نے اس وقت ابن ملجم کو زیر کرنے کے لئے حسن و ادا کے تمام ہتھیاروں سے خود کو مسلح کیا تھا۔

قطامہ قدم قدم پر فتنے جگاتی' قیامتیں اٹھاتی' عشوے بکھیرتی' سولہ سنگار کئے جب ایک جھماکے کے ساتھ ابن ملجم کے سامنے آئی تو اس کی آنکھیں پھٹ کے رہ گئیں۔ قطامہ یوں بھی حسین تھی مگر اپنی مشاطگی کے کمال نے اس میں چار چاند لگا دیئے۔ ابن ملجم کا جی چاہا کہ حسن کی اس دیوی کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے لیکن اس کی نظریں دنگ اور زبان گنگ ہو گئی۔ وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکا۔

قطامہ' چکور کے خرام اور مور کے سبک رفتار قدموں سے ناز و ادا کی بجلیاں گراتی ابن ملجم کے بالکل سامنے قالین پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے لبوں پر دلفریب تبسم اور آنکھوں میں شوخ و شنگ چمک تھی۔ دیوی اور پجاری آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ اس وقت دل کا سودا ہونا تھا اور جان کا نذرانہ پیش کیا جانا تھا۔ قطامہ ناگن کی خوبصورت کینچلی کے اندر زہر بھرے کٹورے چھپائے ہوئے تھی۔

ایک عجیب عالم حیرت تھا۔ ابن ملجم مبہوت اور قطامہ خاموش' قطامہ نے دیکھا کہ اس کے حسن نے ابن ملجم کے گرد سحر کا حلقہ بنا لیا ہے۔ اس لئے گفتگو کے آغاز میں اس نے پیش قدمی کی۔ "ابن ملجم بتاؤ' وہ کیا بات ہے جو تم تنہائی میں کہنا چاہتے ہو؟"

ابن ملجم اس کے حسن جہاں تاب کے سحر سے آزاد نہ ہونا چاہتا تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے قطامہ کو دیکھ رہا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ نظارہ تا قیامت اس کے پیش نظر رہے۔ وہ قطامہ کی آواز پر چونکا' گھبرایا اور پھر ہوش میں آیا۔ اس نے اپنی مخمور آنکھوں کو کئی بار جھپکا پھر انتہائی انکسار سے بولا۔ "قطامہ تو واقعی حسن کی دیوی ہے۔ میں تیرے حضور' نذرانہ دل پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

قطامہ نے تبسم بکھیرتے ہوئے مکاری سے کہا۔ "ابن ملجم۔ دل کا سودا دل ہی سے ہوا کرتا ہے۔" پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "مگر اے ابن ملجم میرا دل زخمی ہے جب تک اس پر مرہم نہیں رکھا جاتا

کوئی آواز سننے کے لئے تیار نہیں۔"

ابن ملجم نے قطامہ کے پیکر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "قطامہ تو بتا کہ تیرے زخموں کا مداوا کیا ہے۔ میں تارے لئے آسمان سے تیارے توڑ کر لا سکتا ہوں۔"

"ابن ملجم۔ مجھے حقیقی دنیا میں شاعرانہ گفتگو پسند نہیں۔" قطامہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "یہ باتیں اس وقت اچھی لگتی ہیں جب دل و دماغ ٹھکانے ہوں۔ اگر وقت ملا اور ہم تم پھر ملے تو تم دیکھو گے کہ محبت کا جواب محبت سے کس طرح دیا جاتا ہے۔"

ابن ملجم گھبرا گیا وہ جلدی سے بولا۔ "مگر قطامہ میں تو۔ میں تو ہمیشہ تیرے قریب رہنے کا خواہش مند ہوں۔"

قطامہ کھلکھلا کر ہنس پڑی ابن ملجم کو یوں محسوس ہوا جیسے رات کی رانی نے مدہا پھول اپنی شاخوں سے جھٹک دیئے۔ قطامہ نے کہا "ابن ملجم' تجھ میں جوان ہونے کے علاوہ اور کون سی ایسی خوبی ہے جس سے تو مجھے متاثر کر سکتا ہے مگر ٹھہر میں پھر وضاحت کر دوں کہ مجھے بزدلوں سے سخت نفرت ہے۔ اس لئے محبت کے رنگین الفاظ کا سہارا لینے کے بجائے حقیقت سے قریب تر لہجہ اور الفاظ اختیار کر۔"

قطامہ کا یہ منطقی انداز ابن ملجم کو اور زیادہ زخمی کر گیا۔ وہ سنبھلا اور خود اعتمادی سے بولا۔ "اے پیکر حسن و جمال' حقیقت یہ کہتی ہے کہ تو مجھے پسند ہے اور میں تجھے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"ابن ملجم۔ مجھے تیری صداقت اور صاف گوئی پسند آئی۔ خرید و فروخت میں یہی انداز اختیار کیا جانا چاہئے۔" قطامہ نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "اے ابن ملجم' اس وقت تو خریدار ہے اور وہ جنس میری ملکیت ہے جسے تو خریدنا چاہتا ہے۔ خرید و فرخت میں قیمت کے معاملے میں خریدار اور مالک میں بحث و تکرار ہوتی ہے مالک قیمت بڑھا کر بتاتا ہے خریدار اسے گھٹاتا ہے۔ میں اس سودے میں کوئی جرح یا تکرار نہیں چاہتی۔ جنس کے دام ایک ہیں جو قیمت ایک بار مانگوں گی۔ اس میں کمی بیشی نہ ہو گی۔ خواہ (امام) ابن سبا بھی سفارش کرے۔"

"میں بھی سودے کا جلد فیصلہ چاہتا ہوں۔" ابن ملجم نے بے چینی سے کہا۔

"ابن ملجم' قیمت بہت زیادہ ہے۔ اسے خریدنے کا ارادہ ترک کر دے۔" قطامہ نے ابن ملجم کے اشتیاق کو اور مہمیز کیا۔

ابن ملجم واقعی اور پر اشتیاق ہو گیا۔ اس نے پہلو بدل کر کہا۔ "قطامہ' مانگ کیا مانگتی ہے۔ خریدار ہر قیمت دینے پر آمادہ ہے۔"

"پھر سوچ لے ابن ملجم میں نہیں چاہتی کہ تو میرے سامنے شرمندہ ہو کر سر جھکا لے۔" قطامہ نے اسے ایک بار پھر ٹٹولا۔

ابن ملجم نے ایک بگڑے ہوئے گاہک کی طرح کہا۔ "قطامہ تو خریدار کے اصول کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ قیمت بتانے میں حیل و حجت کیسی؟"

"تو سن اے ضدی خریدار۔" قطامہ نے سنبھل کر کہا۔ "قطامہ بنت شجنہ کو حاصل کرنا ہے تو اس کے مہر میں تین چیزیں دینا ہوں گی۔" قطامہ کہتے کہتے رکی۔

"مہر کی چیزوں کی تفصیل بیان کر قطامہ تو رک کیوں گئی؟" ابن ملجم قدرے تلخی سے بولا۔

"پہلی چیز۔ تین ہزار درہم نقد" قطامہ بولی۔

"مجھے منظور ہے۔" ابن ملجم نے جواب دیا۔

"دوسری چیز' ایک غلام اور ایک لونڈی۔"

"منظور ہے۔"

"اور تیسری چیز۔ تیسری چیز۔" قطامہ کہتے کہتے پھر رکی۔

"قطامہ۔" ابن ملجم چیخ کر بولا۔ "خریدار میں ہوں' قیمت بتاتے ہوئے تو کیوں ڈرتی ہے؟"

"اور مہر کی تیسری چیز ایک سر------" قطامہ نے ابن ملجم کا چہرہ دیکھا۔

"کس کا سر۔ جلد بتا۔" ابن ملجم گرجا۔ اس کی آنکھوں میں قاتلانہ اور وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی۔

"تو سن اے ابن ملجم اگر سن سکتا ہے۔" قطامہ پھر بپھر گئی۔ "ہاں سر۔ مجھے سر چاہئے۔ ابو الحسن' ابو تراب' مالک ذوالفقار' حیدر کرار' فاتح خیبر' علیؑ ابن ابی طالب

بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن------"

"چپ ہو جا قطامہ' خاموش ہو جا۔" ابن ملجم دھاڑا۔

قطامہ زخمی شیرنی کی طرح تڑپ کر کھڑی ہو گئی اور پوری طاقت سے گرجی۔ "بس ختم ہو گئی ساری بہادری------ علیؑ کا نام سنتے ہی پتہ پانی ہو گیا۔" یہ کہتے ہوئے قطامہ دروازے کی طرف بڑھی۔

ابن ملجم نے دوڑ کر اس کا راستہ روک لیا اور بولا۔ "قطامہ کہاں جاتی ہے۔ سودا تو طے ہو گیا۔"

"کس طرح؟" قطامہ نے امید و بیم کے لہجے میں پوچھا۔

ابن ملجم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اے دل نواز ماہ پیکر تجھے اپنی قیمت کا خود ہی اندازہ نہیں۔ تو نے اپنی قیمت تو خود ہی گھٹا دی۔ میں اس سے کہیں زیاہ تیری قیمت ادا کرنے پر آمادہ تھا۔ میں نے تو کچھ اور ہی اندازہ لگایا تھا۔"

قطامہ بہت خوش ہوئی۔ ابن ملجم اس کی شرط پوری کرنے پر آمادہ تھا۔ اس نے معلوم کرنے کے لئے کہ ابن ملجم نے اس کی قیمت کا اندازہ کیا لگایا تھا۔ ابن ملجم سے پوچھا۔ "ذرا میں بھی تو سنوں۔ تو نے اس سے زیادہ اونچی اور کون سی قیمت لگائی ہے۔"

ابن ملجم نے قطامہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں محبت سے لیتے ہوئے آہستہ سے کہا "قطامہ میں تو سمجھا تھا کہ تو اپنے حسن کی قربان گاہ کے لئے (امام دوراں) عبداللہ بن سبا کا سر طلب کرے گی اور سن لے قطامہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر تو امام دوراں کا سر طلب کرتی تو خدا کی قسم میں تیرے حصول کے لئے یہ بھی کر گزرتا۔"

قطامہ نرم شاخ کی طرح ابن ملجم کی مضبوط بانہوں میں جھول گئی۔ اس وقت وہ بہت خوش تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ انتقام لے سکے گی اور اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گا۔

وہ دونوں ہنستے ہوئے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کمرے سے نکل کر (امام) ابن سبا کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے چلے۔

بڑے ہال میں (امام) ابن سبا' شیبب بن نجدہ اور وردان منتظر تھے کہ ابن ملجم اور قطامہ کی گفتگو ختم ہو اور انہیں معلوم ہو کہ کیا فیصلہ ہوا ہے۔ قطامہ کو حاصل کرنے کی شیبب اور وردان کے دل میں بھی بڑی زبردست خواہش تھی لیکن ان میں ابن ملجم جیسا حوصلہ نہ تھا۔ ابن ملجم کی اعلیٰ کارکردگی کا ابن سبا بھی قائل تھا۔ شیبب اور وردان بھی جانتے تھے کہ ابن ملجم ہرلحاظ سے ان دونوں سے برتر تھا۔ اس لئے ان میں ابن ملجم کے مقابلے کی تو طاقت نہ تھی مگر یہ ضرور چاہتے تھے کہ قطامہ اور ابن ملجم میں کوئی معاملہ نہ ہو سکے لیکن جب ابن ملجم اور قطامہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اور اٹکھیلیاں کرتے ہال میں داخل ہوئے تو ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ ابن سبا کو ضرور خوشی ہوئی اور کیوں نہ ہوتی۔ وہ یہودی تو حضرت علیؓ کیا تمام علام اسلام کے خاتمے کے لئے ہی مقرر کیا گیا تھا۔

ابن ملجم اور قطامہ' عبداللہ ابن سبا کے پاس آئے۔ قطامہ دو زانو بیٹھ گئی اور ابن سبا کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ ابن ملجم نے بھی یہی عمل دہرایا۔ ابن سبا نے دونوں کو دعا دی اور کہا۔ "دو دل مل جائیں تو پہاڑ کو بھی اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں۔ تم دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گے۔"

"کیوں نہیں امام دوراں۔" قطامہ بلبل کی طرح چہکی۔ "آپ کے مرید نے میری تینوں شرطیں مان لی ہیں۔"

شیبب اور وردان پہلے ہی دل چھوڑ چکے تھے۔ انہوں نے تو کچھ نہ پوچھا۔ لیکن اب ابن سبا اس مسئلے میں بہت دلچسپی لے رہا تھا یا یوں کہنا چاہئے کہ تحریک اور منصوبہ بانی و مبانی ہی وہ تھا۔ اس نے قطامہ کو یقین دلایا کہ تیرا انتقام صرف ابن ملجم ہی لے سکتا ہے۔

اس نے قطامہ سے پوچھا۔ "تیری شرطیں ضرور بہت سخت ہوں گی۔ ہم بھی تو سنیں وہ شرطیں۔"

"دو شرطیں تو ایسی تھیں جو شیبب اور وردان بھی پوری کر سکتے تھے۔" قطامہ شرطیں بتانے لگی۔ "لیکن تیسری شرط مان لینا عبدالرحمان ابن ملجم جیسے بہادر کا ہی

کام ہے۔"

یہ کہتے ہوئے قطامہ نے قریب بیٹھے ہوئے ابن ملجم کو برق باش نظروں سے دیکھا اور کہا۔ "ابن ملجم میری شرطیں تو امام دوراں کے آگے بیان کرو۔"

ابن ملجم کے شیبب اور وردان کو اس انداز سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ میں نے عشق کے میدان میں تمہیں شکست دی ہے۔ وہ دونوں واقعی شکست خوردہ تھے۔ اس لئے وہ آنکھیں چار نہ کر سکے۔

ابن ملجم نے کہا۔ "اے (امام دوراں) عبداللہ ابن سبا قطامہ نے پہلی شرط تین ہزار درہم نقد کا اظہار کیا۔ میں نے تسلیم کیا۔ دوسری شرط ایک غلام اور ایک لونڈی لگائی۔ وہ بھی میں نے مان لی۔ قطامہ کی تیسری شرط-----"

ابن سبا نے ابن ملجم کی بات کاٹ دی اور بولا۔ "لیکن اے ابن ملجم تو اتنی بھاری رقم اور لونڈی غلام کیسے مہیا کرے گا۔"

ابن ملجم ہنسنے لگا اور کہا۔ "اے امام میں آپ کا غلام ہوں کیا آپ اپنے غلام کی عزت بچانے کے لئے اتنا بھی نہ کر سکیں گے؟"

ابن سبا گھبرا گیا اور بولا۔ "کیوں نہیں' تین ہزار درہم' لونڈی غلام یا اور جتنی چیزیں کہو' تم جیسے جاں نثار و وفادار پر قربان کی جا سکتی ہیں۔"

ابن ملجم خوش ہو گیا اس نے کہا۔ "امام دوراں کے مجھ ناچیز پر پہلے ہی بہت احسانات ہیں مجھے فخر ہے کہ امام دوراں مجھے اتنا عزیز رکھتے ہیں۔"

ابن سبا کے دل میں کھلبلی مچی تھی۔ وہ تیسری شرط سننے کے لئے بے چین تھا۔ اس نے پوچھا۔ "ہاں تیسری شرط قطامہ نے کیا لگائی تھی؟"

مردود ابن ملجم نے ایک قہقہ لگایا اور کہا۔ "(حضرت) علیؓ ابن ابی طالب کا سر۔"

شیبب اور وردان گھبرا کر ابن ملجم کو دیکھنے لگے۔ ابن سبا کے چہرے پر رونق آ گئی۔ اس نے اپنی دلی کیفیت چھپاتے ہوئے کہا۔ "ابن ملجم یہ شرط بہت سخت ہے۔ ایک بار پھر غور کر لے کہیں تجھے قطامہ کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔"

ابن ملجم کے سر پر قضا کھیل رہی ہے۔ وہ بڑی بے پروائی سے بولا۔ "موت کے پنجے میں پہلے کی بار بھی میں پنجہ ڈال کر اسے شکست دے چکا ہوں۔ (امام دوراں) کی اعانت ساتھ رہی تو اس بار بھی کامیاب رہوں گا۔"

عبداللہ ابن سبا نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں اور بڑی مکاری سے کہا۔ "ابن ملجم میں تجھے تیری کامیابی کی بشارت دیتا ہوں۔"

"امام دوراں کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو ابن ملجم سچ کر دکھائے گا۔" ابن ملجم نے بڑے غرور سے کہا۔ "اچھا امام دوراں اب آپ قطامہ کے مہر کی دو چیزیں یعنی تین ہزار درہم اور ایک لونڈی اور ایک غلام اس کے حوالے کیجئے پھر ہمارا عقد فرمایئے۔"

قطامہ چونک پڑی اور بگڑ کر بولی۔ "اور میری تیسری شرط اسے بھی تو پورا کر؟"

"تیسری شرط میں عقد کے بعد پوری کروں گا۔" ابن ملجم نے کہا۔ "اس کے لئے تجھے وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔"

قطامہ تنک کر بولی۔ "تو تو بھی عقد کا انتظار کر۔ جب تک تیسری شرط پوری نہ ہوگی میں عقد نہ کروں گی۔"

ابن ملجم نے یہ پہلے نہ سوچا تھا۔ اس کا تو یہ خیال تھا کہ وہ قطامہ کے ساتھ شادی کر کے چند دن عیش و عشرت سے گزارے گا پھر موقع محل دیکھ کر تیسری شرط پوری کر دے گا۔

ابن ملجم نے قطامہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "قطامہ' میں نے تو تیرے حصول کے لئے یہ شرطیں قبول کی ہیں۔ اگر میں تجھے حاصل کرنے سے پہلے مارا گیا تو مجھے کیا ملے گا؟"

قطامہ بڑی چالاک تھی اس نے کہا۔ "اگر شادی کے بعد تو عیش و آرام میں پڑ گیا اور تیسری شرط پوری کرنے سے انکار کر دیا تو میں کیا کروں گی۔ کس کے پاس جا کر فریاد کروں گی؟"

"امام دوراں شاہد ہیں کہ میں نے آج تک وعدہ خلافی نہیں کی۔" ابن ملجم نے اپنی بات پر زور دینے کے لئے کہا۔ "اس کے علاوہ تو جس قسم کی ضمانت چاہے وہ میں دینے کو تیار ہوں۔"

عبداللہ ابن سبا اب تک بالکل خاموش تھا لیکن دل ہی دل میں اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش میں تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ اس کو پورا یقین تھا کہ ابن ملجم ضرور کامیاب ہوگا لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ قطامہ کو کس طرح سمجھاتا۔

ادھر قطامہ کو ابن ملجم پر اعتبار نہ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شادی کے بعد ابن ملجم مکر جائے تو اس کا کوئی کیا بگاڑ لے گا۔ اس کے ہاتھ تو صرف تین ہزار درہم اور ایک لونڈی غلام لگیں گے۔ اگر اسے رقم ہی درکار ہے تو پھر وہ ابن ملجم سے شادی کیوں کرے۔ کئی رئیس زادے اسے تیس ہزار درہم تک کی پیش کش کر چکے تھے۔

آخر قطامہ نے فیصلہ کن انداز میں کا۔ "میں عقد سے انکار کرتی ہوں۔ شادی کے بعد میں تجھ پر قابو نہ رکھ سکوں گی۔"

"لیکن میں تو قابو رکھ سکتا ہوں۔" یہ مکار عبداللہ ابن سبا کی آواز تھی۔ "قطامہ' ابن ملجم کی میں ضمانت دیتا ہوں۔ یہ شادی کے بعد اپنا وعدہ وفا کرے گا۔"

قطامہ حیرت سے ابن سبا کا منہ دیکھنے لگی۔ وہ کشمکش میں مبتلا ہوگی۔ اقرار کے لئے وہ تیار نہ تھی اور ابن سبا کی ضمانت سے انکار بھی اس سے ممکن نہ تھا۔ وہ تن تنہا تھی اگر انکار کرتی تو تمام سبائی فرقہ بگڑ جاتا کیونکہ ان کے خیال میں امام دوراں کی حکم عدولی کرنے والا قابل گردن زدنی تھا۔

قطامہ شکست خوردہ آواز میں بولی۔ "اگر امام دوراں کا بھی حکم ہے تو میں انکار کی جرات کیسے کر سکتی ہوں؟"

ابن ملجم کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

ابن سبا نے محبت سے قطامہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولا۔ "میں تیرے ساتھ ہوں قطامہ۔ اگر ابن ملجم نے تیرے ساتھ بد عہدی کا تصور بھی کیا تو میرے وفادار اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔"

قطامہ کیا جواب دیتی۔ وہ اپنے جال میں آپ ہی پھنس گئی تھی۔

عبداللہ ابن سبا نے اسی وقت قطامہ اور ابن ملجم کا عقد کر دیا۔ ابن سبا نے عقد کی پہلی دو شرطیں پوری کیں۔ قطامہ کے طلب کردہ تین ہزار درہم اور لونڈی اور غلام اسکے حوالے کئے گئے۔ شیب بن نجدہ حروری اور وردان نے سینے پر سل رکھ کر ابن ملجم کو مبارک باد دی لیکن قطامہ نے انہیں بزدلی کا جو طعنہ دیا تھا۔ اس کا داغ مٹانے کے لئے انہوں نے ابن ملجم کا اس معاملے میں ساتھ دینے کا اعلان کیا اور اپنی خدمات اس کے سپرد کیں۔ ابن ملجم نے اسے قبول کرلیا۔

بعض روایتوں میں کہا گیا ہے کہ یہ سازش مکہ معظمہ میں تیار ہوئی تھی کیونکہ ان ایام میں عبداللہ بن سبا کی مکہ میں موجودگی کچھ حوالوں سے ثابت ہوتی ہے لیکن اس سے انکار کرنا مشکل ہو گا کہ اس سازش میں ابن سبا کا ہاتھ نہ تھا۔ یہ سازش کوئی معمولی نہ تھی۔ اس کی منصوبہ بندی کوئی اعلیٰ دماغ ہی کر سکتا تھا۔ ابن ملجم جیسے معمولی اور غیر معروف آدمی کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اتنا بڑا منصوبہ بناتا۔

قطامہ سے شادی کے بعد ابن ملجم نے بڑی داد عیش دی۔ ہ جانتا تھا کہ علیؓ پر ہاتھ ڈالنے میں ناوے فیصد موت کا امکان ہے۔ اس لئے وہ موت کا آہنی پنجہ اپنی گردن تک پہنچنے سے قبل قطامہ کی جوانی سے جتنی خوشہ چینی کر سکتا تھا وہ کی اور قطامہ نے بھی قربانی کا بکرا سمجھتے ہوئے اس کی دلداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی پھر کچھ دن بعد عبداللہ ابن سبا نے اسے بیدار کیا اور اسے اس کا وعدہ یاد دلایا۔ ابن سبا کو قطامہ کی تو پرواہ نہ تھی۔ وہ ابن ملجم جیسے مفید آدمی پر قطامہ جیسی ہزاروں حسیناؤں کو قربان کر سکتا تھا مگر اس مسئلے میں خود اس کا ذاتی مفاد پوشیدہ تھا۔

اس دوران میں عبداللہ ابن سبا نے اپنے منصوبے میں کچھ اور اضافہ کیا۔ اس نے دو اور سبائیوں کو تیار کیا اور ایک بڑا منصوبہ تیار کیا۔ اس نے حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کو بھی شہید کرنے کی اسکیم ترتیب دی۔

چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ عبدالرحمٰن ابن ملجم کوفہ پہنچ کر حضرت علیؓ کو شہید کرے۔ اس کی مدد شیب اور وردان کریں گے۔ دوسرا سبائی برک بن عبداللہ تمیمی تھا اسے

حکم ہوا کہ وہ شام جا کر حضرت امیر معاویہؓ کا سر اتار لے اور تیسرا سبائی عمر بن بکر تمیمی مصر کے گورنر عمرو بن عاصؓ کا خاتمہ کر دے۔

اس اہم منصوبے کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ ایک ہی تاریخ اور وقت مقررہ پر تینوں قاتل ایک ساتھ ان تینوں بزرگان دین اور اسلام کی جلیل القدر ہستیوں کو قتل کرنے کے لئے روانہ کئے گئے۔ اس گھناؤنے اور بزدلانہ منصوبے کی تکمیل کی تاریخ' ۱۷ رمضان ۴۰ ھ اور وقت نماز فجر مقرر ہوا۔

چونکہ مقامات میں کافی فاصلے تھے۔ اس لئے تینوں سبائی یا خارجی فوراً" مکہ سے روانہ ہوئے۔ برک بن عبداللہ تمیمی نے شام کا رخ کیا۔ عمرو بن بکر تمیمی مصر کی طرف چلا اور عبدالرحمٰن بن ملجم' زہریلی ناگن قطامہ کے ساتھ کوفہ واپس آگیا۔

کوفہ پہنچ کر قطامہ کو اپنے ناز و نخرے اور سحر میں ابن ملجم کو آخری وقت تک گرفتار رکھا۔ حضرت علیؓ اس منصوبے سے بے خبر خارجیوں کے بچے کھچے گروہ کے استیصال میں مصروف تھے۔ خارجیوں کا زور اگرچہ ٹوٹ گیا تھا تاہم وہ جا بجا فتنہ و فساد میں مصروف تھے اور حضرت علیؓ ۔ اطمینان کا سانس نہ لینے دیتے تھے۔

اسی دوران خریت ابن راشد ناجی نے بنی ناجیہ کے تین سو آدمیوں کے ساتھ حضرت علیؓ کے خلاف شورش بپا کی اور ملک کے مختلف حصوں میں قتل و غارت گری شروع کر دی۔ حضرت علیؓ نے زیاد بن حفصہ کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ زیاد نے مزار کے مقام پر خریت کو شکست دی۔ خریت بھاگ کر رامہرمز کی پہاڑیوں میں جا چھپا۔ حضرت علیؓ نے معقل بن قیس کو اس کے پیچھے بھیجا۔ معقل نے خریت کو پہاڑیوں میں گھیر کا اس کا خاتمہ کر دیا۔ پھر بھی خارجیوں نے حضرت علیؓ کو آخری وقت تک سکھ کا سانس نہ لینے دیا اور جا بجا فتنہ پردازی کرتے رہے۔

آخر وہ منحوس ساعت آ گئی۔ ۱۷ رمضان کو قطامہ نے نصف شب کے بعد عبدالرحمان ابن ملجم کو جگا دیا اور بڑے چاؤ سے اسے تیار کیا۔ آج قطامہ سب دنوں سے زیادہ ابن ملجم پر مہربانی تھی وہ بار بار اس کے گلے میں بانہیں ڈالتی اور اس کے جسم کے مختلف حصوں پر پیار کرتی رہی۔

ابن ملجم کے دونوں ساتھی شبیب بن نجدہ اور وردان اس کے ساتھ ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ جمعہ کی شب تھی۔ تینوں قاتل صبح سے بہت پہلے کوفے کی جامع مسجد میں جا کر چھپ گئے نماز فجر کے وقت حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حسب معمول مسجد میں سونے والوں کو نماز فجر کے لئے جگانا شروع کر دیا۔ اس وقت شبیب بن نجدہ کمین گاہ سے نکلا۔ اس نے خلیفہ چہارم پر زہر آلود تلوار سے وار کیا۔ حضرت علیؓ قطعی بے خبر تھے۔ آپ زخم کھا کر محراب پر گرے۔ ابن ملجم آگے بڑھا اور تلوار کا بھرپور وار حضرت علیؓ کے سر مبارک پر کیا۔ فاتح خیبر کی ریش مبارک خون میں تربتر ہو گئی۔ آپ سنبھل نہ پائے تھے کہ ابن ملجم مردود نے تلے اوپر کئی وار اور کر دیئے۔ حضرت علیؓ نے آواز دی کہ میرے قاتل کو پکڑو۔

ابن ملجم مسجد سے نکل کر بھاگا۔ لوگوں نے اسے بھاگتے دیکھا تو دوڑ کر پکڑ لیا۔ شبیب اور وردان اس دار و گیر میں نکل گئے۔

حضرت سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کو گھر پر لایا گیا۔ ابن ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔

حضرت علیؓ نے قاتل کو دیکھا۔ اسے پہچانا اور فرمایا۔ "اگر میں مر گیا تو اس شخص کو قتل کر دینا اور زندہ رہا تو خود جو سزا مناسب سمجھوں گا دوں گا۔"

زخم کاری تھے زہر تمام جسم میں پھیل گیا۔ آپؓ نے حضرت حسن و حسین اور محمد بن حنیفہ کو بلا کر اتفاق و اتحاد اور رشد و ہدایت کی تلقین فرمائی۔ پھر ۲۰ رمضان ۴۰ھ یک شنبہ کی نسبہ میں جگر گوشہ رسولؐ خاتون جنت حضرت فاطمہؓ کا شوہر، شہید کربلا اور بنائے لا الہ، حسینؓ کے مشفق باپ اور شمس الضحیٰ، بدر الدجےٰ، شافع محشر، خاتم النبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی اور داماد سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔

عبدالرحمان ابن ملجم کو قتل کر دیا گیا اور کہتے ہیں کہ قطامہ بنت شجنہ ربابی پاگل ہو گئی۔ اس نے تڑپ تڑپ اور سسک سسک کر جان دے دی۔ اس دن سے قطامہ کا لفظ ایک گالی بن گیا۔

قدرت کو حضرت امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کی موت ابھی منظور نہ تھی۔

برک بن عبداللہ دمشق پہنچا اور تاریخ مقررہ پر اس نے حضرت امیر معاویہؓ پر اس وقت حملہ کیا جب وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر باہر آ رہے تھے۔ وار اوچھا تھا۔ زخم معمولی لگا جو جلدی اچھا ہو گیا۔ برک گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

تیسرا قاتل عمرو بن بکر مصر پہنچا اور وقت معینہ پر اپنا عہد پورا کرنے کی کوشش کی حسن اتفاق دیکھئے کہ اس وقت عمرو بن عاصؓ بیمار تھے۔ وہ نماز کے لئے مسجد میں نہ آ سکے۔ ان کے بجائے خارجہ بن ابی حبیبہ نے نماز فجر کی امامت فرمائی۔ عمرو بن بکر نے خارجہ کو عمرو بن عاصؓ سمجھ کر حملہ کر دیا۔ حملہ اتنا زبردست تھا کہ خارجہ بن ابی حبیبہ نے اسی وقت جان دے دی۔ عمرو بن بکر بھی گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

ابلیس مصر

فرعون کا مزاج آج صبح ہی سے برہم تھا۔

ہوا یہ کہ فرعون رات کسی وقت ایک بھیانک خواب سے چونکا اور پریشان ہو کر خواب گاہ شاہی کے باہر راہداری میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ کنیزیں اور غلام بھی جاگ پڑے تھے۔ پہریدار اپنے اپنے مقام پر چوکس کھڑے تھے۔ سب کی نظریں فرعون پر تھی مگر کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ اس کے پاس جا کے حال دریافت کرے۔ فرعون کا حکم تھا کہ جب تک وہ گھنٹی نہ بجائے' یا تالی کی آواز نہ پیدا کرے اس وقت تک کوئی اس کے پاس نہ آئے۔

نہ فرعون کا بھاری بھاری قدموں سے ٹہلنا بند ہوا اور نہ غلاموں' کنیزوں اور پہریداروں نے اپنی اپنی جگہ چھوڑی۔ پھر سورج دیوتا (رع) کے بڑے مندر کا بڑا گھنٹہ بجا اس کے ساتھ ہی تمام چھوٹے مندروں کے گھنٹے بجنے لگے۔ پھر دھوپ پھیلی اور دن چڑھنے لگا۔

آخر فرعون کی کنیز خاص نے ہمت کی۔ وہ ڈرتے ڈرتے فرعون کے پاس پہنچی۔

"عالی جاہ!" کنیز آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

فرعون کے قدم اک دم رک گئے۔ اس نے گھور کے کنیز کو دیکھا۔

"دربار لگ گیا کیا؟" فرعون نے یوں کہا جیسے وہ ہوش میں نہ ہو۔

کنیز اس عجیب سوال پر گھبرا گئی۔ دربار اس وقت سویرے' سویرے پھر بغیر کسی اعلان کے۔ کنیز نے ذہانت سے کام لیا اور بولی۔

"حکم عالی ہو تو دربار لگوایا جائے؟"

"ضرور" اور فرعون پھر ٹہلنے لگا۔

کنیز کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے تیزی سے باہر کی طرف قدم اٹھائے۔

فرعون نے اپنے قدم روکے اور پہلے حکم میں اضافہ کیا۔

"دربار میں تمام نجومیوں' کاہنوں اور قیافہ شناسوں کو حاضر کیا جائے"۔

کنیز' فرعون کی آواز کے ساتھ ہی رک گئی تھی۔ اس نے توجہ سے حکم سنا اور پھر باہر کی طرف چلی۔

کنیز نے دو ہی قدم اٹھائے تھے کہ اس کے کانوں سے فرعون کی آواز پھر ٹکرائی۔

"دربار میں ان لوگوں کو بھی بلایا جائے جنہیں خواب کی تعبیر بیان کرنے میں کمال حاصل ہو"۔

دوسرا حکم سننے کے بعد کنیز پھر آگے بڑھی۔ یہاں تک کہ وہ راہداری پار کر کے قصر شاہی کے متصل مہمان خانہ کے پاس سے گذر کر محل کے سنگی دروازے پر پہنچ گئی۔ کنیز نے فرعون کے احکامات پہریداروں کو کس طرح بتائے اس کا تو علم نہیں لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ پورے محل میں بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔

مشکل سے ایک گھنٹہ گزرا ہو گا کہ دربار ہال امرا وزرا اور دوسرے عمائدین حکومت سے بھر گیا۔ ان سب کا لباس بہت مختصر تھا۔ ان کے جسم کا گھٹنوں سے کمر تک کا حصہ ایک تہہ بند میں پوشیدہ تھا۔ پیروں میں کچے چمڑے کی چپل نما جوتیاں تھیں۔ ان کی کلائیوں اور کہنیوں پر اسی طرح کا چمڑا چڑھا تھا۔ باقی بدن ننگا تھا۔ صرف سر پر ایک چنٹ دار ٹوپی سی منڈھی تھی۔

فرعون کا لباس بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔ اس کے سر پر گھونگریالے بالوں جیسا تاج یا کنٹوپ تھا اس کے ہاتھ میں ایک لانبا بھالا تھا اور ایک خنجر کمر میں اڑسا تھا۔

تیر کمان اس کا غلام ساتھ لئے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ دربار ہال میں کوئی دروازہ نہ تھا۔ ہال کی چھت کو کئی سو پتھر کے ستونوں پر بنایا گیا تھا۔ تخت دائیں جانب پتھر کی بڑی سورج دیوتا کی مورتی رکھی تھی۔ مورتی کو ایک انسانی شکل میں تراشا گیا تھا جس چاروں طرف کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

فرعون کو آتے دیکھ کر درباری کھڑے ہو گئے۔ پہلے فرعون نے مورتی کے سامنے سر جھکایا پھر درباری مورتی کے سامنے جھک کر آداب بجا لائے۔ فرعون جو بہ گھبرایا اور خاموش خاموش تھا۔ اس نے سامنے بیٹھے ہوئے نجومیوں' قیافہ شناسوں ا کاہنوں کو اشارے سے اپنے تخت کے قریب بلا لیا۔ پھر اس نے ان لوگوں سے اپنا خواب بیان کیا جو اسے نصف شب سے بے چین کئے ہوئے تھا۔

خواب کچھ ایسا الجھا ہوا تھا کہ کوئی اس کی فوری طور پر تعبیر نہ بتا سکا۔ سب نے غور و فکر کے لیے ایک ایک دو دو دن کی مہلت طلب کی۔ فرعون بگڑ گیا اور بائیں طرف کھڑے ہوئے اپنے سپہ سالار لشکر جو ملک کا وزیراعظم بھی ہوتا تھا' حکم دیا۔

"اگر دو گھنٹے کے اندر اندر خواب کی تعبیر نہیں بیان کی گئی تو تمام کاہنوں' قیا شناسوں اور منجموں کے سر قلم کر دیئے جائیں"۔

دربار پر ایسا سناٹا چھایا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ پھر سرگوشیاں اور ا کے بعد تعبیر دینے والوں میں سے ایک نے کھڑے ہو کر کہا۔

"ہم نے اس خواب پر الگ الگ پر سر جوڑ کر غور کیا ہے۔ ہم سب خواب ک ایک تعبیر پر تقریباً" متفق ہو گئے ہیں۔ ہم فرعون اعظم سے درخواست کرتے ہیں کہ ا اس تعبیر کو جو ہمارا صرف ایک رکن پیش کرے گا' ہم سب کی متفقہ تعبیر سمجھیں"۔

فرعون بہت بے چین ہو رہا تھا۔ اس نے چیخ کے کہا۔

"تعبیر پیش کی جائے۔ تم سب کی موت و زندگی مشترک ہے"۔

تعبیر بتانے والوں میں سب سے ضعیف ایک کاہن تھا۔ سب نے اس کو اپنا نمائندہ منتخب کیا اور اس نے کھڑے ہو کر فرعون کے خواب کی تعبیر بیان کی۔

"اے فرعون اعظم ہم سب نے یعنی تمام قیافہ شناسوں اور کاہنوں کے اس

بات پر اتفاق کیا ہے کہ فرعون اعظم کے خواب کی صرف اور صرف یہ تعبیر ہے کہ مصر کے عظیم شہنشاہ فرعون رامیسس کی حکومت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ سے ہو گا"۔

بوڑھے کاہن کی بیان کی ہوئی تعبیر کی تصدیق ہر ایک نے باری باری کھڑے ہو کے کی۔ اس سے تمام تعبیر دینے والے موت کے گھاٹ اترنے سے بچ گئے۔ چونکہ یہ تعبیر متفقہ تھی اس لیے فرعون نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ فرعون نے دربار برخاست کر دیا اور اس غور و فکر میں ڈوب گیا کہ اگر کاہنوں کا یہ کہنا درست ہے تو پھر پورے ملک مصر میں آباد ہزاروں اسرائیلیوں میں سے اس لڑکے کو کیسے تلاش کیا جائے جو اس کی سلطنت کے زوال کا باعث ہو سکتا تھا۔

تمام دن غور و فکر کرنے کے بعد بھی فرعون کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا اور کوئی ترکیب اس کے ذہن میں ایسی نہ آئی جس کے ذریعہ وہ اس لڑکے کی شناخت کر سکے جو اس کی سلطنت کا تختہ الٹ سکتا تھا۔ پھر اس نے رات کی تنہائی میں شہر منفس کے سب سے بڑے کاہن کو اپنے محل میں طلب کیا۔

یہ کاہن صرف فرعون کو مشورہ دینے پر مامور تھا۔ فرعون نے سب سے پہلے اپنے خواب کی تعبیر اسی کاہن سے پوچھی تھی مگر وہ فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکا تھا اور اس نے اس کے جواب کے لیے چند دن کی مہلت مانگی تھی۔ فرعون اب اس کی تسلی اور مشورہ کی سخت ضرورت تھی۔

شاہی کاہن کو پہلے ہی علم تھا کہ فرعون اسے کسی وقت طلب کر سکتا ہے کیونکہ تعبیر بتانے والوں نے اسرائیل کے اس بچے کی کوئی شناخت نہیں بتائی تھی جو اس کے زوال کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس کے کئی جواب کاہن نے سوچ رکھے تھے۔ چنانچہ اپنی طلبی پر وہ قطعی ہراساں نہ ہوا اور بڑے اطمینان کے ساتھ قصر شاہی پہنچا۔

شاہی کاہن کو فوراً" بلا لیا گیا۔ فرعون پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے کے باہر کی راہداری میں ٹہل رہا تھا۔ وہ کاہن کو دیکھ کر رکا اور بولا۔

"کاہن سیدھے ہو اور میرے ساتھ آ جاؤ"۔

کاہن تعظیم کے لیے کمر تک جھکا کھڑا تھا۔ فرعون کی آواز سن کے وہ سیدھا ہوا اور اس کے عقب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ فرعون راہداری کے کئی کمرے چھوڑ کے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ کاہن دروازے پر پہنچ کے رک گیا۔ اندر داخل ہونے کی اسے ہمت نہ پڑی۔ فرعون جس شخص کو اپنے محل میں طلب کرتا اس کے ساتھ مہمان کے کمرے میں ملاقات کرتا تھا۔ فرعون نے اپنے رہائشی حصہ میں آج تک نہ کسی کو بلایا تھا اور نہ کسی نے اس حصہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ کاہن کی عزت افزائی تھی کہ اس نے شاہی کاہن کو اپنے پاس طلب کیا اور اس سے اپنے خاص محل کی راہداری میں گفتگو بھی کی تھی اور اسے ساتھ آنے کا حکم دیا تھا۔

شاہی کاہن مودب دروازے پر کھڑا تھا کہ اندر سے آواز آئی۔

"اندر آ جاؤ کاہن۔ تمہیں اجازت ہے"۔

کاہن نے فرعون کی آواز سنی۔ ہچکچاتا پھر اندر داخل ہوا۔ فرعون کا اتنا رعب تھا کہ شاہی کاہن کمرے میں پہنچ جانے کے باوجود نظر گھما کر کسی طرف نہ دیکھ سکا۔

"بیٹھ جاؤ"۔ فرعون نے ایک پتھر کے اسٹول کی طرف اشارہ کیا۔

کاہن نظریں جھکائے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

"شاہی کاہن"۔ فرعون نے بغیر کسی تمہید کے گفتگو کا آغاز کر دیا۔ "میں بہت فکر مند ہوں تم اس فکر کو دور کر سکتے ہو شاید؟"

"اے فرعون اعظم"۔ کاہن نے ادب سے کہا "میں کیا اور میری بساط کیا پھر بھی اگر فکر کی نوعیت معلوم ہو جائے تو شاید کوئی مفید مشورہ پیش کر سکوں"۔

شاہی کاہن نے بھی "شاید" کا سہارا لے کر اپنا پہلو بچایا۔

"نہیں کاہن۔ تم آسمانی دیوتاؤں کے راز دار ہو"۔ فرعون نے اس کی تعریف کی۔ "تم ضرور کوئی تدبیر کرو گے"۔

"اے فرعون اعظم"۔ کاہن نے فوراً جواب دیا۔ "میں تو صرف دیوتاؤں کا راز دار ہوں مگر آپ تو ان کے ہم مرتبہ اور ہم مشرب ہیں۔ فرمایئے کس سلسلہ میں آپ کو مشورہ درکار ہے؟"

فرعون اس کے پاس آیا اور اس کے اسٹول پر ایک پیر رکھ کر بولا۔

"تم لوگوں نے میرے خواب کی جو تعبیر بتائی ہے۔ وہ ضرور درست ہو گی اس لیے کہ وہ میرے دل کو لگتی ہے مگر اب سوال یہ ہے کہ اس لڑکے کو کس طرح تلاش کیا جائے جو ہماری حکومت کے لیے خطرہ بن سکتا ہے مصر میں بنی اسرائیل کی آبادی لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ اگر بنی اسرائیل کے تمام لڑکوں کو قتل کرا دیا جائے تو یہ نحوست دور ہو سکتی ہے مگر اس سے بغاوت کا خطرہ ہے۔ کیا اچھا ہو کہ تم کوئی ایسی تدبیر بتاؤ جس سے سانپ مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے؟"

کاہن سمجھ گیا کہ فرعون نے تعبیر کے الفاظ کا غلط مطلب نکالا ہے اور اس وجہ سے یہ زیادہ پریشان ہے۔ آخر کاہن الفاظ تولتے ہوئے بولا۔

"اے فرعون اعظم۔ آپ کو یہ خیال کس طرح آیا کہ بنی اسرائیل کے تمام لڑکوں کو قتل کرا کے اس نحوست سے نجات حاصل ہو سکتی ہے؟"

فرعون نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا تم لوگوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ مصر کی عظیم سلطنت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ سے ہو گا۔ کیا میں نے غلط سنا ہے کچھ؟"

"اے فرعون اعظم"۔ کاہن بولا۔ "بے شک خواب کی تعبیر یہی ہے لیکن اسرائیلی لڑکے سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس وقت کے اسرائیلی لڑکوں میں سے کوئی ایک سلطنت مصر کے زوال کا باعث ہو گا"۔

"پھر کیا مطلب ہے اس کا؟" فرعون نے پریشان نظروں سے کاہن کو دیکھا۔ "کیا تم لوگوں کا مطلب بنو اسرائیل میں جو بچے اب پیدا ہوں گے ان میں وہ لڑکا بھی ہو گا جو سلطنت مصر کا تختہ الٹ دے گا؟"

"اب فرعون اعظم صحیح مطلب سمجھے ہیں تعبیر کا"۔ کاہن نے تصدیق کی۔ "یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے؟"

"بے شک ۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں"۔ فرعون دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔

"ہم اسی وقت فرمان جاری کئے دیتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے گھرانوں میں گزشتہ کل سے اور آئندہ ہمیشہ کے لیے جس کسی گھرانے میں لڑکا پیدا ہو اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔ اگر کسی اسرائیلی نے نوزائیدہ بچے کی پیدائش کو چھپانے کی کوشش کی تو اس لڑکے کے ساتھ اس کے ماں اور باپ کو بھی قتل کر دیا جائے گا"۔

شاہی کاہن نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"اے فرعون اعظم آپ دنیا میں سب سے زیادہ دانا' بینا اور ذہین ہستی ہیں۔ اس دنیا میں کیا' آسمانوں کے خداؤں میں بھی بہت کم خدا آپ کی عقل و دانش کے برابر ہوں گے۔ آپ کے اس اعلان سے اس خطرے کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا جس کے لیے آپ کل سے فکر مند ہیں"۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو"۔ فرعون اپنی تعریف سے اور زیادہ پھول گیا۔ "تم بھی عقلمند ہو کہ تم نے ایک ذرا سا اشارہ کیا اور ہم نے فوراً" اس کا حل ڈھونڈ لیا"۔

پوری مصری سلطنت میں منادی کرا دی گئی کہ جس کسی اسرائیلی گھرانہ میں لڑکا پیدا ہو وہ فوراً" اسے قتل کر ڈالے اور اس کی اطلاع قریب ترین سرکاری دفتر میں درج کرائے بصورت دیگر لڑکے کے ساتھ ساتھ اس کے والدین کو بھی تہہ تیغ کر دیا جائے گا۔

اسرائیلی گھرانوں میں فرعون کے اس ظالمانہ اعلان سے کہرام مچ گیا مگر صدیوں کی غلامی نے ان کی ہمتوں کو پست کر دیا تھا اور ان کے ذہن تک غلام ہو چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے نہ کوئی احتجاج کیا اور نہ کسی طرف سے کوئی آواز بلند ہوئی۔ تمام اسرائیلیوں (یہودی) نے اسے تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر قبول کر لیا اور خاموش ہو کے بیٹھ گئے۔

اسرائیلی اور یہودی کون تھے اس کے بارے میں آپ ضرور جانتے ہوں گے پھر بھی نہ جاننے والے قاریوں کے لیے اس موضوع پر تھوڑی روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے کئی بیویاں تھیں۔ ان میں تین بیگمات زیادہ مشہور ہیں ایک حضرت سارہؓ دوسری حضرت ہاجرہؓ اور تیسرہ حضرت قطورہؓ۔

حضرت سارہؓ سب سے بڑی بیگم ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؓ بوڑھے ہو گئے مگر ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی تو خود حضرت سارہؓ نے حضرت ابراہیمؑ کا عقد حضرت ہاجرہؓ سے کرا دیا حضرت ہاجرہ دراصل ایک فرعون مصر کی بیٹی تھیں مگر توریت میں انہیں فرعون کی لونڈی لکھا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کافی ضعیف ہو چکے تھے مگر اللہ نے انہیں اس عمر میں حضرت خدیجہ کے بطن سے ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام اسماعیل رکھا گیا۔

حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کی خدا کے حکم سے قربانی کرنا چاہی تو خدا نے ان کی چھری کے نیچے سے اسماعیل کو نکال کر ایک گوسفند (بھیڑ) کو رکھ دیا۔ اسی قربانی کی یاد میں تمام مسلمان عیدالاضحیٰ کو قربانی دیتے ہیں۔ ہم سب مسلمان حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں ہیں اور ہمارا صحیفہ آسمانی قرآن حکیم ہے۔

حضرت اسماعیل کی پیدائش کے بعد اللہ نے ابراہیمؑ کو حضرت سارہؓ کے بطن سے بھی لڑکا دیا جس کا نام اسحاق رکھا گیا۔ خیال رہے کہ اسحاقؑ جس وقت پیدا ہوئے اس وقت حضرت اسماعیلؑ کی عمر نو دس سال کی ہو چکی تھی یعنی حضرت اسماعیلؑ ' حضرت اسحاقؑ سے بڑے ہیں مگر یہودی یعنی اسرائیلی حضرت اسحاقؑ کو بڑا بیٹا کہتے ہیں جو قطعی غلط ہے اور اس کی درستگی بہت ضروری ہے۔

حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے۔ حضرت یعقوبؑ کا ایک نام اسرائیل بھی تھا اس لیے ان کی اولاد بنی اسرائیل یا یہودی کہلاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ہماری کہانی کے موضوع ہیں وہ بھی بنی اسرائیلی خاندان یا قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام تھے جن کا حسن و جمال دنیا بھر میں مشہور ہے۔ "داستان یوسف" کے نام سے جو کہانی اس کتاب میں شامل ہے وہ انہی یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی زلیخا کے بارے میں ہے۔

جس طرح مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا نے قرآن نازل فرمایا تا اسی طرح بنی اسرائیل کی آسمانی کتاب توریت شریف ہے توریت اگرچہ قرآن حکیم ہی کی طرح مقدس ہے اور ہم مسلمان اسے آسمانی صحیفہ

تسلیم کرتے ہیں لیکن اس میں اس قدر ترمیم کر دی گئی ہے کہ اصل توریت کہیں نظر نہیں آتی۔

بنی اسرائیل کی اس تشریح کے بعد اگر فرعونوں کی سرزمین یعنی ملک مصر کا بھی تھوڑا سا حال بیان کر دیا جائے تو وہ قاری کی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ آیئے اب ہم مصر کا کچھ حال بیان کرتے ہیں۔

فارسی زبان کا ایک مشہور مقولہ ہے۔

"ہر فرعونے را موسیٰؑ"

یعنی اللہ تعالیٰ ہر فرعون (خود سر۔ مغرور) کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لیے ایک موسیٰؑ یعنی ایک نیک بندہ پیدا کر دیتا ہے۔ اس کو حق و باطل کا مقابلہ بھی کہا جاتا ہے۔ ہماری کہانی کا عنوان "ابلیس مصر" ہے۔ یہ ابلیس دراصل وہ فرعون ہے جس نے حضرت موسیٰؑ اور ان کی امت کو مصر سے نکالنے کی کوشش کی تھی مگر فرعون اپنی اس کوشش میں ناکام رہا۔

فرعون کسی بادشاہ کا نام نہیں ہے بلکہ مصر کے ہر بادشاہ کا لقب "فرعون" ہوتا تھا۔ اسی لیے مصری بادشاہوں کو "فراعنہ مصر" کہا جاتا ہے۔ جس فرعون کے زمانہ میں حضرت موسیٰؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لے گئے تھے اس فرعون کا نام منفتاح اول تھا۔ اس کہانی کے شروع کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی تھوڑی سی تاریخ پر روشنی ڈال دی جائے۔

ملک مصر براعظم افریقہ کے شمالی مشرقی کونہ پر آباد اس پورے براعظم میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور خوشحال ملک ہے۔ قاہرہ جہاں کی جامعہ ازہر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی ہے۔ اس ملک کا دارالسلطنت اور بحر روم پر واقع اسکندریہ سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ عظیم مسلمان مورخ علامہ ابن خلدون نے قدیم اہل مصر کو حام بن نوح کے بیٹے مصرایم کی اولاد سے لکھا ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ عہد حجری (یعنی پتھر کر زمانہ) میں پہاڑ پر رہنے والے وہاں سے اتر کر آئے اور انہوں نے مصر کو آباد کیا۔

مصرایم کی اولاد ملک شام میں آباد تھی۔ وہ ہجرت کر کے وادی نیل میں آکر آباد ہوئی۔ خیال رہے کہ نیل، مصر کا سب سے بڑا دریا ہے اور اس کے کنارے قاہرہ کا مشہور شہر آباد ہے۔ اللہ کا کرم ہے کہ آج کل مصر ایک مضبوط، طاقتور اور خوشحال اسلامی ملک ہے۔ اس ملک کو عہد امیر معاویہؓ میں ان کے مشہور سالار عمرو بن العاص نے فتح کیا تھا اور فاتح مصر کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔

قدیم مصر اور بھارت دونوں کا مذہب بت پرستی تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ دنیا کی ابتدا پانی سے ہوئی ہے۔ اسی سے سے خشک زمین نکلی اور اسی میں سے سورج دیوتا نکلا۔ چنانچہ سورج دیوتا کا نوروز دریا کے سیلاب سے ایک دن پہلے منایا جاتا ہے۔ وہاں کے مندروں کے ساتھ تالاب اور بیچ میں ٹیلا ہوتا ہے جو اس بات کی یادگار تھی کہ ابتدا میں پانی سے خشک زمین نکلی تھی۔ بھارت میں بھی تالاب کے درمیان میں ٹیلہ پر کوئی مندر بنا ہوتا ہے تو زیادہ مقدس سمجھا جاتا ہے۔ مصریوں کی روایات کے مطابق قدیم زمانہ میں ایک طوفان آیا تا جس سے تمام زمین ڈوب گئی تھی۔

مصر قدیم میں آبادی پانچ طبقوں میں تقسیم تھی۔ کاہن، جنگی جماعت، تاجر، کاشتکار اور گلہ بان۔ کاہن دینی پیشوا ہوتے تھے۔ ان کے حکم کو مثل خدا کے حکم کے تسلیم کیا جاتا تھا۔ جنگی جماعت دشمنوں سے مقابلہ کے لیے تھی کاہنوں اور جنگی جماعت کے سوا باقی تینوں طبقوں یعنی تاجر، کاہن اور کاشتکار کو زمین کی ملکیت نہیں حاصل ہو سکتی تھی وہ زمین کرایہ یا ٹھیکہ پر حاصل کر کے کاشت کرتے تھے۔

مصر کے باشندوں کا بڑا مشغلہ کھیتی باڑی تھا۔ پھر عرصہ دراز کے بعد ان میں چھوٹی چھوٹی سرداریاں بن گئیں جو آپس میں برسرپیکار رہتی تھیں۔ آخر دو بڑی سرداریاں بنیں اور تمام چھوٹی سرداریاں ان میں ضم ہو گئیں۔ یہ دونوں سرداریاں دراصل حکومتوں کی تشکیل کی ابتدائی صورت تھی ایک شمالی یا بالائی حکومت تھی جس کا دارالسلطنت تھبس بنا۔ اس حکومت کا نشان سفید رنگ تھا۔ دوسری حکومت وسط مصر کی تھی۔ اس کا دارالحکومت منفس اور نشان سرخ رنگ تھا۔ تھبس سب سے قدیم شہر تھا۔

دونوں حکومتوں کے حکمرانوں نے بڑے بڑے محلات' مندر' اونچے بت اور وسیع تہہ خانے بنائے تھے۔ آئندہ زمانہ میں منفس زیادہ ترقی کر گیا۔ ۴۴۰۰ء قبل مسیح میں منفس کا شہنشاہ مینس تھا۔ مینس کو مصر کا سب سے پہلا شہنشاہ کہا جاتا ہے۔ اس نے مصریوں کے لیے آداب اور مذہبی رسومات مرتب کئے تھے۔ اس نے اکسٹھ سال (۶۱) حکومت کی اور ایک دریائے گھوڑے کے حملہ سے ہلاک ہوئے۔

قبطی زبان میں مصر کو خم کہتے تھے' عبرانی زبان میں مصریم کہا جاتا تھا۔ جس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ٹوکرے میں بہتے ہوئے دریائے نیل سے نکالا گیا تھا اس جگہ کو مصریم کہتے تھے۔ اسے آگے چل کر مصر کہا جانے لگا۔

شہنشاہ مینس سے جس سلطنت کی بنیاد ڈالی اس پر اکتیس شاہی خاندانوں نے حکومت کی۔ ان بادشاہوں کی مجموعی تعداد دو سو ستر (۲۷۰) ہوتی ہے۔ ان کی حکومت ۵۲۵ ق ۔ م تک رہی پھر مصر کو ایرانیوں کے فتح کر لیا۔ مصر کے ان تمام بادشاہوں کو فرعون کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

مصریوں کا مذہب اگرچہ سورج پرستی اور بت پرستی تھا مگر مسلمان اس سرزمین کو اس لیے مقدس سمجھتے ہیں کہ یہاں عہد قدیم ہی سے پیغمبروں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ ۲۲۰۰ ق م میں جب جنوبی مصر میں سامی بادشاہ ابو ملک (اقیون) کی حکومت تھی تو وہاں توریت کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ تشریف لے گئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے' سامی بادشاہ ایابی اول "ریان بن ولید" کے عہد میں مصر تشریف لے گئے تھے۔ ریان بن ولید جسے رع کانن بھی کہا جاتا ہے کے وزیر عزیز مصر قطفیر (دو فرہتہ الشمس) نے حضرت یوسف علیہ اسلام کو خریدا تھا اور آگے چل کر حضرت یوسفؑ ریان کے وزیر مال مقرر ہوئے تھے۔

ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کو ہمارے انبیائے کرام کے قدم چومنے کا اکثر موقعہ ملتا رہا ہے۔ اس مختصر تعارف کے بعد ہم پھر اپنی اصل کہانی کی طرف آتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کا اعلان کرائے ہوئے ایک ماہ گزر گیا مگر فرعون کو ایک بھی اسرائیلی لڑکے کے قتل کی خبر نہ پہنچائی گئی۔ فرعون کو اس بات پر سخت غصہ آیا اس نے دارالسلطنت منفس کے شہر کوتوال کو طلب کر کے اس سے سوال کیا۔

"کیا دارالسلطنت منفس میں آباد ہزاروں اسرائیلیوں کے گھر گزشتہ ایک ماہ کے دوران ایک بھی لڑکا پیدا نہیں ہوا؟

"عالی جاہ" شہر کوتوال نے سر جھکا کے جواب دیا۔ "اسرائیلی گھرانوں سے کسی لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر مجھے نہیں ملی"۔

"ہونہہ ---- یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ فرعون غصہ سے کھڑا ہو گیا۔ "ملک مصر الگ رہا صرف دارالسلطنت منفس میں ایکماہ میں کم از کم دس بیس بچے ضرور پیدا ہوئے ہوں گے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی بچہ پیدا نہ ہوا ہو"۔

"عالی جاہ" شہر کوتوال نے وضاحت کی۔ "شہر میں بچے تو بہت سے پیدا ہوئے مگر ان سب کا تعلق مصری خاندانوں اور گھرانوں سے ہے۔ بنی اسرائیل کے گھرانوں میں بھی بچے پیدا ہوئے مگر وہ تمام کی تمام لڑکیاں ہیں۔ حکم ہو تو اسرائیلی گھرانوں میں پیدا ہونے والی لڑکیوں کو قتل کر دیا جائے؟

"نہیں نہیں---" فرعون چیخا---- "لڑکیوں کے قتل سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہو گا"۔ پھر فرعون کچھ سوچتے ہوئے بولا--- "یقیناً" تمہاری اطلاعات ناقص ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے اس سلسلے میں کیا کیا انتظامات کئے ہیں؟"

شہر کوتوال نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"عالی جاہ۔ ہم نے پوری سلطنت مصر اور خاص کر شہر منفس میں منادی کرائی تھی کہ جس اسرائیلی گھرانے میں لڑکا پیدا ہو اس کا باپ اس کی اطلاع فوراً" دفتر آباد کاری میں پہنچائے اگر اس نے اس میں ذرا کوتاہی کی تو اسے اور اس کے گھر والوں کو سولی چڑھا دیا جائے گا۔ پھر جب ایک ہفتہ تک کسی طرف سے کسی اسرائیلی لڑکے کی پیدائش کی اطلاع نہ ملی تو میں نے شہر کی تمام دائیوں کو بلا کر انہیں حکم دیا کہ وہ جب کہیں بچہ پیدا کرنے جائیں تو یہ معلوم کریں کہ وہ بچہ کسی اسرائیلی گھرانہ میں تو پیدا

نہیں ہوا مگر اس تدبیر کے باوجود مجھے کسی اسرائیلی گھرانہ میں لڑکا پیدا ہونے کی اطلاع نہیں ملی"۔

فرعون نے ایک نیا نکتہ نکالا۔ اس نے شہر کوتوال سے کہا۔

"ہمارا خیال ہے کہ دائیاں عورتیں ہونے کی وجہ سے نرم دل ہوتی ہیں وہ اپنی اس فطرت کی وجہ سے لڑکے کی پیدائش کو پوشیدہ رکھتی ہوں گی۔ تمہارا کیا خیال ہے شہر کوتوال؟"

شہر کوتوال' فرعون کی یہ بات سن کر بہت حیران ہوا۔ اس کا خیال تھا اور یہ خیال بڑی حد تک درست بھی تھا کہ "فرعون مصر" جنگ و جدل اور شراب و کباب کے علاوہ کسی دوسرے انسانی جذبہ کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے مگر فرعون نے جو نکتہ بیان کیا تھا وہ انسانی سرشت کا ایک اہم موضوع تھا۔ پھر بھی اس نے اپنی جان بچانے کے لیے فرعون کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اس نے کہا۔

"عالی جاہ کا اندازہ درست معلوم ہوتا ہے۔ دائیوں نے واقعی حکومتی احکامات کی خلاف ورزی کی ہو گی"۔

فرعون خوش ہو گیا کہ اس نے شہر کوتوال کے سامنے ایک ایسا نکتہ پیش کیا ہے جس کی اسے خبر نہ تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور بولا۔

"شہر کوتوال حکومت کی حکم عدولی ناقابل برداشت ہے۔ تم تمام دائیوں کو حاضر کرو اور اگر وہ ہمیں مطمئن نہ کر سکیں تو انہیں ایک قطار میں کھڑا کر کے ان کے سر قلم کر دیئے جائیں"۔

"عالی جاہ کی عقل و دانش کو کون پہنچ سکتا ہے"۔ شہر کوتوال نے اور زیادہ چاپلوسی کی۔ "یہ دائیاں واقعی اسی قابل ہیں"۔

چنانچہ دوسرے دن دربار میں شہر کی تمام دائیوں کو پیش کیا گیا دائیوں نے شہر کوتوال کی بہت زیادہ خوشامد کی کہ انہیں یہ تو بتایا جائے کہ ان کی دربار میں پیشی کیوں ہوئی ہے مگر شہر کوتوال بہت چالاک تھا اس نے آئیں بائیں شائیں کر کے بات کو ٹال دیا۔

اسی وقت فرعون نے شہر کوتوال کو حکم دیا۔

"ان دائیوں سے دریافت کیا جائے کہ انہوں نے کتنے اسرائیلی لڑکوں کو پیدا کرایا ہے اور اپنی رحمدلی کی وجہ سے اس کی اطلاع سرکاری دفتر میں نہیں دی گئی اگر انہوں نے اس وقت بھی اسرائیلی لڑکوں کی پیدائش کی نشاندہی کر دی تو انہیں معاف کر دیا جائے گا ورنہ اگر کسی دوسرے ذریعے سے یہ معلوم ہو گیا کہ فلاں اسرائیلی کے گھر فلاں دائی نے لڑکا پیدا کرایا تھا تو اسے فوراً سولی پر چڑھا دیا جائے گا"۔

شہر کوتوال نے باری باری ہر دائی سے سوال کیا کہ آیا انہوں نے کسی اسرائیلی بچہ کو پیدا کرایا ہے۔ اس نے دائیوں کو یقین دلایا کہ ان کی اس پہلی غلطی کو معاف کر دیا جائے گا لیکن کسی دائی نے اقبال نہیں کیا کہ اس نے کسی اسرائیلی گھر میں کسی لڑکے کو پیدا کرایا ہے ممکن ہے بعض دائیوں نے رحم کھا کر کسی اسرائیلی لڑکے کی پیدائش کی اطلاع نہ دی ہو مگر اس وقت جو صورت حال تھی اس نے انہیں اس قدر خوفزدہ کر دیا کہ تمام کی تمام دائیاں انکار کر گئیں۔

فرعون کو طیش آ گیا۔ فرعون نہ صرف مصر کے خود مختار بادشاہ ہوتے تھے بلکہ ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ آسمانی خداؤں کی ربوبیت اور الوہیت میں ہی حصہ دار ہیں۔ اسی وجہ سے بعض فرعونوں نے خود کو خدا کہلوانا شروع کر دیا تھا اور ان کے بت بنا کے اسی طرح پوجے جاتے تھے جس طرح آسمانی دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی۔

فرعون کے طیش سے ہر شخص گھبراتا تھا۔ شہر کوتوال نے فرعون کی تیوریاں چڑھی دیکھیں تو وہ کانپ گیا کہ پتہ نہیں فرعون کا غصہ کس پر اترے گا۔ وہ ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ فرعون نے حکم دیا۔

"یہاں موجود تمام دائیوں اور شہر کوتوال کی گردنیں قلم کر دی جائیں"۔

شہر کوتوال کا تو رنگ فق ہو گیا مگر دائیوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ بعض دائیاں فرعون کے سامنے سجدے میں گر گئیں۔ بعض نے سورج دیوتا "رع" کے واسطے دینا شروع کر دیئے غرضیکہ اس کھلے دربار میں ہر طرف چیخ پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔ درباریوں میں بڑے بڑے سردار تھے۔ جنہوں نے بیسیوں جنگوں میں حصہ

لیا تھا اور فرعون انہیں قدر کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا مگر کسی سردار کی ہمت نہ پڑی کہ وہ دائیوں کی سفارش کرے۔

مشہور ہے کہ جب موت سامنے آ جائے اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہ جائے تو انسان بہادر ہو جاتا ہے اور اپنے دفاع کی پوری کوشش کرتا ہے ان میں ایک دائی جو دوسروں کی بہ نسبت جوان تھی۔ اس نے چیخ کے کہا۔

"فرعون اعظم کی یہ بے انصافی ہے کہ انہوں نے ہمیں صفائی کا موقعہ دیئے بغیر موت کا حکم صادر کر دیا۔ یہ سراسر ظلم ہے خداوند راع کے بندوں کے ساتھ زیادتی ہے اور قانون کے خلاف حکم ہے"۔

فرعون کے بعض سرداروں نے دائی کے اس بیان کو توجہ سے سنا اور انہیں بھی یہ محسوس ہوا کہ فرعون واقعی اس وقت ظلم کر رہا ہے۔ اسے کم از کم دائیوں کا جواب تو سن لینا چاہیے تھا۔ چنانچہ انہوں نے گردنیں اٹھا اٹھا کر فرعون کی طرف دیکھنا شروع کیا کہ شاید فرعون اپنے حکم میں کوئی ترمیم، تنسیخ کرے۔

فرعون اگر مطلق العنان شہنشاہ اور خدائی کا بھی دعویدار تھا مگر اس نے ا... سرداروں میں بے چینی اور بے یقینی کی کیفیت دیکھی تو وہ بھی گھبرا گیا۔ اس... اعتراض کرنے والی دائی کو اشارہ سے اپنے قریب بلایا اور اس سے کہا۔

"کیا تجھے یقین ہے کہ تو اپنی کوتاہی کی کوئی ایسی دلیل پیش کر سکے گی جس... ہم مطمئن ہو جائیں اور تو قتل سے بچ جائے؟"

"بے شک میں خدائے رعمیسس کے سامنے ایسی دلیل پیش کروں گی جسے... کے انہیں اپنا حکم بدلنا پڑے گا۔" دائی نے کچھ ایسے پر یقین لہجے میں کہا کہ... والے حیران رہ گئے۔ خدائے رعمیسس اس فرعون کا نام جس نے بنی اسرائیل... بہت تنگ کیا تھا مگر یہ وہ فرعون نہیں ہے جو حضرت موسیٰؑ کا تعاقب کرتے ہو... دریائے نیل میں غرق ہو گیا تھا۔ وہ اس رعمیسس کا بیٹا، فرعون منفتاح تھا۔... موسیٰؑ کی مصر سے روانگی کے وقت رعمیسس مر چکا تھا اور اس کا بیٹا منفتاح... اقتدار تھا۔

دائی کا اس قدر اعتماد سے جواب دینا فرعون کو اور زیادہ ناگوار گزرا اور اس نے چیختے ہوئے کہا۔

"فضول باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔ بیان کر تو اپنی کوتاہی کے لیے کیا دلیل پیش کرتی ہے؟"

دائی نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

"اے فرعون اعظم اور خدائے رع کے ہم نشین۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ اسرائیلی عورتیں، مصری عورتوں سے زیادہ تندرست و توانا اور محنت کش ہوتی ہیں۔ اسرائیلی حاملہ عورتیں ہم دائیوں کی مدد سے بچہ پیدا کرنا پسند نہیں کرتیں۔ وہ خود ہی بغیر کسی مدد کے اپنا بچہ پیدا کرتی ہیں اور ہمیں اس کی خبر بھی نہیں ہونے دیتیں۔ اس صورت میں جبکہ اسرائیلی عورتیں ہم سے اپنے بچے پیدا ہی نہیں کراتیں تو ہمیں کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ کس کے یہاں کب ولادت ہوئی اور اس کی جنس کیا تھی۔ امید ہے کہ فرعون اعظم ہماری مجبوری کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں معاف فرمائیں گے"۔

پورے دربار پر سناٹا چھا گیا۔ فرعون خود بھی دائی کی اس دلیل کو رد نہ کر سکا۔ مصر میں چونکہ مصری حاکم تھے اس لیے ان کی عورتیں عیش و آرام کی زندگی گذارتی تھیں برخلاف اسرائیلی عورتوں کے جو محکوم ہونے کی وجہ سے گھر کا کام کرنے کے بعد باہر جا کر بھی محنت مزدوری کرتی تھی تاکہ ان کے گھر کا خرچ چل سکے۔ چنانچہ فرعون نے دائی کی دلیل کے پیش نظر تمام دائیوں کو معاف کر دیا اور وہ سب خوشی خوشی فرعون اور اس دائی کو دعائیں دیتی ہوئی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی گئیں۔

مختصر یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو مصر میں پیدا ہونا تھی اور انہیں نبی بھی ہونا تھا۔ اس لیے اس کے انتظامات قدرت کی طرف سے خود بخود ہونا شروع ہو گئے چنانچہ عمران کے گھر جن کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا، ایک رات ایک خوبصورت اور تندرست و توانا بچہ پیدا ہوا۔ یہی بچہ آگے چل کر موسیٰ علیہ السلام کے نام سے جانا اور پہچانا گیا اور فرعون مصر جیسے قاہر اور ظالم کے مقابلہ پر خم ٹھونک کے کھڑا ہوا۔

اس بچے کی ماں کا نام "یوکابد" تھا اور باپ عمران تھے جن کا شجرۂ نسب چند پشتوں کے واسطے سے حضرت یعقوب علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

عمران بن قامت بن الادی بن یعقوبؑ۔ یہی یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے محترم والد بزرگوار ہیں جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ حضرت یوسفؑ کا خاندان مصر ہی میں آباد ہو گیا تھا۔ حضرت یعقوب کا دوسرا نام اسرائیل تھا اس لیے یہ خاندان بنی اسرائیل کہلایا اور اسی خاندان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

یہ وہ وقت تھا کہ شہر کوتوال کے آدمی اسرائیلی آبادیوں، قصبوں اور محلوں میں بو سونگھتے پھرتے تھے کہ کسی اسرائیلی کے گھر لڑکا تو نہیں ہوا۔ ادھر بی بی "یوکابد" ہر وقت خوفزدہ رہتی کہ وہ پورے دنوں سے تھیں اور کسی وقت بھی ان کے یہاں ولادت ہو سکتی تھی یہ ایک فطری بات ہے کہ مظلوم ہوں یا مقہور یا پھر کسی رعیت ہوں، ان میں آپس میں اتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پورے مصر کے اسرائیلیوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ پیدا ہونے والے اسرائیلی لڑکوں کو بچانے کی انتہائی کوشش کریں گے خواہ اس میں کچھ جانیں ہی کیوں نہ چلی جائیں۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ اسرائیلیوں کی تمام حاملہ عورتیں گھروں میں چھپ کے بیٹھ گئیں اور باہر کے لوگوں کو یہ معلوم ہی نہ ہونے دیا کہ کس کے گھر کب ولادت ہوئی۔ جہاں ولادت ہوتی وہاں محلے کی چار چھ معتبر اور تجربہ کار عورتیں جمع ہو جاتیں وہ اس طرح زچہ بچہ کو سنبھالتیں کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہیں ہوتی۔

حضرت موسیٰؑ کی ولادت ایسے ہی خوف و دہشت کی فضا میں ہوئی۔ ماں باپ نے ہزاروں دعائیں مانگی تھیں کہ خدا ان کے گھر لڑکی دے مگر وہاں تو حکم خداوندی کہ ایک نبی کی ایسے پرہول ماحول میں پیدائش ہو گی اور اس کی پرورش بھی اس دشمنوں کے گھر ہو گی۔

ہمارے بعض نادان دوست یہ کہتے ہیں کہ تاریخی کہانیوں اور ناول میں تاریخ

دلچسپ بنانے کے لیے مسخ کیا جاتا ہے حالانکہ یہ خیال نہ صرف غلط ہے بلکہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ تاریخ دراصل افسانے اور کہانی سے بدرجہا دلچسپ ہے بشرطیکہ اسے سلیقے سے لکھا اور پیش کیا جائے۔ دوسری کہانیوں سے قطع نظر اگر ہم صرف قرآنی کہانیوں پر نظر دوڑائیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حقیقی کہانیاں اس انداز سے سنائی ہیں کہ ان کی دلچسپی پر عش عش کرنے کو دل چاہتا ہے۔

قصہ یوسفؑ زلیخا ہو یا سلیمانؑ بلقیس سبا یا پھر یہ قصہ موسیٰؑ اور فرعون کا۔ اس کی ہر کہانی اور ہر قصہ سو فیصد سچا ہے اور دلچسپ اس قدر کہ ایک بار آپ شروع کیجئے تو بغیر ختم کئے نہ اٹھ سکیں گے۔ راقم الحروف نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ تمام قرآنی کہانیوں میں قرآن حکیم میں لکھے ہوئے واقعات اور مکالموں کو سمویا جائے اب دیکھئے کہ کلام اللہ نے فرعون اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا قصہ کس انداز سے شروع کیا ہے۔

جناب عمران اور بی بی یوکابد خوف و دہشت کے عالم میں گزشتہ دو ہفتوں سے مبتلا تھے۔ بی بی یوکابد کو نواں مہینہ شروع ہو چکا تھا اور بچے کی پیدائش کسی وقت بھی متوقع تھی۔ عمران نے اپنے طور پر بہت احتیاط برتی تھی۔ سوائے پاس پڑوس کے دو چار عورتوں کو کسی اور کو یہ خبر ہی نہ تھی کہ عمران کے گھر ولادت متوقع ہے۔ مگر یوکابد اور عمران کا یہ حال تھا کہ وہ ایک ندیدہ خطرہ کی آمد سے انتہائی خوفزدہ تھے۔ انہیں ہر وقت یہ خیال ستاتا رہتا تھا کہ اگر لڑکا پیدا ہوا تو اسے گھر میں کس طرح پوشیدہ رکھا جائے گا اور آنے جانے والوں کی نظروں سے اسے کیسے بچایا جا سکے گا۔

آخر وہ دن بھی آ گیا کہ بی بی یوکابد نے ایک خوبصورت لڑکے کو جنم دیا۔ والدین کے لیے اس بچہ کی آمد کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا تھا مگر اصل میں یہ بچہ والدین کے لیے نہایت مبارک ثابت ہوا کیونکہ نومولود کو خداوند نعمت اپنا نبی اور پیغمبر بنانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ بچہ کی حفاظت اور پرداخت کا ذمہ خود قدرت نے اٹھا لیا تھا مگر عمران یا یوکابد اس سے واقف نہ تھے اور دن رات ایک نا معلوم خوف سے

لرزاں اور ترساں رہتے تھے۔

اسی خوف و دہشت کی فضا میں بچہ تین ماہ کا ہو گیا اب تک تو خیریت رہی تھی مگر اب ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا شہر کوتوال نے اسرائیلی محلوں میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی گشت کا بھی انتظام کر دیا تھا اور یہ خواتین سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے وقت بے وقت بے دھڑک گھروں میں گھس آتی تھیں اور چاروں طرف نظریں دوڑا کر واپس چلی جاتی تھیں۔ خواتین کی اس گشت نے عمران اور یوکابد کا کھانا پینا حرام کر دیا تھا۔

ایک دن انتہائی پریشانی کے عالم میں یوکابد نے شوہر سے کہا۔

"عمران۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ بچہ کو لے کر ہم کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں اس پر کسی کی نظر نہ پڑے اور یہ ظالموں سے محفوظ رہے؟"

عمران نے ایک لمبی ٹھنڈی سانس لے کے کہا۔

"یوکابد۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تمہارا غم میرا غم نہیں یا میں اس بچہ کا باپ نہیں جس بات کا تم ذکر کر رہی ہو اس پر میں بچہ کی پیدائش کے دن سے غور کر رہا ہوں۔ مگر یہ تو سوچو ہم بھاگ کے کہاں جائیں گے مصری حکومت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے جہاں ہم جائیں گے وہاں یہی حکومت ہو گی اور اسی طرح شہر کوتوال کے آدمی گھر گھر گھستے پھر رہے ہوں گے"۔

عمران نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ کہیں جانا تو دور کی بات تھی۔ گھر کے باہر نکلنا بھی دشوار ہی نہیں بلکہ موت کو دعوت دینا تھا۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی خاموش ہو گئے اور ان کا منہ لٹک گیا۔

یہ ایک عام بات ہے کہ جب ہم پر مصیبت پڑتی ہے تو ہم اللہ سے گڑگڑا گڑگڑا کے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہماری دستگیری فرمائے اور ہمیں اس مصیبت سے نجات دے۔ اللہ کے حضور میں دعا کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے مگر اس سے پہلے ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ آخر ہماری مصیبت کی وجہ کیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ مصیبت خود ہماری لائی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں خدا کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ

آپ کو نجات دلانے کی کوشش کرے۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کی ذات پاک کو "صمد" کہا جاتا ہے صمد کے معنی بے نیاز کے ہیں۔ یعنی اللہ کو آپ کی نمازوں کی ضرورت نہیں۔ آپ نماز پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دیتا ہے لیکن یہ خیال رہے کہ اللہ کو آپ کی نماز کے پڑھنے نہ پڑھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا گویا نماز آپ اپنے فائدے اور اجر کے لیے پڑھتے ہیں۔ پھر اللہ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ آپ کی ہر مصیبت کو دور کرتا پھرے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ذات باری تعالیٰ غفور الرحیم ہے' عفو و درگزر کرنے والا ہے۔ وہ جس کو چاہے دے جس کو چاہے نہ دے ہم اس سے کسی قسم کا شکوہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کے احسانات میں تو ہمارا بال بال جکڑا ہوا ہے۔ اس نے ہمیں اتنی نعمتوں سے نوازا ہے کہ ہم اس کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے پھر اس سے شکوہ اور شکایت کیسی اس کی اپنی نیک بندوں پر نظر رہتی ہے اور ان کے لیے وہ جو مناسب سمجھتا ہے وہ بندوبست کر دیتا ہے اور یہ بندوبست بھی اس طور ہوتا ہے کہ جس کو وہ دیتا ہے اس کی اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

اب رہا اولیا اللہ اور انبیائے کرام کا معاملہ تو ان کا معاملہ ہم سے مختلف ہوتا ہے وہ اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو خدا کے احکامات کے لیے وقف کر دیتے ہیں تو پھر اللہ کو بھی ان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یہاں موسیٰؑ کی پیدائش ہوتی ہے فرعون اور اس کے تمام ہرکارے موسیٰؑ کو گلی گلی کوچے کوچے ڈھونڈتے پھرتے ہیں پھر وہ وقت آ جاتا ہے کہ موسیٰؑ کے پکڑے جانے کے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ "نبی" پیدائشی طور پر نبی ہوتا ہے۔

بس موسیٰؑ چونکہ پیدائشی طور پر نبی تھے پھر انہیں کون ہاتھ لگا سکتا تھا۔ ایک فرعون کی طاقت کیا اگر تمام عالم کی طاقت یکجا ہو کر موسیٰؑ کو گزند پہنچانے کی کوشش کرتے تو وہ بھی ناکام ہو جاتے اس لیے کہ اللہ کے نبی کی پرورش و پرداخت تو خود دست قدرت کرتا ہے اور جس کی حفاظت دست قدرت کرے اسے کون نقصان پہنچا

سکتا ہے۔

جب حالات موسیٰؑ کے والدین کے ہاتھ سے نکلنے لگے تو ان کے باپ نے خدا کے حضور دعا کی۔

"اے باری تعالیٰ ہم موسیٰؑ کی حفاظت نہیں کر سکتے اگر تیری مصلحت اسے زندہ رکھنا چاہتی ہے تو پھر غیب سے کوئی صورت پیدا کر"۔

موسیٰؑ کی ماں یوکابد نے بھی اسی طرح کی دعا کی مگر بہت مختصر الفاظ میں انہوں نے کہا۔

"اے موت و زندگی کے مالک۔ میں موسیٰؑ کو تیرے حوالے کرتی ہوں"۔

یہ دونوں دعائیں ایک ہونے والے نبی کے والدین کی زبان سے نکلی تھیں چنانچہ فرشتوں نے ان دعاؤں کو طشت زریں میں سنبھال کے رکھا اور اللہ پاک کے حضور وہ طشت بھجوا دیا۔ قدرت مسکرائی اور اس وقت جناب موسیٰؑ کی والدہ یوکابد کے دل میں یہ القا ہوا۔

"یوکابد تابوت کی طرح کا ایک صندوق بناؤ جس پر رال اور روغن کی پالش کرو تاکہ پانی اندر اثر نہ کر سکے۔ پھر اس میں اس بچہ کو محفوظ کر دو اور صندوق کو دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دو"۔

آپ وحی کے بارے میں تو جانتے ہی ہوں گے۔ وحی کے معنی وہ پیغام جو اللہ جل شانہ' اپنے نبی کے پاس جبرائیل فرشتہ کے ذریعہ بھیجتا ہے یا پھر اللہ کا پیغام بغیر کسی واسطے کے نبی پر نازل ہوتا ہے نبی کے بعد اولیاء اللہ کا نمبر آتا ہے۔ اللہ پاک انہیں جو پیغام بھیجتا ہے وہ براہ راست ولی تک پہنچتا ہے اور اسے "الہام" کا نام دیا گیا ہے۔ نبی اور ولی کے بعد عام لوگ ہوتے ہیں اکثر ایسا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ خاص موقعوں پر عام لوگوں کو کسی خاص معاملہ میں ہدایات دیتا ہے اسے القا کا نام دیا جاتا

ہے حضرت موسیٰؑ کے والد اور والدہ نہ تو نبی تھے اور نہ ولی۔ چنانچہ اللہ نے ان کے دل میں جو ہدایات پہنچائیں اسے "القا" کہا گیا ہے۔

یہ الفاظ جب بی بی "یوکابد" کے دل میں القا ہوئے تو انہوں نے اس کا ذکر اپنے شوہر عمران سے۔ کیا عمران کو یہ سن کے بہت خوشی ہوئی اور دونوں کو یہ امید بھی بندھ گئی کہ اب اللہ تعالیٰ نے "موسیٰ" کی زندگی کی ذمہ داری خود سنبھال لی ہے اس لیے وہ ضرور زندہ رہیں گے۔ احکامات خداوندی کے تحت یوکابد اور عمران نے بالکل ویسا تابوت نما صندوق تیار کیا جس کا حکم القا میں ہوا تھا۔ پھر انہوں نے تین ماہ کے شیر خوار موسیٰؑ کو اس صندوق میں لٹایا اور دریائے نیل کے کنارے پہنچے۔

"یوکابد" نے اپنا دل مضبوط کر کے صندوق کو دریائے نیل کے پانی پر رکھا مگر ان کے سینے میں ماں کا دل تھا اور دوسری طرف شیطان ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کر رہا تھا۔ چنانچہ ان کے ہاتھ کانپنے لگے اور آنکھیں بھر آئیں۔ جناب عمران اور ان کی بیوی اس پریشانی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یوکابد کے دل میں پھر القا کیا۔

"ہم اس بچہ کو تیری ہی جانب واپس کر دیں گے اور یہ ہمارا پیغمبر اور رسول ہو گا"۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ القا اور پہلا القا ایک ساتھ ہوا تھا بہرحال اس القا نے یوکابد کا دل مضبوط کر دیا اور اس نے صندوق کو سپرد خدا کہتے ہوئے دریائے نیل کی لہروں میں چھوڑ دیا۔ اس بات کا خیال رہے کہ جس وقت جناب عمران اور یوکابد صندوق کو دریائے نیل کے حوالے کرنے روانہ ہوئے تھے تو ان کی بڑی بیٹی بھی ان کے ساتھ آئی تھی۔

صندوق دریائے نیل میں ہچکولے کھاتا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس وقت یوکابد نے اپنی بیٹی سے کہا۔

"تم دریا کے کنارے کنارے صندوق کی سیدھ میں چلتی رہو اور دیکھو کہ صندوق پر کیا گزرتی ہے"۔

بڑی بہن حسب الحکم صندوق کی سیدھ میں دریا کے کنارے کنارے چلتی رہی پھر اس نے دیکھا کہ صندوق شاہی محل کے کنارے آ لگا اور فرعون گھرانے کی ایک عورت نے اپنے خادموں کے ذریعہ صندوق کو اٹھوا لیا اور اسے محل کے اندر لے گئی۔ حضرت موسیٰؑ کی بہن نے یہ دیکھا تو وہ خوش ہوئی اور خدا کا شکر بجا لائی۔

اس نے گھر واپس جانے کے بجائے یہ ضروری سمجھا کہ وہ موسیٰؑ کا حال معلوم کرنے کے لیے کسی طرح شاہی محل میں داخل ہو جائے۔ پس اس نے محل کے داروغہ سے مل کر اپنے لئے کنیز کی نوکری حاصل کر لی اور کنیزوں میں شامل ہو کے شاہی محل میں داخل ہو گئی۔

قرآن حکیم کے مطابق دریا سے صندوق اٹھوانے کا حکم دینے والی عورت کو فرعون کی بیوی آسیہ ہیں۔ جبکہ توریت نے اس عورت کو فرعون کی بیٹی کہا ہے بہرحال جب محل کے اندر لے جا کر صندوق کو کھولا گیا تو اس میں ایک خوبصورت بچہ اپنا انگوٹھا چوستا دکھائی دیا۔ فرعون کی بیوی نے بچہ کو دیکھا تو ایسی خوش ہوئی کہ اس نے اسے پیار کر لیا۔

اس وقت کنیزوں میں سے ایک نے خبردار کیا۔

"ملکہ عالیہ یہ بچہ تو اسرائیلی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا قتل کر دینا ضروری ہے"۔

فرعون بھی وہاں موجود تھا۔ کنیز کی یاد دہانی پر وہ بھی چونک پڑا۔ اس کی بیوی آسیہ نے شوہر کے بگڑتے ہوئے تیور دیکھے تو بولی۔

"ایسے پیارے بچے کو قتل نہ کراؤ۔ کیا عجب یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے اور ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں"۔

فرعون نے بیوی کی بات مان لی اور بچہ کے قتل سے باز رہا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ بچہ کو دودھ کون پلائے گا۔ پس کئی عورتوں نے موسیٰؑ کو دودھ پلانے کی کوشش کی مگر انہوں نے کسی کے سینہ سے دودھ نہیں پیا۔ موسیٰؑ کی بہن مریم نے یہ رنگ دیکھا تو ملکہ سے عرض کیا۔

"ملکہ عالم اگر حکم ہو تو میں ایک ایسی دایہ کا پتہ بتاؤں جو اس خدمت کے لیے

بہت موزوں ہے۔ وہ دودھ بھی پلائے گی اور اس ننھے کی پرورش بھی کرے گی؟"

ملکہ نے پوچھا۔

"وہ عورت کہاں رہتی ہے؟"

مریم نے بتایا۔

"ملکہ عالیہ۔ پتہ بتانے کی کیا ضرورت ہے اگر اجازت دی جائے تو میں اس عورت کو اپنے ساتھ لے کر آجاؤں"۔

ملکہ آسیہ نے مریم کو جانے کی اجازت دیدی۔

مریم خوشی خوشی گھر پہنچی۔ والدین کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور ماں کو اپنے ساتھ لے کر آ گئی۔ کلام پاک میں اس تفصیل کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

(قرآن) "ہم تجھے بتاتے ہیں۔ اس وقت کیا ہوا تھا جب ہم نے تیری ماں کے دل میں بات ڈال دی تھی۔ ہم نے اسے سمجھایا تھا کہ بچہ کو ایک صندوق میں ڈال دے۔ . . . . . میں تمہیں ایسی عورت بتا دوں جو تجھے پالے پوسے اور اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کی گود میں لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔

(طہ ع ۲)

اس طور حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے محل میں پرورش پائی جس نے تمام نوزائیدہ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس بچے کا نام موسیٰ رکھا۔ موسیٰؑ جوان ہوئے تو بڑے قوی ہیکل اور خوبصورت تھے۔ اتفاق سے ایک مصری کی مدد کرتے کرتے ان کے ہاتھ سے دوسرا مصری قتل ہو گیا اور یہ بات فرعون کے کانوں تک پہنچ گئی۔

فرعون نے حکم دیا کہ موسیٰؑ کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ موسیٰؑ کے ایک مصری دوست نے دربار میں یہ حکم سنا تو بھاگم بھاگ موسیٰؑ کے پاس پہنچا۔ اس نے موسیٰؑ سے کہا۔

موسیٰؑ۔ تم پر مصری کا قتل ثابت ہو چکا ہے۔ تمہاری گرفتاری کا حکم جاری ہو

گیا ہے" قرآن نے اسے یوں بیان کیا ہے :۔

(قرآن) اے موسیٰؑ۔ دربار والے مشورہ کرتے ہیں تیرے متعلق کہ تجھ کو مار ڈالیں۔ سو نکل جا۔ میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں۔ پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا۔ راہ دیکھتا۔ بولا۔ اے خدا بچا لے مجھے اس قوم نا انصاف سے۔ اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا پھر ہم نے تجھ کو غم سے نجات دی اور جانچا تجھ کو معمولی طریقے سے"۔

حضرت موسیٰؑ وہاں سے بھاگ کے مدین پہنچے۔ حضرت موسیٰؑ کے آگے کے تمام واقعات قرآن حکیم میں بڑی ترتیب سے درج ہیں۔ کلام الٰہی سنئے اور اسلوب کی داد دیجئے۔ مدین کے ایک کنویں پر پانی کے لیے مردوں کی بھیڑ لگی تھی اور ایک طرف دو لڑکیاں کھڑی تھیں اور مردوں کے جانے کا انتظار کر رہی تھیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا:۔

(قرآن) اور جب منہ کیا مدین کی سیدھ پر' بولا امید ہے میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی راہ پر۔ جب پہنچا مدین کے پانی پر۔ پایا وہاں پر ایک جماعت لوگوں کی پانی پلاتے ہوئے اور پایا ان سے کچھ فاصلہ پر دو عورتوں کو کہ روکے ہوئے کھڑی تھیں اپنی بکریاں۔ بولا۔ تمہارا کیا حال ہے۔ بولیں ہم نہیں پلاتے پانی جب تک چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر نہیں لے جاتے اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا۔ پھر اس نے پانی پلا دیا پانی اس کے (عورتوں) جانوروں کو۔ پھر ہٹ آیا چھاؤں کی طرف پھر بولا۔ اے رب تو اتارے جو چیز میری طرف اچھی میں اس کا محتاج ہوں۔ پھر آئی اس کے پاس دونوں میں سے ایک چلتی تھی شرم سے۔ میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ دیوے حق اس کا کہ تو نے پانی پلا دیا ہمارے جانوروں کو پھر جب پہنچا اس کے پاس اور

بیان کیا اس سے احوال کہا۔ مت ڈر تو اس قوم بے انصاف سے۔

(سورہ قصص ع ۳)

یہاں پر اس بات کو سمجھ لیجئے کہ لڑکیاں' ان آدمیوں کی وجہ سے الگ دبکی کھڑی تھیں۔ حضرت موسیٰؑ نے ان آدمیوں کو پانی سے ہٹا کر لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ لڑکیوں نے واپس جا کر اپنے باپ کو تمام باتیں بتائیں تو باپ کو انہیں اپنے پاس بلوایا۔ لڑکیوں نے باپ سے موسیٰؑ کی بہادری کی تعریف کی اور اسے اجرت پر ملازم رکھنے کی سفارش کی۔ جیسا کہ قرآن نے فرمایا:۔

بولی ان دونوں میں سے ایک اے باپ اس کو نوکر رکھ لے البتہ بہتر نوکر جس کو تو نوکر رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور ہو امانت دار ہو۔ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی ان دونوں میں سے اس شرط پر کہ تو نوکری کرے آٹھ سال میری پھر اگر پورے کر دے دس برس تو تیری طرف سے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں تو پائے گا مجھ کو اگر اللہ نے چاہا نیک بختوں سے۔ بولا یہ وعدہ ہو چکا میرے اور تیرے بیچ جو میں مدت دونوں میں سے پوری کر دوں سو زیادتی نہ ہو مجھ پر اور اللہ پر بھروسہ ہے اس چیز کا جو ہم کہتے ہیں۔

(قصص ع ۳)

پھر تو نے مدین میں چند سال قیام کیا پھر تو اے موسیٰؑ مقررہ انداز پر پورا اترا اور میں نے تجھ کو اپنے لیے اپنے خاص کام کے لیے بنایا ہے۔

(طہٰ ع ۱)

اس مقام پر لڑکیوں کے باپ کا نام کلام اللہ میں موجود نہیں۔ مفسرین کا خیال ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ لڑکیوں نے گھر جا کر باپ سے جس انداز

سے موسیٰؑ کی تعریف کی ہو گی اس سے باپ نے جن کے بارے میں خیال ہے کہ وہ پیغمبر تھے' کیا کچھ اندازہ نہ لگا لیا ہو گا اور اس کا اثر تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو اپنی فرزندی میں قبول کیا۔

آٹھ یا دس سال حضرت شعیب کی خدمت گذاری کے بعد جناب موسیٰؑ اپنی بیوی (جن کا نام صفورہ لکھا گیا ہے) اور بکریوں کے ایک ریوڑ کے ساتھ مدین سے روانہ ہوئے۔ اسی سفر میں حضرت موسیٰؑ جب "وادی مقدس" میں پہنچے تو انہیں حکم ملا کہ تم مصر واپس جاؤ اور قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دلاؤ۔

قرآن حکیم میں اس کا تذکرہ اس طرح ہے۔

(قرآن) پھر موسیٰؑ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو۔ میں نے آگ دیکھی ہے شاید اس میں سے کوئی چنگاری تمہارے لئے لا سکوں یا وہاں الاؤ پر کسی رہبر کو پا سکوں۔

(طہٰ ع ۱)

اس وقت حضرت موسیٰؑ کوہ سینا کی وادی الیمن میں تھے۔ سخت سردی ہو رہی تھی اور چقماق تک کام نہ کر رہا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے نظر دوڑائی تو وادی میں ایک جگہ شعلہ نظر آیا مگر جب موسیٰؑ اس شعلہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ عجب طرح کی آگ تھی۔ درخت پر روشنی نظر آتی تھی مگر درخت جلتا تھا اور نہ آگ بجھتی تھی۔ حضرت موسیٰؑ جوں جوں آگے بڑھتے گئے ان سے دور ہوتی جاتی یہ ماجرہ دیکھ کر حضرت موسیٰؑ خوف زدہ ہو گئے اور پلٹنے کا ارادہ کیا تو آگ قریب آ گئی اور صدائے ربی بلند ہوئی۔

اے موسیٰؑ میں ہوں میں اللہ پروردگار جہانوں کا۔

(قصص)

پس جب موسیٰؑ اس آگ کے قریب آئے تو پکارے گئے۔

اے موسیٰؑ۔ میں ہوں تیرا پروردگار۔ پس اپنی جوتی اتار دے تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے اور دیکھ میں نے تجھے

اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اسے کان لگا کے سن۔

(طہٰ ع ۱)

موسیٰ علیہ اسلام کی جوتیاں مردہ گدھے کی کھال سے بنی تھیں اس لیے پاک نہ تھیں۔

(حدیث)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت حاصل ہوئی تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مصر واپس جائیں اور وہاں فرعون کے ظلم و ستم سے بنی اسرائیل کو نجات دلائیں۔ ارشاد خداوندی کے تحت موسیٰؑ بیوی کے پاس واپس آئے اور انہیں لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

اس وقت حضرت موسیٰؑ نے خدا تعالیٰ سے درخواست کی کہ چونکہ ان کی زبان میں لکنت ہے اس لیے ان کے بڑے بھائی ہارونؑ کو ان کا ساتھی بنا دے۔ خدا نے موسیٰؑ کی درخواست پر ان کے بھائی ہارون (بڑے بھائی تھے اور مصر میں تھے) کو بھی نبوت کے عہدے پر سرفراز کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام رات کے وقت مصر میں داخل ہوئے اور اپنے گھر پہنچے۔ کوئی انہیں پہچان نہیں پایا مگر جب ہارون آئے تو وہ چونکہ نبوت پر فائز ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے موسیٰؑ کو فوراً پہچان لیا۔ اب دونوں بھائیوں نے دربار فرعون میں جانے کا فیصلہ کیا یہاں یہ بات کہنے سے رہ گئی ہے کہ جب خدا نے موسیٰؑ کو حکم دیا تھا کہ مصر جا کے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائیں تو حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا تھا کہ فرعون بڑا ظالم ہے اس لیے اس کے مقابلہ کے لیے خدا تعالیٰ انہیں ایسی طاقت عطا کرے جس کے سامنے فرعون بے بس ہو جائے۔

حضرت موسیٰؑ کی اس درخواست کو بھی اللہ پاک نے قبول کر لیا اور انہیں دو معجزے عطا فرمائے تھے۔ پہلا معجزہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ میں جو بکریاں چرانے کا عصا (ڈنڈا) رہتا تھا اسے خدا نے اپنی قدرت سے موسیٰؑ کے لیے اژدہا

سانپ بنا دیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اسے زمین پر پھینکتے تو وہ سانپ بن جاتا تھا۔

دوسرا معجزہ انہیں یہ دیا گیا کہ جب وہ اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر باہر نکالتے تو وہ چمکنے لگتا تھا اور اس سے دور دور تک روشنی پھیل جاتی تھی۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام اور حضرت ہارون علیہ السلام، فرعون کے دربار میں پہنچے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو "خدائے واحد" کا سبق دیا تو وہ ہنسنے لگا اور کہا کہ وہ تو خود خدا ہے۔ اگر تو خدا ہے تو کوئی معجزہ دکھا۔ حضرت موسیٰؑ نے عصا کو پھینک کر سانپ بنایا پھر بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چمک رہا تھا۔

فرعون اگرچہ یہ کرامات دیکھ کر گھبرا گیا مگر اس نے کہا یہ جادو ہے پھر اس نے موسیٰؑ کو جادوگروں سے مقابلہ کرنے کی دعوت دی جو موسیٰ علیہ السلام نے قبول کر لی۔ فرعون نے مقابلہ کے لیے نو روز کا دن مقرر کیا اور تمام بڑے بڑے سرداروں اور معززین کو اس مقابلہ کے دیکھنے کی دعوت دی۔

اس مقابلہ کو دیکھنے کے لیے بڑی خلقت اکٹھا ہوئی اس دلچسپ، حیرت انگیز اور عبرت انگیز مقابلہ کا حال آپ قرآن کی زبان سے سنئے (قرآن):۔

> جادوگروں نے کہا اے موسیٰؑ تم پہلے اپنی لاٹھی پھینکو یا ہماری طرف سے پہل ہو۔ موسیٰؑ نے کہا نہیں۔ تم ہی پہلے پھینکو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا کرتب دکھایا اور اچانک موسیٰؑ کو ان کے جادو کی وجہ سے ایسا دکھائی دیا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ کی طرح دوڑ رہی ہوں۔ موسیٰؑ نے دل میں ہراس محسوس کیا ہم نے کہا اندیشہ نہ کر غالب تو ہی ہو گا تیرے دائیں ہاتھ میں جو لاٹھی ہے وہ فوراً" پھینک دے۔ جادوگروں کی تمام بناوٹی چیزیں نگل جائے گی انہوں نے جو کچھ کیا ہے محض جادوگروں کا فریب ہے اور جادوگر کسی راہ سے آئے کبھی کامیابی نہیں پا سکتا۔

(طہ ع ۱)

(قرآن) پس موسیٰؑ علیہ اسلام نے حکم خداوندی پر عمل کیا اور اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی۔ لاٹھی نے زمین پر گرتے ہی تمام جادو کی نمائشی چیزوں کو نگلنا شروع کر دیا۔ پس حق قائم اور باطل فنا ہوا۔

اب فرعون کو یہ فکر ہوئی کہ کہیں اس کی رعایا اس کے خلاف بغاوت کر کے موسیٰؑ کو اپنا بادشاہ نہ بنا لے۔ اس لیے اس نے طے کیا کہ موسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے تو یہ جھگڑا ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ طے تو کر لیا مگر اس پر عمل کرتے گھبراتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل کی نسل کشی پر سختی سے عمل کیا جائے اور ان کی اولاد نرینہ کو قتل کر دیا جائے۔ اس حکم پر سختی سے عمل شروع ہوا اور روزانہ دو چار نوزائیدہ اسرائیلی لڑکے قتل کئے جانے لگے۔

فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو ذلیل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا کہ اس نے مصریوں سے کہا کہ موسیٰؑ جھوٹ بولتا ہے کہ میرے سوا اس کا کوئی اور خدا ہے۔ اگر اس کا کوئی اور خدا ہے تو وہ موسیٰؑ کے ہاتھ میں اس طرح کے کنگن کیوں نہیں پہناتا جیسے میرے ہاتھوں میں ہیں اور اس کو سجدہ کرنے کے لیے میری جیسی فوج کہاں ہے۔

فرعون کی ان فضول باتوں پر غضب خداوندی جلال میں آگیا اور بنی اسرائیل پر طرح طرح کی آفتیں نازل ہونے لگیں لطف کی بات یہ تھی جب بنی اسرائیل پر کوئی مصیبت نازل ہوتی تو وہ حضرت موسیٰؑ کے پاس آ کے کہتے کہ آپ اس آفت کو دفع کر دیجئے تو ہم آپ کو نبی اور آپ کے خدا کو اپنا خدا مان لیں گے مگر جب حضرت موسیٰؑ اللہ سے دعا کر کے مصیبت دور کرا دیتے تو وہ پھر فرعون کو خدا ماننے لگتے۔

پس جب فرعون اور اس کی قوم خدا کو مسلسل جھٹلاتی رہی تو اللہ نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لے جائیں اور اپنے باپ دادا کی سرزمین (فلسطین) میں جا کے آباد ہو جائیں ادھر جاسوسوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ بنی اسرائیل شہروں کو خالی کر گئے ہیں اور وہ جمع ہو کر کسی اور طرف جانا چاہتے ہیں۔

فرعون یہ خبر پاتے ہی ایک زبردست لشکر کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ

ہو گیا۔ دوسری طرف بنی اسرائیل نے رات بھر سفر کرنے کے بعد جب صبح کو پلٹ کر دیکھا تو فرعون اوراس کے لشکر کو سر پر پایا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو تسلی دی کہ فکر نہ کرو خدا انہیں اپنے وعدے کے مطابق ضرور نجات دے گا۔

یہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت فرعون رعمیسیس دوم برسراقتدار تھا۔ اس نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا تھا مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے حکم سے اپنی قوم کو مصر سے لے کر چلے اس وقت رعمیسیس دوم مر چکا تھا اور اس کا بیٹا فرعون منفتاح برسراقتدار تھا اور وہی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کر رہا تھا۔

اس تعاقب کا یا یوں کہئے کہ فرعون کا کیا انجام ہوا اس کا حال بھی آپ قرآن کی زبان میں ملاحظہ فرمائیں:۔

> (قرآن) اور پھر ایسا ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا (یہاں سمندر سے مراد دریائے نیل ہے جس کے درمیان حکم خداوندی سے خشک راستہ بن گیا تھا اور حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو بے خطر نکال لے گئے تھے مگر جب فرعون نے دریا پار کرنا چاہا تو وہ خشک راستہ غائب ہو گیا) یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا۔ مقصد یہ تھا کہ ظلم اور شرارت کریں۔ لیکن جب حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ فرعون سمندر میں غرق ہونے لگا تو اس وقت پکار اٹھا۔ ”میں یقین کرتا ہوں کہ اس ہستی کے سوا اور کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرایل ایمان رکھتے ہیں اور میں بھی اس کے فرمانبرداروں میں حساس ہوں۔ (ہم نے کہا) ہاں اب تو ایمان لایا حالانکہ پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا...... پس ہم آج ایسا کریں گے کہ تیرے جسم کو (سمندر کی موجوں سے بچا لیں گے) ان لوگوں کے لیے جو تیرے بعد آنے والے ہیں (نشانی کے طور پر) اور اکثر انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں کی طرف

> سے یک قلم غافل رہتے ہیں۔

(سورہ یونس ع ۹)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو بحر قلزم کے اس پار لے گئے تھے۔ (واللہ اعلم) یہ عبرت ناک انجام تھا اس فرعون کا جس کو ہم نے ابلیس مصر کا نام دیا ہے۔

جدید تحقیق کے مطابق فرعون منفتاح کی لاش سمندر سے ۱۹۰۴ع میں برآمد ہوئی اور اس وقت وہ جیزہ کے عجائب خانہ میں رکھی ہوئی ہے اس طرح کلام پاک کی وہ بات سچ ثابت ہوئی کہ ہم اس کی لاش کو آنے والوں کے لیے نشانی کے طور پر محفوظ رکھیں گے۔

سلیمان بلقیس سبا

بی بی بتشبع نے حضرت داؤد سے فرمایا۔ "آپ مجھ سے وعدہ کیجئے کہ تخت و تاج کا وارث اور بنی اسرائیل کا آئندہ بادشاہ' میرا بیٹا سلیمانؑ ہو گا۔"

حضرت داؤد علیہ السلام اپنی چہیتی بیوی کی بات پر چونک پڑے' پھر نرمی سے بولے۔ "بتشبع! مجھے بھی سلیمانؑ سب بیٹوں سے زیادہ عزیز ہے اور میری بھی یہی خواہش ہے کہ میرے بعد سلیمانؑ بنی اسرائیل کی شہنشاہی کی باگ دوڑ سنبھالے لیکن-----"

بی بی بتشبع نے شوہر کی بات کاٹ دی اور ذرا شوخی اور سختی سے کہا۔ "لیکن ویکن کچھ نہیں' آپ دو ٹوک فیصلہ کیجئے۔ کیا آپ کے تمام بیٹوں میں سلیمانؑ سب سے زیادہ عقلمند اور دلیر نہیں؟"

"ضرور ہے۔ میں انکار تو نہیں کرتا۔" حضرت داؤد نے بتشبع کی بات کی تصدیق کی۔

"کیا وہ سب سے زیادہ انصاف پسند نہیں اور کیا آپ اس کے فیصلوں کو پسند

نہیں کرتے؟" بی بی بتشبع نے دوسری دلیل پیش کی۔

حضرت داؤد نے بی بی بتشبع کی اس رائے سے بھی اتفاق کیا تو وہ بولیں۔ "آپ کو یاد ہو گا کہ جب میرا سلیمانؑ پیدا ہوا تھا تو ناتن نبی نے آپ کو خوشخبری سنائی تھی کہ یہ بچہ' اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے؟"

"مجھے اس سے بھی انکار نہیں۔" حضرت داؤد نے سنجیدہ لہجے میں فرمایا۔

"تو پھر آپ کو یہ بھی یاد ہو گا کہ ناتن نبی نے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بچے کا نام' یدیدیاہ' تجویز فرمایا ہے۔" بی بی بتشبع دلیلوں پر دلیلیں دے کر حضرت داؤد کو زچ کرنا چاہتی تھیں تاکہ وہ صاف الفاظ میں سلیمانؑ کی ولی عہدی کا اعلان کر دیں۔

حضرت داؤد نے انہیں سنبھالتے ہوئے کہا۔ "بتشبع' ہمارا سلیمانؑ سب سے زیادہ خوبصورت' دلیر اور منصف مزاج ہے۔ مجھے اس سے محبت بھی زیادہ ہے لیکن یہ ایک ملکی اور انتظامی معاملہ ہے۔ مجھے اور بھی بہت سی باتیں دیکھنا ہیں۔ سلیمانؑ کے بہت سے بھائی ہیں میں چاہتا ہوں' کسی کی حق تلفی نہ ہو۔"

بی بی بتشبع بڑی عاقلہ تھیں۔ فوراً بولیں۔ "تخت و تاج کا وارث ہمیشہ وہی ہوتا ہے جس میں دوسروں کی نسبت زیادہ خوبیاں موجود ہوں جسے زیادہ لوگ پسند کرتے ہوں اور پھر آپ کے فیصلے سے کون انکار کر سکتا ہے؟"

"بتشبع! ضد نہ کرو۔" حضرت داؤد نے پھر سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہمیں اپنی محبت کی وجہ سے سلیمانؑ کی خامیاں نہ نظر آتی ہوں۔ اس کے لئے سرداروں سے مشورے کی ضرورت ہے۔ سلیمانؑ کے دوسرے بھائیوں کے حق پر بھی غور کرنا ہے۔"

مورخین نے بی بی بتشبع کا نام کئی طریقوں سے لکھا ہے۔ کسی نے باتشبا لکھا ہے تو کہیں باطشہ اور بنت سبع درج ہے۔ بی بی تبشبع سے حضرت داؤد نے بیت المقدس (یروشلم) میں پہنچ کر عقد کیا تھا۔ حضرت داؤد کی دوسری خاص بیگمات کے نام اخنوعم' ملکہ' ابی طال' حجی اور عجلتہ ہیں۔ بعض تاریخوں میں ایک اور بیوی کا ذکر ملتا ہے جن

کا نام ابی غائل تھا۔

بی بی بتشبع نہایت خوبصورت اور حسین خاتون تھیں۔ ان کے باپ کا نام اِ
اور پہلے شوہر کا نام اوریا تھا۔ حضرت داؤد نے اوریا کی شہادت کے بعد بتشبع
نکاح کیا تھا۔ روایت ہے کہ بی بی بتشبع کے ساتھ، آپ نے خواہش نفسانی کے تحت
نکاح کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا اور حضرت داؤد پر عتاب نازل فرمایا۔

حضرت داؤد نے بڑی توبہ استغفار کی جب جا کے آپ کو معافی ملی۔ بتشبع تم
بیگمات سے زیادہ خوبصورت اور عقلمند تھیں۔ اس لئے حضرت داؤد کی سب سے زیا
چہیتی بیوی تھیں۔ چونکہ آپ پر ان کے سلسلے میں ایک بار عتاب نازل ہو چکا تھا ا
لئے اس شدید چاہت کے باوجود حضرت داؤد بتشبع کے معاملے میں بڑی احتیاط برتے
تھے کہ کہیں ان سے پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے جس کی وجہ سے انہیں دوبارہ خ
کے عتاب کا سامنا کرنا پڑے۔

بی بی بتشبع نے بڑی کوشش کی۔ طرح طرح کی دلیلیں دیں---- خفا بھی
گئیں لیکن اس شب حضرت داؤد نے سلیمان کو ولی عہد بنانے کا وعدہ نہیں کیا لیکن
عورت کو جب کسی بات کی دھن لگ جائے تو وہ اس میں کامیابی حاصل کر کے چھوڑتی
ہے۔ بی بی بتشبع، حضرت داؤد پر برابر زور دیتی رہیں کہ وہ سلیمانؑ کو ولی عہد بنا دیں
کہتے ہیں کہ کہنے سننے سے تو دیواریں بھی ہٹ جاتی ہیں۔

پھر سلیمانؑ میں قدرت نے وہ تمام خوبیاں سمو دی تھیں جو ایک ایسے بشر میں
ہوتی ہیں جسے خداوند تعالیٰ نبوت پر سرفراز کرنا چاہتا ہے۔ ان محاسن اور خوبیوں کا
اظہار، سلیمانؑ سے ہوتا رہتا تھا۔ آخر حضرت داؤد نے کچھ بیوی کی ضد سے مجبور ہو
کر، کچھ سلیمانؑ کی غیر معمولی باتوں اور ذہانت سے مجبور ہو کر سلیمانؑ کو ولی عہد بنانے
کا وعدہ فرمایا۔

حضرت داؤد نے وعدہ تو فرمایا لیکن دل میں ڈرتے رہے کہ ان کا یہ فعل کہیں
خدا کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور پھر وہ کسی بلا میں گرفتا ہو جائیں۔ وہ دوسرے بیٹوں
کی طرف سے بھی متفکر تھے۔ سلیمانؑ عقل و دانش اور شجاعت و سیاست میں ہر چند کہ

سب سے افضل تھے پھر بھی انہیں یہ فکر تھی کہ اگر بیٹوں نے ان کا یہ فیصلہ تسلیم نہ
کیا تو خواہ مخواہ ایک جھگڑا پیدا ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے سرداروں
سے بھی کھل کر مشورہ نہیں کیا تھا۔

یہ تمام باتیں ایسی تھیں جن کو ذہن میں رکھتے ہوئے حضرت داؤد نے سلیمانؑ کو
ولی عہد تو کر لیا لیکن اس کا اعلان نہیں کیا۔ وہ اس سلسلے میں خدا سے رہنمائی کے
خواہش مند تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے جس سے سلیمانؑ کی
بزرگی، تمام بھائیوں پر ثابت ہو جائے---- اور عوام بھی سلیمانؑ کو سب سے
افضل مان لیں۔

سلیمانؑ کی قسمت میں نبوت پہلے ہی لکھی جا چکی تھی۔ چنانچہ جب حضرت داؤد
نے گڑگڑا کر خدا کے حضور میں سجدے کئے تو ان کی مشکل کو آسان کرنے کے غیب
سے سامان پیدا ہو گئے۔ حضرت داؤد کی عمر سو سال سے تجاوز کر گئی تو بی بی بتشبع کا
اصرار اور بڑھا کہ سلیمانؑ کو ولی عہد بنانے کا اعلان کر دیا جائے تاکہ بعد میں ہنگامہ نہ
کھڑا ہو۔ حضرت داؤد اسی تردد میں تھے---- کہ دریائے رحمت جوش میں آیا۔
عرش اعلیٰ پر حضرت جبرائیلؑ کو حکم ہوا کہ اے جبرائیلؑ جاؤ اور میرے نیک بندے کی
مشکل آسان کر دو۔

حکم خداوندی ہوتے ہی حضرت جبرائیلؑ زمین پر تشریف لائے۔ حضرت داؤد اس
الجھن میں سربسجود تھے اور رہنمائی کی دعا مانگ رہے تھے۔ اسی وقت ان کے کانوں
میں جبرائیلؑ کی آواز پہنچی۔

"اے خدا کے نبی! سجدے سے سر اٹھائیے۔ خداوند قدوس نے آپ کی دعا قبول
فرمائی۔"

حضرت داؤد نے سجدے سے سر اٹھایا۔ آپ کی آنکھوں میں بوجہ رقت آنسو لرز
رہے تھے۔ قاصد آسمانی کو سامنے پایا تو دل باغ باغ ہو گیا۔

حضرت جبرائیلؑ نے کہا "ذات باری تعالیٰ نے عرش اعلیٰ سے ایک تحفہ آپ کے
لئے بھیجا ہے۔" یہ کہتے ہوئے حضرت جبرائیلؑ نے ایک صندوقچہ حضرت داؤد کی

طرف بڑھا دیا۔

حضرت داؤد نے صندوقچہ حضرت جبرائیلؑ سے لے کر آنکھوں سے لگا لیا اور اسے کئی بوسے دیئے۔ پھر پوچھا۔

"اے مکین عالم بالا! اس کے اندر کیا ہے اور اس حقیر و گنہگار کے لئے خالق جہاں کا کیا حکم ہے؟"

حضرت جبرائیلؑ بولے۔ "حکم باری ہے کہ آپ اپنے تمام بیٹوں کو بلوائیں رؤسائے سلطنت اور اراکین سلطنت کو بھی حاضری کا حکم دیں پھر اس صندوقچے کو سب کے سامنے رکھ کر ہر لڑکے سے باری باری سوال کریں کہ وہ بتائیں، اس صندوقچے میں کیا ہے۔ آپ کا جو لڑکا اس صندوقچے کے مضمرات سے پردہ اٹھائے اور اس میں موجود چیزوں کی تفصیل اور اثرات بیان کرے، وہی بنی اسرائیل کا بادشاہ اور خدا کا برگزیدہ نبی ہو گا۔"

یہ سنتے ہی حضرت داؤد پھر سجدے میں گر پڑے اور خدا کا شکر بجا لائے۔ دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا اور فکر و تردد سے نجات مل گئی۔

سجدے سے سر اٹھانے کے بعد حضرت داؤد نے کہا۔ "اے مقرب بارگاہ! میں تیرا بھی شکرگزار ہوں کہ تو نے مجھے ایسی خبر پہنچائی ہے جو نور ایمان میں تابانی پیدا کرتی ہے اور جس کی وجہ سے مجھے ایک عظیم ذہنی بوجھ سے نجات مل گئی ہے۔"

حضرت جبرائیلؑ بولے۔ "بس، اے خدا کے نبی! آپ دیر نہ کیجئے اور تمام لوگوں کو فوراً بلوایئے۔ مجھے حکم ہے کہ تمام کاروائی کے دوران میں موجود رہوں اور آپ کو مشورہ دیتا رہوں۔"

حضرت داؤد نے اپنے بیٹوں کو بلوا بھیجا اور ایک بڑا دربار لگایا جس میں سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے سرداروں اور معززین کو مدعو کیا گیا۔ حضرت داؤد کے سب سے بڑے بیٹے کا نام اسنون تھا اور یہ اخنوعم یزرعیل کے بطن سے تھا۔ دوسرا بیٹا کیلاب ابی غیل کے پیٹ سے تھا۔ تیسرا بیٹا تلمی یا قلمی، شاہ جستور کی بیٹی معکہ سے تھا۔ چوتھے بیٹے کا نام سفطیا اور ماں کا نام ابی طال تھا۔ چھٹا بیٹا شرعام تھا اور یہ عجلہ کے

بطن سے پیدا ہوا تھا۔ حضرت داؤد کے وہ بیٹے------ جو بیت المقدس میں آ کے پیدا ہوئے، ان میں شموع، سوباب، ناتن، سلیمانؑ، بماز، الیو، نفج، لفیج، الںداع اور ایلفط تھے۔ ان کے کئی بیٹیاں بھی تھیں۔ حجیت کا بیٹا ادونیاہ سب سے زیادہ فتنہ پرور اور شریر تھا۔ وہ سلیمانؑ کا جانی دشمن تھا کیونکہ حضرت داؤد سلیمان کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔

جب دربار لگ گیا اور تمام لوگ آ گئے تو حضرت داؤد دربار میں تشریف لائے۔ ان کے ساتھ حضرت جبرائیلؑ بھی تھے۔ حضرت جبرائیلؑ سوائے حضرت داؤد کے اور کسی کو نظر نہ آ رہے تھے۔ وہ حضرت جبرائیلؑ کی ہدایت پر عمل کر رہے تھے کیونکہ یہ ہدایات دراصل احکام الٰہی تھے جو حضرت داؤد کو حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے پہنچائے جا رہے تھے۔

حضرت داؤد نے تمام اہل دربار اور اپنے بیٹوں پر نظر ڈالی اور فرمایا۔ "اے میرے بیٹو اور درباریو! میں اب عمر کے اس حصے میں پہنچ چکا ہوں کہ کسی وقت بھی مالک حقیقی سے مل سکتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں اس عظیم سلطنت اور بنی اسرائیل کا وارث مقرر کر دوں۔ میرے تمام بیٹے یہاں موجود ہیں اور بحیثیت باپ کے میری نظروں میں سب برابر ہیں۔ اس لئے یہ مشکل کہ میں کسی ایک کو اپنا ولی عہد نامزد کروں۔"

حضرت داؤد سانس لینے کے لئے رکے ہی تھے کہ ان کا سب سے بڑا بیٹا اسنون کھڑا ہو گیا اور جلدی سے بولا۔ "بابا جان! سب جانتے ہیں کہ عمر کے لحاظ سے میں اپنے بھائیوں سے بڑا ہوں۔ اس لئے آپ کی وراثت کا سب سے پہلے میں حقدار ہوں۔"

اسنون کی بات ختم ہوتے ہی آپ کا چوتھا بیٹا ادونیاہ کھڑا ہو گیا اور تیز لہجے میں بولا۔ "بابا جان! شہنشاہی کرنے کے لئے بہادری اور شجاعت سب سے زیادہ ضروری ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ بہادر ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے تخت و تاج کا حقدار میں ہوں۔"

آپ کے ایک اور بیٹے کیلاب کو غصہ آگیا۔ اس نے کہا "تخت اور تاج کے لئے صرف بہادری کافی نہیں۔ اس کے لئے عقل و دانش پہلی شرط ہوتی ہے اور تمام اہل دربار جانتے ہیں کہ فہم و فراست میں، کوئی بھائی، میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

دربار میں شور و غل سا مچ گیا۔ تمام بھائی بولنے لگے۔ ہر ایک اپنے کو دوسرے سے افضل بتا رہا تھا۔ صرف سلیمان جو عمر میں سب سے چھوٹے تھے، ایک طرف خاموش بیٹھے اس ہنگامہ کو دیکھ رہے تھے۔ حضرت داؤد نے مجبور ہو کر سب کو اشارے سے چپ ہو جانے کا حکم دیا اور آہستہ آہستہ دربار میں خاموشی چھا گئی۔

حضرت داؤد نے فرمایا۔ "میرے بچو! اس ہنگامے اور فتنے فساد کو ختم کرنے کے لئے میں حکم خداوندی سے تم سے کچھ سوالات کروں گا۔ میرا جو لڑکا ان سوالات کے صحیح جواب دے گا وہی میرا ولی عہد ہو گا اور اللہ تعالیٰ اسے نبوت کے درجے پر بھی سرفراز فرمائے گا۔"

حضرت داؤد نے اتنا کہہ کر آسمانی صندوقچہ اپنے سامنے رکھا اور بڑے بیٹے سے سوال کیا۔ "اسنون! تم میرے بڑے بیٹے ہو، اس لئے سب سے پہلے، میں تم سے پوچھتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ اس صندوقچے میں کون کون سی چیزیں ہیں؟"

اس زمانے میں سحر اور جادو کا بہت زور تھا اور بڑے بڑے کاہن جادو کے زور سے عجیب عجیب تماشے دکھایا کرتے تھے۔ حضرت داؤد کے کئی بیٹے ایسے کاہنوں کے جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ اسنون کا کاہن، اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ اس نے چپکے سے پوچھا کہ وہ بتائے، اس صندوقچے میں کیا ہے لیکن خدائی طاقت کے سامنے کس کا زور چل سکتا ہے۔ وہ صندوقچہ آسمانی تھا۔ اس کے اندر جو کچھ تھا اس حال تو خدا ہی جانتا تھا یا پھر وہ شخص جسے خدا خود مطلع کرے۔

اسنون کا کاہن ناکام ہو گیا تو اس نے کھڑے ہو کر کہا "بابا جان! میں نہیں بتا سکتا کہ اس صندوقچے میں کیا ہے۔"

پھر حضرت داؤد نے دوسرے بیٹے سے وہی سوال کیا۔ وہ بھی جواب دینے سے

ناکام رہا—— پھر تیسرا، چوتھا یہاں تک کہ تمام لڑکوں نے شکست تسلیم کر لی اور کوئی نہ بتا سکا کہ صندوقچے میں کیا راز ہے۔"

اب صرف سلیمان باقی رہ گئے تھے۔ حضرت داؤد نے سلیمان کی طرف دیکھا۔ سلیمان کی یہ کیفیت تھی کہ ان کی آنکھیں بند تھیں اور چہرہ آسمان کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اللہ سے لو لگائے ہوئے ہیں اور ان کی نظریں عرش اعلیٰ کا طواف کر رہی ہوں۔

حضرت داؤد نے ان سے پوچھا۔ "سلیمان! اب صرف تم باقی رہ گئے ہو۔ تمہارے تمام بھائی، صندوقچے کے راز سے پردہ اٹھانے میں ناکام ہو چکے ہیں کیا تم بتا سکتے ہو اس کے اندر کیا ہے؟"

باپ کی آواز سلیمان کے کانوں میں پہنچی تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور حضرت داؤد کی طرف دیکھا۔ سلیمان کی آنکھوں سے اس وقت عجیب طرح کی ملکوتی شعاعیں منعکس ہو رہی تھیں اور انہیں دنیا کی ہر پوشیدہ چیز آئینے کی طرح نظر آ رہی تھی۔

سلیمان بڑے ادب سے بولے۔ "بابا جان! اگر حکم ہو تو میں ناچیز اس راز سے پردہ اٹھاؤں؟"

سلیمان کے بھائیوں اور درباریوں نے اس کمسن شہزادے کو حیرت سے دیکھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جس راز کو دربار کے بڑے بڑے کاہن نہ سمجھ سکے اس راز سے یہ شہزادہ کس طرح پردہ اٹھا سکے گا۔

حضرت داؤد نے فرمایا۔ "سلیمان بیٹے! یہ میرا سوال ہے۔ اس میں میرے حکم کو دخل نہیں۔ اگر تم بتا سکتے ہو کہ اس صندوقچے میں کیا ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔"

سلیمان نے دل میں بسم اللہ کہا اور بڑی متانت سے جواب دیا۔

"اے خدا کے نبی اور میرے مشفق باپ! اس صندوقچے میں ایک انگشتری، ایک پھل اور ایک تہہ کیا ہوا کاغذ رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں اور کوئی چیز نہیں۔"

حضرت داؤد نے سب کے سامنے صندوقچہ کھولا اور اس میں سے سامان نکالا تو اس میں ان تین چیزوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حضرت داؤد کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ انہوں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا جس نے ان کے بتشبع سے کیے ہوئے وعدے کی لاج رکھ لی۔ سلیمان کے تمام بھائی شرمندہ اور حیران تھے کاہن دانتوں میں انگلیاں دبائے بیٹھے تھے۔

پھر حضرت داؤد نے جبرائیلؑ کے اشارے پر کہا۔ "سلیمان! تم نے ایک سوال کا جواب تو دیا ہے لیکن تمہارا جواب ابھی نامکمل ہے۔ تمہیں یہ بھی بتانا ہو گا کہ اس تہہ کیے ہوئے کاغذ میں کیا لکھا ہوا ہے؟"

سلیمان نے اس طرح جواب دیا جیسے وہ کھلا ہوا خط پڑھ رہے ہوں۔ انہوں نے کہا۔ "بابا جان! اس بند خط میں پانچ مسائل تحریر ہیں۔ پہلا مسئلہ ایمان' دوسرا محبت' تیسرا عقل' چوتھا شرم اور پانچواں مسئلہ طاقت کا لکھا گیا ہے۔"

حضرت داؤد نے فرمایا۔ "سلیمان! یہ جواب اس وقت تک اب بھی نامکمل ہے جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ اس میں سے ہر مسئلے کا قرار انسان کے بدن کے کس حصہ میں ہوتا ہے؟"

سلیمان نے فوراً جواب دیا۔ "اے نبی خدا! ایمان اور محبت دل میں ہوتا ہے' عقل کی جگہ سر ہے' شرم کا مقام آنکھیں ہیں اور طاقت' ہڈیوں میں قرار پاتی ہے۔"

حضرت داؤد فرط محبت سے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے سلیمان کو سینے سے لگایا اور اسی وقت انہیں اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت داؤد نے وہ انگشتری آسمانی (سلیمانی انگوٹھی) اپنے دست مبارک سے سلیمان کی ---- انگلی میں پہنا دی اور چابک بھی انہیں عطا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بوجہ پیران سالی تخت و تاج سے دست برداری کا اعلان کر کے سلیمان کو بادشاہ بنا دیا۔ تمام درباریوں نے بظاہر سلیمان کو بادشاہ تسلیم کر لیا لیکن ان کے بعض بھائی' اس سے خوش نہ تھے۔

حضرت جبرائیلؑ کا کام ختم ہو چکا تھا۔ جانے سے پہلے انہوں نے حضرت داؤد کو بتایا کہ اس انگشتری میں یہ قوت ہے کہ جس کی انگلی میں یہ ہو گی' اس کی نظروں کے

سامنے تمام عالم کے پوشیدہ خزانے عیاں ہو جائیں گے' انگوٹھی کا مالک دنیا کے تمام درندوں' چرندوں اور پرندوں کی بولی سمجھ سکے گا اور ہوا اس کے قبضہ قدرت میں ہو گی۔ جب تک انگوٹھی' انگلی میں رہے گی' اس پر کوئی جادو اثر نہ کرے گا اور نہ اس کی بادشاہت پر آنچ آ سکے گی اور اس چابک میں یہ اثر ہے کہ اگر کوئی شخص' اس چابک کے مالک کے حکم سے سرتابی کرے گا تو چابک اس پر عذاب بن کر گرے گا اور اس کو سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان کو بادشاہت بھی عطا فرمائی اور نبوت کے درجے پر بھی سرفراز کر دیا۔ اب سلیمان' حضرت سلیمان علیہ السلام ہو گئے اور قوم بنی اسرائیل کے زبردست بادشاہ بن گئے۔

حضرت داؤدؑ گوشہ نشین ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے لیکن ان کے بعض بیٹوں نے انہیں سکون سے عبادت بھی نہ کرنے دی۔

حضرت سلیمان کے تخت نشین ہوتے ہی ان کے چوتھے بھائی اودنیاہ نے علم بغاوت بلند کیا۔ اودنیاہ کے ساتھ یوآب اور ابی ثیر کاہن بھی شریک ہو گئے۔ حضرت سلیمان کا ساتھ تائن بنی' نیاباکاہن اور صدون کاہن نے دیا۔ شاہی لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور جنگ شروع ہو گئی۔

چونکہ سلیمان حق پر تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیاب اور فتح یاب کیا۔ یوآب اور ابی ثیر کاہن' دونوں نیاباکاہن کے ہاتھوں مارے گئے۔ اودنیاہ کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ آیا وہ مارا گیا یا کہیں روپوش ہو گیا۔

دشمنوں کا زور ٹوٹ گیا اور حضرت سلیمان کی بادشاہت مستحکم ہو گئی تو حضرت داؤدؑ نے انتقال فرمایا۔ ان کی پیاری بیوی بتشبع بھی شوہر کے انتقال کے بعد زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکیں اور انہوں نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔

○

حضرت سلیمان کو جب ملک کے اندرونی خلفشار سے نجات ملی اور حکومت میں استحکام پیدا ہو گیا تو آپ نے مصر کے فرعون بسپ خانو دوم کی لڑکی کے لئے شادی کا

پیغام دیا۔ اس فرعون کا تعلق خاندان کنہ سے تھا۔ جس زمانے میں حضرت سلیمان کا پیغام اس کے پاس پہنچا تو وہ جزر کے بادشاہ سے جنگ کر رہا تھا۔

اس کی صرف ایک ہی لڑکی تھی جو بڑی حسین اور ذہین تھی ——— **بسپ** خانو دوم اس کی شادی کسی عالی نسب شہزادے سے کرنا چاہتا تھا۔ جس دن حضرت سلیمان کو پیغام پہنچا اسی دن اسے فتح حاصل ہوئی۔ **بسپ** نے اسے ایک نیک شگون سمجھا اور فوراً" پیغام قبول کر لیا۔

حضرت سلیمان‘ اس کی بیٹی کو بڑی دھوم دھام سے بیاہ کر لائے **بسپ** نے بیٹی کو بہت جہیز‘ سینکڑوں کنیزوں اور غلاموں کے ساتھ رخصت کیا۔ حضرت سلیمان کی ان زوجہ کے بطن سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بڑی لڑکی جس کا نام طافت تھا‘ کا عقد انبیاداب سے ہوا اور چھوٹی لڑکی **بسحت** کی شادی‘ امحض سے کی گئی۔ انبیاداب اور امحض دونوں حضرت سلیمان کے گورنر تھے۔

اس بیوی سے ایک لڑکا رحعام بھی پیدا ہوا جو حضرت سلیمان کے بعد تخت پر بیٹھا لیکن تاریخ گزیدہ بتاتی ہے کی رحعام‘ ملکہ بلقیس سبا کے بطن سے تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب سلاطین اول توریب باب نمبر۱۱ کا یہ اندراج قطعی مہمل اور خلاف عقل ہے کہ حضرت سلیمان کی ان زوجہ کے علاوہ سات سو بیویاں اور تین سو بیگمات تھیں۔ توریت شریف میں یقیناً" یہ تصرف اور اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ تعداد ان کنیزوں اور خادماؤں کی ہے جو محلات شاہی میں مختلف فرائض اور خدمات سرانجام دیتی تھیں۔ افسوس کہ ان زوجہ کا نام اور تفصیلی حالت کہیں سے دستیاب نہ ہو سکے۔

حضرت سلیمان کی دوسری بیگم کا نام جراده تھا۔ یہ شاہ صیدون کی ناز پرور بیٹی تھیں۔ یہ اپنے باپ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ شاہ صیدون جنگ میں مارا گیا اور یہ مسلمان ہو کر حضرت سلیمان کی زوجیت میں آ گئیں۔ یہ بہت حسین و جمیل تھیں لیکن باپ کی محبت نے انہیں جادہ حق سے ہٹا دیا۔ انہیں شیطان نے مشورہ دیا کہ باپ کا بت بنا کر پوشیدہ طور پر اس کی پوجا کرو تاکہ باپ کا غم باقی نہ رہے۔ یہ شیطان کے

فریب میں آ گئیں اور بت بنا کر اسے پوجنے لگیں ——— لیکن جلد ہی راز کھل گیا اور حضرت سلیمان نے انہیں زوجیت سے خارج کر دیا۔

حضرت داؤد نے اپنے دور حکومت میں رہائش کے لئے کوئی خاص محل تعمیر نہ کیا تھا لیکن حضرت سلیمان نے سلطنت میں امن و امان ہوتے ہی ملک صور کے بادشاہ جیرام کو حکم دیا کہ ان کے لئے ایک ایسا قصر معلیٰ تعمیر کیا جائے جس کی مثال دنیا میں نہ ہو۔

اس حکم کی تعمیل میں جیرام نے جو وسیع و عریض عمارت تعمیر کی وہ واقعی لاجواب اور عدیم **النظیر** تھی۔ اس قصر کا احاطہ چھتیس کوس کا تھا اور دیواروں میں سونے‘ چاندی کی اینٹیں لگائی گئی تھیں۔ اس احاطے کے اندر ایک ہزار محل بنائے گئے۔ حضرت سلیمان کا محل خاص‘ بارہ کوس کے رقبے پر مشتمل تھا۔ اس محل میں آپ تخت پر جلوس فرماتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ کے تخت کا طول تین کوس تھا اور پورا تخت ہاتھی کے دانت سے تیار کیا گیا تھا۔ تخت کی مرصع کاری لعل‘ یاقوت او زمرد سے کی گئی تھی اور چاروں طرف سونے کی اینٹیں لگائی گئی تھیں۔ تخت کے چاروں کونوں پر چار‘ چاند نما درخت لگائے گئے تھے جن کی ڈالیاں سونے کی اور پتیاں سبز زمرد کی تھیں۔ ہر ڈالی پر طوطی اور طاؤس بنا کر بٹھائے گئے تھے جن کے پیٹ کے اندر مشک اور دیگر خوشبویات بھری تھیں۔ درخت کے خوشے انگور کے تھے جو لعل و یاقوت سے بنائے گئے تھے۔ تخت سے ایک سیڑھی نیچے‘ سونے کی ایک ہزار کرسیاں رکھی جاتی تھیں جن پر ارکان حکومت بیٹھتے تھے۔ ان کے پیچھے جنوں اور انسانوں میں سے غلام کھڑے رہتے تھے۔ جب حضرت سلیمانؑ تاج شاہی سر پر رکھ کر اور انگشتری سلیمانی انگلی میں پہن کر تخت پر قدم رکھتے تو ان کی ہیبت سے تخت لرزنے لگتا تھا اور اس وقت طوطی و طاؤس بحکم خدا اپنے پروں کو پھیلا دیتے اور مشک کی خوشبو سے تمام فضا مہک اٹھتی۔

کہتے ہیں اس تخت پر بیٹھ کر حضرت سلیمانؑ صحیفہ آسمانی توریت پڑھتے اور مخلوق خدا پر حکمرانی کرتے تھے۔ آپ ہر پرندے کی بولی سمجھتے تھے۔ جب تک حضرت سلیمانؑ

تخت پر جلوس فرما رہتے تمام پرندے ہوا میں معلق ہو کر آپ کے اوپر سایہ کئے رہتے۔ سفر کے دوران بھی پرندے آپ کو اپنے سائے میں لئے رہتے تھے۔ تخت گاہ کے اس مکان میں صدہا محرابیں تھیں جن میں عابد و زاہد ہر وقت ذکر خداوندی میں مشغول رہتے۔

حضرت سلیمانؑ کے قبضے میں تمام جن تھے۔ یہ جن فرش فروش اور باورچی خانے کا انتظام پر تعینات تھے۔ یہ تمام کھانا لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت سلیمانؑ رزق حلال کے لئے اپنے ہاتھ سے زنبیل (تھیلی) بناتے اور اسے بازار میں فروخت کر کے جو خریدتے تھے جو کو وہ خود ہی پیس کر آٹا بناتے اور اس کی روٹی پکاتے تھے۔ آپ اپنے ہاتھ کی پکائی ہوئی روٹیاں لے کر بیت المقدس میں جاتے اور وہاں روزے داروں اور غریب درویشوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے اور خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔

حضرت سلیمانؑ روزانہ خدائے ذوالجلال کی مناجات کرتے اور فرماتے۔ "اے خداوندا! میں درویشوں کے ساتھ بھی شامل ہوں اور بادشاہوں کے ساتھ بادشاہ بھی ہوں، پیغمبروں کے ساتھ پیغمبر بھی ہوں۔ اے، میرے مالک! میں تیری نعمتوں کا کہاں تک شکر ادا کروں، تیرا شکر ادا کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔"

○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "**وورث سلمان-----**" اور وارث ہوا سلیمانؑ حضرت داؤد کا۔ یعنی نبی اور بادشاہ ہوا، اپنے باپ کی جگہ یہ عظمت اور بزرگی حاصل کرنے کے بعد حضرت سلیمانؑ نے لوگوں سے فرمایا۔

"اے لوگو! سکھائی گئیں، ہمیں بولیاں ہر جانور کی اور دیئے گئے ہم ہر چیز سے۔" یعنی دنیا کی جو چیز درکار ہے وہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی ہے۔

ایک جگہ اور قرآن میں آیا ہے۔ "**یسلمان الریح-----**" اور مسخر کیا واسطے سلیمان کے ہوا کو صبح کی۔

اس طرح کی بہت سی آیات قرآنی، حضرت سلیمانؑ کے بارے میں آئی ہیں جن کی تفسیر او رروایات کے حوالوں سے حضرت سلیمانؑ کی شان و شوکت کا نقشہ اس

طرح کھینچا گیا ہے کہ-----

"جب حضرت سلیمانؑ کا تخت ہوا کی لہروں پر رواں ہوتا تو پرندے جھنڈ کے جھنڈ، آپ کے تخت کے اوپر اپنے پروں کا سایہ کرتے اور انسانوں کی فوج دائیں اور جنوں کی فوج بائیں جانب ہوتی۔ اس تخت رواں کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ شام سے یمن تک کا فاصلہ آدھے دن میں طے ہوتا۔ آپ جس راستے سے گزرتے وہاں کی زمین آواز دیتی کہ اے سلیمانؑ! جو دفینے مجھ میں ہیں وہ اٹھوا لو اور انہیں اپنے کام میں لاؤ۔ آپ جنوں کو حکم دیتے کہ زمین کے خزانے سمیٹ لو۔ یہ جن، سمندر اور خشکی سے آپ کے لئے موتی اور جواہرات اکٹھا کرتے تھے۔ اس طرح حضرت سلیمانؑ کے خزانے کی کوئی حد و انتہا نہ تھی۔"

ایک بار تخت سلیمانؑ ہوا کے دوش پر رواں دواں تھا۔ کرسیوں پر ہزاروں اراکین سلطنت بیٹھے تھے۔ وزیراعظم آصف ابن برخیا کی کرسی تمام اراکین سے آگے تھی۔ جن و انس، تخت کے گرد اپنی اپنی جگہ پر مودب کھڑے تھے۔ پرندے، چپ و راست، پیش و پس، تخت سلیمانؑ پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت سلیمانؑ کے کان میں فرشتوں کی تسبیح کی آواز آئی۔ فرشتے کہہ رہے تھے۔

"اے، رب! تو نے حضرت سلیمانؑ کو جیسا جاہ و جلال و حشم عطا فرمایا، یہ کسی اور جن و بشر کو نہیں دیا۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اے فرشتو! میں نے سلیمانؑ کو ہفت اقلیم کی بادشاہت عنایت کی ہے اور اس کو نبوت سے بھی سرفراز کیا۔ لیکن اس کو غرور و تکبر ذرا بھی نہیں۔ اگر وہ غرور کرتا تو اسے ہوا پر لے جا کر زمین پر ڈال دیتا اور پھر اس کو نیست و نابود کر دیتا۔"

حضرت سلیمانؑ کے کانوں میں یہ آواز آئی تو آپ خدا کے حضور فوراً سجدہ بجا لائے پھر آپ نے تخت کو زمین پر اترنے کا حکم دیا ہوا، تخت سلیمانؑ کو آہستہ آہستہ زمین پر لے آئی۔

یہ بستی، چیونٹیوں کی تھی۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا۔ "**حتی اذا-----**" یہاں

تک کہ جب پہنچے' حضرت سلیمانؑ چیونٹیوں کے میدان پر کہا' ایک چیونٹی نے۔۔۔۔۔ اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے گھروں میں تاکہ پیس نہ ڈالے تم کو سلیمانؑ اور اس کا لشکر اور پھر ان کو خبر بھی نہ ہو۔

حضرت سلیمانؑ نے شاہ مور "چیونٹیوں کے بادشاہ" کی یہ بات سنی تو مسکرا کر کہا۔ "یہ بھی اپنی رعیت پر شفقت اور مہربانی کرتی ہے۔"

پھر حضرت سلیمانؑ نے شاہ مور کو زمین سے اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھا اور دریافت فرمایا۔ "اے شاہ مور! تم نے اپنے لشکر سے یہ کیوں کہا کہ سلیمانؑ آتا ہے' تم اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ تم نے میرا کیا ظلم دیکھا؟"

شاہ مور نے ادب سے جواب دیا۔ "اے' اللہ کے نبی! بے شک آپ نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ لیکن یہ ممکن تھا کہ غلطی سے آپ کے لشکریوں کے پیروں کے نیچے ہمارا لشکر آ جاتا اور اس طرح آپ کو خبر بھی نہ ہوتی اور ہم ہلاک ہو جاتے۔ میں نے یہ بات حفظ ماتقدم کے طور پر کہی تھی۔"

حضرت سلیمانؑ نے پوچھا۔ "اے شاہ مور! کیا تم ہمیشہ ہی ان پر ایسی شفقتیں کرتے ہو؟"

شاہ مور نے جواب دیا۔ "جی ہاں' اے اللہ کے نبی! ان کی خوشی' میری خوشی اور ان کا غم' میرا غم ہے۔ ان کی غم خواری اور دلداری مجھ پر واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی واسطے ان کا بادشاہ بنایا ہے۔ اگر میری ایک چیونٹی بھی مر جائے تو جب تک میں اسے اٹھا کر اس کے مسکن تک نہیں پہنچا دیتا مجھے چین نہیں ملتا۔"

حضرت سلیمانؑ نے دریافت فرمایا۔ "اے شاہ مور! تمہارے ساتھ ہر وقت کتنی چیونٹیاں رہتی ہیں؟"

شاہ مور نے بتایا۔ "اے' نبی! چالیس ہزار چیونٹیاں ہر دم میرے ساتھ ہوتی ہیں۔"

حضرت سلیمانؑ نے پھر پوچھا۔ "اے شاہ مور! یہ تو بتاؤ کہ تمہاری سلطنت بہتر ہے یا میری؟"

شاہ مور نے بے دھڑک کہا۔ "اے نبی! میری سلطنت! آپ کی سلطنت سے بہتر ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا میں نے بے خوف اظہار کیا ہے۔"

حضرت سلیمانؑ بولے۔ "ہر بات کا ثبوت اور دلیل ہوتی ہے۔۔۔۔۔ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ تمہاری سلطنت میری سلطنت سے بہتر ہے؟"

شاہ مور نے جواب دیا۔ "اے نبی' میری سلطنت آپ کی سلطنت سے اس لئے بہتر ہے کہ آپ کے تخت کو ہوا اٹھاتی ہے اور تخت آپ کو اٹھاتا ہے۔ آپ تخت پر تشریف رکھتے ہیں۔ یہ کتنے بڑے تکلف اور شان و شوکت کا اظہار ہے۔"

حضرت سلیمانؑ شاہ مور کے اس جواب پر بہت حیران ہوئے۔ انہوں نے پوچھا۔ "اے شاہ مور! تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا! تمہیں یہ کس نے بتایا کہ میرے تخت کو ہوا اٹھاتی ہے؟"

شاہ مور بولا۔ "اے حضرت سلیمانؑ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل و دانش دی ہے لیکن یہ عقل صرف آپ ہی کو نہیں دی گئی ہے بلکہ اس سے ہم جیسے نحیف و ناتواں کو بھی سرفراز کیا گیا ہے۔"

حضرت سلیمانؑ اور زیادہ حیران ہوئے۔ شاہ مور نے حضرت سلیمانؑ کو حیران دیکھا تو بولا۔ "اے نبی خدا! اگر اجازت ہو تو میں آپ سے کچھ مسائل پوچھوں؟"

حضرت سلیمانؑ شاہ مور کی گفتگو سے بڑے متاثر تھے۔ انہوں نے اسے اجازت دے دی۔

شاہ مور نے عرض کیا۔ "اے حضرت سلیمانؑ! آپ نے خداوند تعالیٰ سے سوال کیا تھا' **قال رب**۔۔۔۔۔ اے پروردگار! مغفرت کر میری اور بخش مجھ کو۔ ایسا ملک نہ ملا ہو کسی کو میرے پیچھے۔ تو ہے' سب سے زیادہ بخشنے والا تو اے' نبی! آپ کے اس سوال سے حسد کی بو آتی ہے۔ نبیوں اور پیغمبروں کو حسد نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بات ان کی شان کے خلاف ہے آپ اس سے پوری طرح واقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ' دونوں جہانوں کا مالک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سے یہ کہنا کسی طرح مناسب نہیں کہ اے میرے پروردگار! تو میرے سوا کسی اور کو بادشاہی نہ دے۔ وہ مالک اور خالق جس

کو چاہیے' دے۔ نبی کی شان سے ایسی حسد کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔"

حضرت سلیمانؑ کو شاہ مور کی زبان سے یہ باتیں چھوٹا منہ اور بڑی بات معلوم ہوئیں۔ آپ کو شاہ مور کی گفتگو اور نصیحت ناگوار گزری۔ شاہ مور نے اس کا اندازہ آپ کے چہرے سے لگا لیا اور کہا۔

"اے' پیغمبر! آپ کو میری باتوں سے بیزار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے اور درست بات پر خفا ہونا بے جا ہے۔"

شاہ مور کی باتیں درست تھیں۔ حضرت سلیمانؑ کا غصہ تو ٹھنڈا ہو گا مگر وہ خاموش رہے۔

شاہ مور بولا۔ "اے نبی! آپ خفا نہ ہوئیے اور مجھے ایک بات بتائیے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو انگشتری دی ہے اس کا کیا راز ہے؟"

حضرت سلیمانؑ نے جواب دیا۔ "مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں اگر تم جانتے ہو تو ضرور بتاؤ۔"

شاہ مور نے حضرت سلیمانؑ کو بتایا۔ "اے' پیغمبر خدا! اللہ نے آپ کو سلطنت دی ہے۔ قاف سے قاف تک لیکن اس پوری سلطنت کی قیمت ایک نگینے سے زیادہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پیش نظر یہ بات رہے کہ اس دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔"

شاہ مور کی ہر بات سے حضرت سلیمانؑ کی حیران میں اضافہ ہو رہا تھا ان کی خفگی ختم ہو گئی۔

شاہ مور نے دوسرا سوال کیا۔ "اے سلیمان علیہ السلام! خدا نے ہوا کو آپ کے تابع کر دیا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اس میں کیا راز ہے؟"

"میں اس راز سے بھی واقف نہیں۔" حضرت سلیمانؑ نے جواب دیا۔ "کیا تم اس بات سے آگاہ ہو؟"

"تو سنئے' اے نبی خدا!" شاہ مور نے بتایا۔ "اس کا مطلب ہے کہ موت کے وقت یہ دنیا آپ کو ہوا کے مانند معلوم ہو گی۔"

حضرت سلیمانؑ شاہ مور کی یہ بات سن کر رونے لگے اور اللہ کے حضور توبہ و استغفار کی پھر بولے۔ "اے شاہ مور! تم نے ٹھیک کہا یہ دنیا ہوا کی مثال ہے۔"

شاہ مور نے پھر کہا۔ "اے' سلیمان علیہ السلام! کیا آپ سلیمانؑ کے معنی جانتے ہیں؟"

حضرت سلیمانؑ نے کہا۔ "اے شاہ مور! اس کے معنی بھی تم ہی بتاؤ میں نہیں جانتا۔"

شاہ مور نے کہا۔ "اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کی زندگی میں دل مت لگائیے۔ کیونکہ موت ہر ساعت ہے۔"

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا۔ "اے' شاہ مور! میں تمہاری عقلمندی کا قائل ہو گیا۔ مجھے تم کچھ نصیحت کرو اور نیک کام بتاؤ؟"

شاہ مور نے کہا۔ "اے' پیغمبر خدا! اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت پر سرفراز فرمایا اور دنیا کی بادشاہی دی ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اپنی رعیت کی نگہبانی کریں۔ عدل و انصاف فرمائیں تاکہ رعایا خوش رہے۔ مظلوم کی داد رسی کریں اور ظالم کو سزا دیں۔ میں غریب' ضعیف اور مسکین ہوں لیکن ہر دم رعیت کا خیال رکھتا ہوں' ان کا بار اٹھاتا ہوں' کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔"

حضرت سلیمانؑ شاہ مور کی ایمان آموز اور ایمان افروز باتیں سن کر بہت خوش ہوئے اور بولے۔

"اے' شاہ مور! تمہاری باتوں سے میرا دل بہت خوش ہوا اور میں نے تم سے بہت کچھ حاصل کیا۔ تمہارا بہت بہت شکریہ! اب مجھے آگے جانے کی اجازت دو۔"

شاہ مور بولا۔ "اے' حضرت سلیمانؑ! آپ میرے مہمان ہیں اور مہمان کو بغیر کچھ کھلائے پلائے جانے دینا کسی طرح مناسب نہیں------ ہمیں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دال دلیا دیا ہے' اس میں سے آپ اور آپ کا لشکر تناول فرمائیں پھر آگے کا قصد کریں۔"

حضرت سلیمانؑ نے بلا عذر شاہ مور کی دعوت قبول کر لی۔ شاہ مور حضرت سلیمانؑ

کے ہاتھ سے اتر کر بل میں گیا اور ٹڈی کی ایک ٹانگ لا کر حضرت سلیمانؑ کے سامنے رکھ دی۔

حضرت سلیمانؑ ہنس کر بولے۔ "اے' شاہ مور! میرا اور میرے لشکر کا' ٹڈی کی اس ایک ٹانگ سے کیا بھلا ہو گا؟"

شاہ مور نے کہا۔ "اے' حضرت سلیمانؑ! آپ اس ٹانگ کو کم نہ سمجھئے۔ اس میں بڑی برکت ہے۔ آپ بسم اللہ کیجئے اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھئے۔"

روایت ہے کہ ٹڈی کی اس ٹانگ سے حضرت سلیمانؑ اور پورا لشکر کھاتا رہا اور جب سب کا پیٹ بھر گیا تو اس کا کچھ حصہ پھر بھی باقی رہ گیا۔

حضرت سلیمانؑ یہ حال دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور فوراً" سجدے میں گر گئے او عرض کیا۔ "اے' پروردگار! تیری قدرت بے انتہا ہے اور بے شک تو ہی عظمت اور بزرگی کے لائق ہے۔"

○

جس وقت حضرت سلیمانؑ کا تخت اترا اور حضرت سلیمانؑ شاہ مور سے گفتگو کرنے لگے تو وہ تمام پرندے جو ان کے تخت پر سایہ کئے ہوئے تھے آرام کرنے کے لئے درختوں کی شاخوں پر بیٹھ گئے تاکہ اس وقت تک تھکن دور کریں جب تک حضرت سلیمانؑ اور شاہ مور میں گفتگو ہوتی رہے۔

روایت ہے کہ ہد ہد کو یہ تاج' حضرت سلیمانؑ نے خوش ہو کر عطا فرمایا تھا۔ ہد ہد پرندہ سیرو سفر میں حضرت سلیمانؑ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس پرندے سے ایک کام تو نامہ براور قاصد کا لیا جاتا تھا اور دوسرا کام پانی کی تلاش کا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے بہت تیز نظر دی تھی۔

جب حضرت سلیمانؑ کے لشکر کو دوران سفر پیاس لگتی اور پانی کی ضرورت پڑتی تو حضرت سلیمانؑ ہد ہد کو پانی کی تلاش میں بھیجتے۔ ہد ہد ہوا میں بلند ہو کر چاروں طرف دیکھتا۔ اسے جہاں بھی زمین کے اوپر یا اندر' پانی دکھائی دیتا۔ وہ واپس آ کر حضرت سلیمانؑ کو پانی کی جگہ کی نشاندہی کر دیتا۔ حضرت سلیمانؑ اپنے تابع جنوں کو پانی لانے کا

حکم دیتے جن فوراً" ہد ہد کے بتائے ہوئے مقام پر پہنچ کر کنواں یا تالاب کھودتے اور لشکر کو پانی مہیا کر دیتے۔

تمام پرندے تو شاخوں پر بیٹھ کر آرام کرنے لگے مگر حضرت سلیمانؑ کے ہد ہد کو کچھ اور ہی سوجھی۔ اس نے سوچا جب تک حضرت سلیمانؑ اور شاہ مور میں گفتگو ہو رہی ہے کیوں نہ میں ادھر ادھر کی سیر کر لوں۔ چنانچہ ہد ہد ہوا میں بلند ہوا اور چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ معاً" اس کی نظر اپنے ایک ہم جنس پر پڑی جو ایک باغ کی دیوار پر بیٹھا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے ہد ہد نے فوراً" ہوا میں غوطہ لگایا تاکہ اجنبی ہد ہد کے پاس بیٹھ کر کچھ دیر گپ شپ کرے۔

اجنبی ہد ہد نے اپنے ہم جنس کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور سلام و دعا کرنے کے بعد پوچھا۔ "اے' ہم جنس! تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

حضرت سلیمانؑ کا ہد ہد مسکرایا اور بولا۔ "اے' بھائی! شاید تم اجنبی ہو اور کسی دور دیس سے آئے ہو!"

اجنبی ہد ہد نے جواب دیا۔ "اے برادر! تمہارا خیال درست ہے لیکن پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

حضرت سلیمانؑ کے ہد ہد نے کہا۔ "اجنبی دوست! میں' شہنشاہ سلیمانؑ کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ میں' ان کا نامہ بر بھی ہوں اور ضرورت پڑنے پر پانی کی تلاش کی خدمت بھی بجا لاتا ہوں۔"

اجنبی ہد ہد نے دریافت کیا۔ "یہ سلیمانؑ کسی ملک کے بادشاہ ہیں؟"

حضرت سلیمانؑ کے ہد ہد نے کہا "بھائی تعجب ہے کہ تم شاہوں کے شاہ حضرت سلیمانؑ کو نہیں جانتے۔ وہ ہفت اقلیم کے بادشاہ ہیں اور ان کی حکومت بشر کے علاوہ جنوں پر ہے۔ ملک شام میں ایک مقام یروشلم ہے۔ وہاں حضرت سلیمانؑ کا اتنا بڑا اور عالیشان محل ہے کہ تم دیکھو تو دیکھتے ہی رہ جاؤ۔"

اجنبی ہد ہد نے ہنس کر کہا۔ "اے' دوست! تم اپنے بادشاہ کی شان اور شوکت کا حال بیان کر رہے ہو لیکن اگر تم میری ملکہ کا ملک اور اس کی سطوت اور دبدبہ دیکھو تو

دانتوں میں انگلیاں دبا کر رہ جاؤ۔ اس دنیا میں اس کا ثانی موجود نہیں۔"

"کیا نام ہے' تمہاری ملکہ کا؟"

"ملکہ بلقیس سبا۔"

"یہ کس ملک کی ملکہ ہے؟"

اجنبی ہد ہد نے بتایا۔ "ملک یمن میں ایک سرزمین صناء ہے۔ یہی سلطنت سبا ہے اور اس کا دارالخلافہ شہر مارب میں ہے۔"

حضرت سلیمانؑ کے ہد ہد کا تجسس بڑھا۔ اس نے "پوچھا کتنی فوج اور لاؤ لشکر ہے۔ تمہاری ملکہ کے پاس؟

اجنبی ہد ہد نے بتایا۔ "میری ملکہ بلقیس کے پاس بارہ ہزار سردار ہیں اور ہر سردار کے ماتحت ایک ایک لاکھ کا لشکر ہے۔" (یہ بات مبالغہ معلوم ہوتی ہے۔ اجنبی ہد ہد نے اپنی ملکہ کا رعب ڈالنے کے لئے لشکر کی تعداد بڑھا چڑھا کر بتائی ہو گی۔)

حضرت سلیمانؑ کا ہد ہد سوچتے ہوئے بولا۔ "بھائی! تم نے جو باتیں اپنی ملکہ کے بارے میں بتائی ہیں اگر یہ سچ ہیں تو تمہارا ملک اور تمہاری ملکہ واقعی دیکھنے کے قابل ہیں۔"

اجنبی ہد ہد نے کہا۔ "میرے دوست! ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ابھی میرے ساتھ چلو۔ دودھ کا دودھ' پانی کا پانی ہو جائے گا۔ مجھے' تمہاری مہمان نوازی کر کے بڑی خوشی ہو گی۔"

حضرت سلیمانؑ کا ہد ہد فوراً" بولا۔ "دل تو میرا بھی چاہتا ہے کہ تمہارا ملک اور ملکہ دیکھوں لیکن مشکل یہ ہے کہ شاہ سلیمانؑ کہیں روانگی کا حکم نہ دے دیں۔ اسی وقت میری تلاش ہو گی۔"

اجنبی ہد ہد نے کہا۔ "اس میں فکر کی کیا بات ہے؟ میرا ملک دور ہی کتنا ہے بس یوں گئے اور یوں آئے۔"

"ملک یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"آدمیوں کے لئے پیدل کا سفر تو ایک ماہ کا ہے لیکن ہم تم پرندے ہیں۔ صرف

چند گھنٹے لگیں گے آنے جانے میں۔"

حضرت سلیمانؑ کے ہد ہد کے دل میں ملک یمن اور ملکہ بلقیس سبا کو دیکھنے کا زبردست شوق پیدا ہوا۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ میں اس ملکہ اور ملک کو دیکھ آؤں اور واپس آ کر اس کا حال حضرت سلیمانؑ کو سناؤں تو وہ یقیناً" خوش ہوں گے۔

کچھ جذبہ شوق سے مجبور ہو کر اور کچھ اجنبی ہد ہد کے اصرار پیہم کے تحت' وہ ملک یمن جانے پر آمادہ ہو گیا اور اجنبی ہد ہد کے ساتھ یمن کی طرف پرواز کرنے لگا۔

شامت اعمال دیکھئے کہ حضرت سلیمانؑ شاہ مور کی گفتگو اور ضیافت سے جلدی فارغ ہو گئے اور انہوں نے مراجعت کا قصد کیا۔ اراکین دولت اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے اور ہوا نے تخت سلیمانی کو بلند فضاؤں میں پہنچا دیا تمام پرندے اپنے پروں سے تخت سلیمانی پر سایہ کئے ہوئے تھے یکایک حضرت سلیمانؑ کو آفتاب کی تمازت محسوس ہوئی۔ "آپ نے اوپر کی طرف دیکھا اور بہت عمیق نظر کی تو تمام پرندے نظر آئے مگر ہد ہد دکھائی نہ دیا۔"

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا۔ (قرآن حکیم) "وتفقد الطیر------ " اور خبر لی' حضرت سلیمانؑ نے اڑتے ہوئے پرندوں کی۔ پس کہا کہ کیا ہے مجھ کو کہ نہیں دیکھتا ہوں میں' ہد ہد پرندے کو یا وہ مجھ سے غائب ہو گیا ہے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو البتہ میں عذاب کروں گا' اس کو اور عذاب سخت یا ذبح کروں گا میں' اس کو یا پھر لادے گا' میرے پاس کوئی دلیل ظاہر۔

پھر اسی وقت حضرت سلیمان نے عقاب کو حکم دیا کہ وہ جائے اور ہد ہد جس جگہ ہو اسے تلاش کر کے' ان کے سامنے حاضر کرے۔ عقاب نے اپنے پر کھولے اور تیزی سے بلند ہوتا چلا گیا۔ اس نے اوپر جا کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ جنوب کی سمت ایک پرندہ اڑتا ہوا نظر آیا جو اسی طرف آ رہا تھا۔ عقاب نے جھٹ سے غوطہ لگایا اور فوراً" اس پرندے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پرندہ حضرت سلیمان کا ہد ہد تھا جو تیزی سے اڑتا ہوا یروشلم کی طرف آ رہا تھا۔

عقاب نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔ "اے کمبخت! تو کہاں مر گیا تھا۔ شہنشاہ

ہفت اقلیم کو تیری تلاش ہے اور وہ سخت ناراض ہیں۔ مجھے تیری تلاش میں بھیجا ہے۔ فرما رہے ہیں کہ اگر تو نے اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول دلیل پیش نہ کی تو تجھے عذاب میں ڈالا جائے گا۔"

ہد ہد نے اسی طرح اڑتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی کہ میں شہنشاہ کو بتائے بغیر غائب ہو گیا لیکن میں جس جگہ سے آ رہا ہوں اور جو کچھ میں نے دیکھا ہے جب اس کا ذکر اور تفصیل بیان کروں گا تو مجھے امید ہے کہ ان کی ناراضگی دور ہو جائے گی اور کیا عجب کہ مجھے انعام و اکرام سے سرفراز فرمائیں۔"

عقاب نے ذرا بگڑتے ہوئے کہا۔ "یہ تو اب دربار ہی میں جا کر معلوم ہو گا کہ حضرت سلیمان تجھے انعام دیتے ہیں یا ذبح کراتے ہیں۔"

اس موضوع پر باتیں کرتے ہوئے دونوں حضرت سلیمان کے دربار میں پہنچ گئے۔

حضرت سلیمان نے ہد ہد کو دیکھتے ہی سوال کیا۔ "تو ہماری مرضی کے بغیر کہاں چلا گیا تھا؟"

ہد ہد بولا۔ (قرآن حکیم) "میں ایک چیز کی خبر لایا ہوں۔"

حضرت سلیمانؑ نے دریافت کیا۔ "تو کہاں سے خبر لایا ہے؟"

ہد ہد نے جواب دیا۔ "اے شہنشاہ ہفت اقلیم! میں یمن کی ایک سلطنت سبا سے خبر لایا ہوں۔"

حضرت سلیمانؑ نے توقف فرماتے ہوئے پوچھا۔ "تو وہاں کس طرح گیا اور کیا خبر لایا ہے۔ اسے تفصیل سے بیان کر؟"

ہد ہد نے جواب دیا۔ "اے' نبی اللہ! جس وقت' آپ کا تخت شاہ مور کی بستی میں اترا تھا اس وقت میں نے ہوا میں بلند ہو کر ادھر ادھر نظر دوڑائی تو مجھے اپنا ایک ہم جنس ایک باغ کی دیوار پر نظر آیا۔ میں اڑ کر اس کے پاس جا پہنچا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ میں نے بتایا کہ میں ملک شام سے آ رہا ہوں اور حضرت سلیمانؑ میرے آقا ہیں۔ اس نے آپ کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے کہا کہ حضرت سلیمانؑ اس وقت شہنشاہ ہفت اقلیم اور بادشاہ جن و انس' وحوش و

یور اور جمیع مخلوقات ہیں۔ پھر میں نے اس سے دریافت کیا کہ تم کس ملک سے ئے ہو اور تمہارا بادشاہ کون ہے۔ تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ ملک یمن سلطنت سبا کا ہنے والا ہے اور وہاں کی حاکم بلقیس نامی ایک خاتون ہیں جن کے تحت بارہ ہزار ردار اور ہر سردار کے ماتحت ایک ایک لاکھ کا لشکر ہے۔ مجھے اس کی بات پر بڑا جب ہوا۔ اس نے مجھے حیران دیکھا تو اپنے ملک چلنے کی دعوت دی تاکہ میں خود اپنی نکھوں سے وہ تمام چیزیں دیکھ سکوں جن کا اس نے ذکر کیا تھا۔ میں نے بہت عذر کیا کہ میرے آقا مجھے غیر حاضر پا کر ناراض ہوں گے اور سزا دیں گے مگر وہ اصرار کرتا ہا۔ میرے دل میں بھی تجسس پیدا ہوا اور میں اس کے ساتھ سلطنت سبا چلا گیا۔"

حضرت سلیمانؑ اور تمام اراکین' ہد ہد کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہے تھے۔ ہد د خاموش ہوا تو حضرت سلیمانؑ نے اس کی طرف اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ آگے بیان کر۔

ہد ہد نے کہا۔ "میں نے شہر سبا پہنچ کر ملکہ بلقیس کو دیکھا کہ وہ عظیم تخت پر بیٹھی ہے۔ اس کے شاہی تخت کا طول و عرض تیس گز ہے اور وہ تمام کا تمام جواہرات سے رصع ہے۔ اس کا کوئی شوہر نہیں اور وہ بے دین ہے۔"

حضرت سلیمانؑ نے اسے ٹوکتے ہوئے دریافت کیا۔ "سب باتیں تو ٹھیک ہیں کن تو نے یہ کیسے جانا کہ وہ بے دین ہے؟"

ہد ہد نے حضرت سلیمانؑ کو جواب دیا۔ (قرآن) "میں نے پایا اس صورت شاہی کرتی اپنی قوم کی اور اس کو ہر چیز عنایت کی گئی اور میں نے وہاں یہ بھی دیکھا اس کی قوم اس کو سجدہ کرتی ہے اور وہ سب کے سب سورج کو سجدہ کرتے ہیں راسی کو خدا مانتے تھے۔ حقیقی خدا کو کوئی نہیں جانتا تھا۔"

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا۔ (قرآن) "ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو ٹا ہے۔"

ہد ہد نہایت احترام سے بولا۔ "اے' نبی خدا! میں آپ سے جھوٹ نہیں بولتا۔ پ بے شک اس کی تصدیق فرما لیں۔"

حضرت سلیمانؑ نے ہد ہد سے کہا۔ "تو ہمارا خط بلقیس کے پاس لے جا۔"

جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ "اور کہا حضرت سلیمانؑ نے کہ میرا خط لے جاؤ اور وہ خط لے جا کر اس کی طرف ڈال دو اور پھر اس کے پاس سے چلے جاؤ اور دیکھو وہ کیا جواب دیتی ہے۔"

پھر جب حضرت سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس کے نام پر ایک خط لکھا' اس پر مہر سلیمانی لگا کر ہد ہد کے حوالے کیا کہ اسے شہر سبا جا کر بلقیس کو پہنچائے۔

ہد ہد نے خط کو چونچ میں دیا اور دبایا میں بلند ہو کر سلطنت سبا کی طرف چلا۔ اسے راستہ پہلے ہی معلوم تھا۔ اس لئے اسے سبا پہنچنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ وہ سیدھا بلقیس کے شاہی محل میں پہنچا۔ ملکہ بلقیس اس وقت اپنے خاص کمرے میں استراحت فرما تھی۔ کمرے کے تمام دروازے بند تھے لیکن کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ہد ہد کھڑکی کے ذریعے ملکہ بلقیس کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ملکہ بلقیس کو سوتے پایا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد خط کو ملکہ کے سینے پر رکھ کر چپکے سے نکل گیا۔

کچھ دیر بعد ملکہ بیدار ہوئی تو اپنے سینے پر خط رکھا دیکھ کر بڑی حیران ہوئی۔ اس کے کمرے کے تمام دروازے بند تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ خط اس کے پاس کیسے پہنچا اور اسے لے کر کون آیا۔ جب اس نے بند خط دیکھا تو اس پر حضرت سلیمانؑ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ مہر سلیمانی کو دیکھ کر بلقیس بہت ڈری اس نے تمام محافظوں اور کارپردازوں کو بلا کر پوچھا کہ انہوں نے کسی اجنبی کو اندر آتے جاتے دیکھا ہے؟

کسی نے دیکھا ہوتا تو بتاتا۔ ہر ایک نے نفی میں جواب دیا۔ اس لئے خط وہاں تک پہنچنے کا راز کسی طرح نہ کھل سکا۔

ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کا خط پڑھا تو اور زیادہ خوفزدہ ہوئی۔ اس نے اسی وقت اپنا دربار لگایا۔ جب تمام وزیر اور امیر اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئے تو ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کا خط انہیں دکھاتے ہوئے کہا۔

(قرآن) "اور کہنے لگی بلقیس۔ اے' درباریو! مجھے بتاؤ کہ میرے پاس یہ خط کس

طرح پہنچا ہے اور وہ خط بڑی عزت و عظمت کا ہے۔ اور وہ ہے' حضرت سلیمانؑ کی طرف سے اور اس خط کو شروع بھی اللہ کے نام سے کیا گیا ہے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ تم اپنی سلطنت پر مت زور دکھاؤ اور مسلمان ہو کر میرے پاس چلی آؤ ----- اے دربار والو! مجھ کو جواب دو کہ میں اپنے کام میں کوئی کام تم پر مقرر نہیں کرتی جب تک تم حاضر نہ ہو۔"

یہ سن کر بلقیس کے درباریوں نے کہا۔ (قرآن) "ہم صاحب قوت اور صاحب جنگ ہیں اور یہ کام تیرے اختیار میں ہے۔ سو تو دیکھ لے' جو حکم کرے۔"

ملکہ بلقیس نے کہا۔ "حضرت سلیمانؑ نے مجھے اسلام کی دعوت دی ہے اور لکھا ہے کہ تم آفتاب پرستی چھوڑ کر پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اگر میں' ان کی یہ بات نہیں مانوں گی تو وہ میری سلطنت کو برباد کر دیں گے۔ (قرآن) بادشاہ جس وقت کسی بستی یا ملک میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اس بستی کو خراب کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر میں نے انکار کیا اور اسی طرح ہمارے ملک میں داخل ہوئے تو پورے ملک کو خراب کر دیں گے۔"

ایک سردار نے کہا۔ "اے ملکہ! اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے آپ ہی کوئی تدبیر کیجئے۔"

ملکہ بلقیس بولی۔ (قرآن) "میں بھیجنے والی ہوں ان کی طرف ہدیے (تحائف) پھر میں دیکھتی ہوں کہ وہ کس چیز کے ساتھ واپس آتا ہے۔ اگر سلیمانؑ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو پھر ان کے ساتھ کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ میں ہدیہ بھیج کر آزمائش کرتی ہوں۔ اگر وہ خدا کے پیغمبر ہیں تو وہ ہدیہ نہیں لیں گے اور میرے اسلام نہ لانے کے پر کسی طرح سے راضی نہ ہوں گے۔"

بلقیس کے وزیر باتدبیر نے کہا۔ "اے' ملکہ بلقیس! تمہاری جو سمجھ اور مرضی میں آئے وہ کرو۔ ہم تو تمہارے حکم کے پابند ہیں۔"

○

ملکہ بلقیس کا قصہ' حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ تمام دنیا میں مشہور ہے۔

اس کا جستہ جستہ ذکر آسمانی صحیفوں اور تاریخوں میں موجود ہے۔ روایتوں کا تو یہ حال ہے کہ ان کا بیان بھی مشکل ہے' بہرحال ملکہ سبا بلقیس اپنے حسن و جمال اور شاہانہ دبدبے کی وجہ سے ضرب المثال بن گئی ہیں اور ان کا قصہ حضرت سلیمانؑ کے قصے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

ملکہ بلقیس کا سلسلہ نسب مورخین نے اس طرح بیان کیا ہے۔ بلقیس بنت یشرع بن حارث بن قیس بن صیفی' بن شجب بن عرب بن قحفان ——— لیکن بعض مورخ ان کا شجرہ یوں بتاتے ہیں۔ بلقیس بنت بشرح بن تبغ بن تبغ ذی المنا بن تبغ ذی رائش ہے اور لقب ہداد ہے۔ کچھ ان کے والد کا ناب حارث بن سبا بتاتے ہیں۔ بعض کے خیال میں وہ شیبان کی بیٹی تھیں اور بعض کے نزدیک شرافیل کی دختر نیک اختر تھیں۔ ان کی والدہ کا نام رواحہ یا ریحانہ بنت سکن تھا۔

ملکہ بلقیس کے والدین کے سلسلہ میں یہ حدیث بہت مشہور ہے۔ **ان احد ابوی بلقیس کان جنیا۔** (بلقیس کے ماں' باپ میں سے ایک شخص جنی تھا۔)

اس حدیث کی رعایت سے تذکرہ نویسوں نے بلقیس کی ماں کو جنیہ بتایا ہے۔

بعض مورخین کا خیال ہے کا باپ بغیر وصیت کے مرگیا تھا۔ اس کے بعد بلقیس کا چچا زاد بھائی تخت پر قابض ہو گیا مگر اس کی بدعنوانیوں سے رعیت تنگ آ گئی اور اسے قتل کر کر بلقیس کو ملکہ بنا دیا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ بلقیس کا باپ' بادشاہ نہیں وزیر تھا۔ وہ بادشاہ بہت بدکار تھا۔ جب بلقیس کا باپ مرگیا اور وہ جوان ہوئی تو بادشاہ نے اسے اپنے تصرف میں لانا چاہا۔

بلقیس جس قدر خوبصورت تھی اتنی ہی عاقل و دانا بھی تھی۔ اس نے حکمت عملی سے کام لیا اور بادشاہ کو قتل کرا دیا۔ رعیت پہلے ہی بدکار بادشاہ سے بیزار تھی۔ اس نے بلقیس کو ملکہ سبا بنا دیا۔

ملکہ بلقیس کے متعلق ہزاروں روایتیں تاریخ کے صفحات پر بکھری ہوئی ہیں لیکن ان میں بیشتر ایسی ہیں جنہیں عقل قبول نہیں کرتی۔ بہرحال تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ بلقیس حسن و جمال اور عقل و فراست کا ایک اعلیٰ پیکر تھی۔ اس کی

...انی ایسی نہ تھی کہ کوئی ایک بار دیکھے تو دوبارہ دیکھنے کی آرزو نہ کرے۔ وہ دھیمے لہجے میں گفتگو کرتی اور سنجیدہ سے سنجیدہ گفتگو کے دوران بھی مسکراتی رہتی۔ اس کی اس ...نی کی وجہ سے اس کا مخاطب سحرزدہ ہو جاتا اور اس کی بات بغیر کسی دلیل کے تسلیم ...ر لیتا۔

ملکہ سباء البلقیس کے جاہ و جلال' افواج اور حدود مملکت کے بارے میں بھی بہت ...یادہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ ایک جگہ بلقیس کی فوج کی تعداد صرف چالیس ہزار ...ر امیروں' وزیروں اور ارکان شوریٰ کی مجموعی تعداد تین سو بیان کی گئی ہے اور یہی ...ین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ بڑے جاہ و جلال سے حکومت ...رتی تھی اور اس کے خزانے مال و دولت اور ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے ...ے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت سلیمانؑ اپنے قاصد کے ذریعے خط بھیج کر اسے اسلام ...ے دائرے میں لانے کی کوشش نہ کرے۔

ملکہ سبا بلقیس نے اپنے وزیروں' امیروں اور درباریوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا پھر وہ ...ن تحائف کے انتخاب میں مصروف ہوئی جو حضرت سلیمانؑ جیسے جلیل القدر بادشاہ ...کے حضور میں بھیجے جانے تھے۔ وہ ایک تحفہ پسند کرتی پھر اسے یہ کہہ کر رد کر دیتی کہ ...ضرت سلیمانؑ کے شایان شان نہیں۔ ہر انتخاب کے موقع پر حضرت سلیمانؑ کی تحریر ...س کی نظروں کے سامنے آ جاتی۔ دراصل وہ چاہتی تھی کہ حضرت سلیمانؑ کو ایسے ...ف بھیجے جو ایک طرف تو حضرت سلیمانؑ کو پسند آ جائیں اور دوسری طرف ان ...اس کی دولت و امارت کا بھی مظاہرہ ہو جائے۔

بڑے سوچ بچار کے بعد سات پردے زر بفت کے اور سات سات اینٹیں سونے ...ری کی' بلقیس نے یہ سوچتے ہوئے منتخب کیں کہ یہ اس کہ عظمت کی غمازی بھی ...ریں گی اور حضرت سلیمانؑ کے شایان شان بھی ہوں گی۔

پھر بلقیس نے ایک نیک ساعت اور دن دیکھ کر یہ تحفے ایک ایلچی کے ہاتھ ...ت سلیمانؑ کے دربار یروشلم کی طرف روانہ کئے۔ ایلچی کو زبانی بھی یہ پیغام دیا کہ ...ت سلیمانؑ کو اس کی طرف سے ادب سے سلام پہنچائے اور پھر اس حقیر نذرانے

کو قبول فرمانے کی درخواست کرے۔

ایلچی تحائف لے کر تیزی سے یروشلم کی طرف روانہ ہوا لیکن جنوں اور طیور نے ایلچی کے ملک سبا سے روانہ ہوتے ہی حضرت سلیمانؑ کو خبر پہنچا دی اور یہ تفصیل بھی بتائی کہ ملکہ سبا بلقیس نے سات پردے زربفت اور سات سات اینٹیں سونے اور چاندی کی آپ کے لئے بطور نذرانہ روانہ کی ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ سات پردے زربفت اور سات سات اینٹیں سونے اور چاندی کی بالکل اسی طرح کی محل کی دیواروں سے حاصل کی جائیں اور وہ دربار میں ایلچی کے آنے سے پہلے ہی پہنچا دی جائیں۔

کچھ دن بعد ملکہ سبا بلقیس کا ایلچی تحائف لئے حضرت سلیمانؑ کے محل کے پاس پہنچا تو محل کے در و دیوار کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے دیکھا کہ محل کی تمام دیواریں، سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنی ہوئی ہیں اس نے سوچا جس محل کی دیواریں ایسی ہیں اس کے اندر کیا کچھ ہو گا اور یہاں کا بادشاہ کیسی شان و شوکت کا مالک ہو گا۔ غرض یہ کہ وہ محل پر نظر ڈالتے ہی ایسا مرعوب ہوا کہ اسے اپنی ملکہ بلقیس کے بھیجے ہوئے تمام تحفے حقیر نظر آنے لگے۔

ایلچی نے صدر دروازے پر پہنچ کر محافظوں کو اپنا نام اور پتہ بتایا پھر اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ محافظوں کو ایلچی کے آنے کی خبر پہلے ہی دی جا چکی تھی۔ انہوں نے ایلچی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور نہایت عزت و احترام سے اندر لے گئے۔

محل کے اندر کی آن بان دیکھ کر ایلچی کے ہوش اڑ گئے۔ ناگاہ اس کی نظر ایک دیوار پر پڑی جہاں سے سات اینٹیں سونے کی اور سات اینٹیں چاندی کی اکھاڑی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ ان اینٹوں کا حجم اور وزن تقریباً اتنا ہی تھا جتنا اس کی اینٹوں کا تھا۔ وہ دل میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ یہ تحائف پیش کرے تو حضرت سلیمانؑ اس پر چوری کا الزام لگائیں اور کہیں کہ یہ چیزیں تم نے ہمارے محل سے چوری کی ہیں۔ زربفت کے جو پردے وہ اپنے ساتھ لایا تھا، بالکل اسی طرح کے ہزاروں پردے، محل کے دروازوں پر پڑے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ اور ڈرا کہ

حضرت سلیمانؑ کی نظروں میں ضرور چور سمجھا جائے گا۔ بہرحال اب تو آ ہی گیا تھا اور تحائف پہنچانا بھی ضروری تھا۔ اس لئے اس نے حضرت سلیمانؑ کو اپنے آنے کی اطلاع دلوائی اور باریابی کی اجازت چاہی۔

حضرت سلیمانؑ نے دربار لگوایا۔ ایک ہزار سونے چاندی کی کرسیوں پر ان کے وزیر اور امیر بیٹھ گئے۔ غلامان جن و انس کی قطاریں اپنی اپنی جگہ کھڑی ہو گئیں پھر حضرت سلیمانؑ نے اپنے لمبے چوڑے اور حیرت انگیز تخت پر جلوس فرمایا اور ایلچی کو حاضری کی اجازت دی۔

ملکہ سبا بلقیس کا ایلچی تحائف لے کر دربار میں حاضر ہوا تو دربار کی سجاوٹ اور شان سلیمانی کو دیکھ کر اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ دیر تک وہ حیران اور پریشان ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا۔ جب حواس درست ہوئے تو اس نے حضرت سلیمانؑ کو سلام کیا اور ملکہ سبا بلقیس کے تحائف ان کے سامنے پیش کر کے ملکہ کی طرف سے انہیں قبول کرنے کی درخواست کی۔

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا۔ (قرآن) "پس جب آیا، سلیمانؑ کے پاس بلقیس کا قاصد تو سلیمانؑ نے فرمایا کہ تم کیا مدد دیتے ہو میرے لئے اپنے مال سے۔ پس جو کچھ دیا ہے مجھ کو اللہ تعالیٰ نے وہ بہتر ہے اس چیز سے کہ دیا ہے، تم کو۔ اور جاؤ تم اپنے تحفے سے خوش رہو اور ان کو یہ تحفے واپس کر دو اور پھر تم ان کے پاس واپس جاؤ اور اب ہم بھیجتے ہیں ان لشکروں کو جن کا وہ سامنا نہیں کر سکیں گے اور ان کو اب ہم نکال دیں گے بے عزت کر کے اس شہر سے۔ پس، وہ ذلیل ہو جائیں گے۔"

ایلچی حضرت سلیمانؑ کے جاہ و جلال سے پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ اب جو اس نے ان کی زبان سے یہ سنا تو اس پر ہیبت و دہشت سے لرزہ طاری ہو گیا۔ اس نے جلدی جلدی تحائف سمیٹے اور ایسا سر پر پیر رکھ کر بھاگا کہ دربار بلقیس ہی میں جا کر دم لیا۔

ملکہ بلقیس کو معلوم ہوا کہ اس کے تحائف، حضرت سلیمانؑ نے واپس کر دیئے

ہیں تو جی میں بہت ڈری اور قاصد کو دربار میں بلا بھیجا۔ قاصد پر حضرت سلیمانؑ کی ایسی ہیبت طاری تھی کہ وہ دیر تک بات کرنے کے قابل نہ ہو سکا۔

ملکہ بلقیس نے پوچھا۔ "اے قاصد! تو اتنا گھبرایا ہوا کیوں ہے؟ کیا تجھ پر کوئی ظلم ہوا؟"

قاصد نے حواس درست کرتے ہوئے کہا۔ "اے' ملکہ سبا! مجھ پر حضرت سلیمانؑ کے کسی آدمی نے ظلم نہیں کیا۔ انہوں نے میری بڑی خاطر مدارات کی لیکن حضرت سلیمانؑ کے محل کی شان و شوکت اور دربار کی سج دھج ایسی تھی کہ میرے پاس ان کے بیان کے الفاظ نہیں۔ آپ نے سات' سات اینٹیں سونے اور چاندی کی بھیجی تھیں۔ ان کے محل کی فصیل ہی ایسی اینٹوں سے تیار ہوئی ہے اور فصیل بھی ایسی کہ اس کا طول اور عرض تیس کوس ہے۔ آپ کے سات پردے زربفت کے وہاں کیا حقیقت رکھتے ہیں جہاں کے ہزاروں دروازوں پر ایسے ہی پردے آویزاں نظر آتے ہیں۔ اے' ملکہ! میں وہاں کا حال کیا بیان کروں حضرت سلیمانؑ کے تخت کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ صرف ہزار کرسیاں سونے اور چاندی کی ان کے امیروں کے لئے بچھائی جاتی ہیں۔ غلاموں کی تعداد کا میں اندازہ نہیں کر سکا۔"

ملکہ نے دبی آواز سے پوچھا۔ "پھر ہمارے تحائف کے بارے میں انہوں نے کیا فرمایا اور واپس کیوں کر دیئے؟"

قاصد نے کہا۔ "اے ملکہ! انہوں نے آپ کے تحفے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ ان کے خدا نے اتنا کچھ انہیں دیا ہے جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں اور پھر بڑے جلال کے ساتھ فرمایا کہ اب وہ ہمارے ملک پر لشکر کشی کریں گے اور ہمیں ذلیل کر کے ملک سبا سے نکال دیں گے۔"

ملکہ لرز اٹھی اور بولی۔ "حضرت سلیمانؑ نے تم سے میرے بارے میں کچھ پوچھا تھا؟"

قاصد نے جواب دیا۔ "جی نہیں۔ انہوں نے آپ کے یا آپ کے ملک کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ وہ صاحب حیثیت بادشاہ ہیں اور نبوت کے درجے پر

سرفراز معلوم ہوتے ہیں کیونکہ میں نے جنوں کو ان کے دربار میں درباری کرتے دیکھا ہے۔"

ملکہ سبا بلقیس بولی۔ "بے شک! وہ نبی ہوں گے لیکن میں پوری پوری تحقیق کروں گی۔ میں ان سے معجزے کی فرمائش کروں گی۔ کیونکہ پیغمبری کی اصل دلیل معجزہ ہوا کرتی ہے۔ اگر انہوں نے معجزہ دکھایا تو میں ضرور ان پر ایمان لے آؤں گی۔"

قاصد نے ملکہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اے ملکہ! ان سے معجزے کی فرمائش کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ ان کا محل' تخت اور وہاں کی ایک ایک چیز معجزے سے کم نہیں۔ محل و دربار کی ہر چیز ایسی ہے جسے انسانی ہاتھ اور طاقت تیار کر ہی نہیں سکتے۔"

ملکہ بلقیس نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور رخصت کر دیا۔

ملکہ بلقیس رات بھر اس بارے میں سوچتی رہی اور حضرت سلیمانؑ کی نبوت کو آزمانے پر غور کرتی رہی۔ صبح ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ ایک سو کم عمر کنیز زادیاں اور ایک سو نونہال نازک بدن غلام بچے حاضر کئے جائیں۔ اس کے حکم کی تعمیل فوراً ہوئی اور دو سو بچے بچیاں جن کی دور سے شناخت کرنا قطعی ناممکن تھا' بلقیس کے سامنے پیش کئے گئے ــــــ ملکہ نے دوسرا حکم دیا کہ ان سب کو ایک ہی طرح کے لباس پہنائے جائیں۔ جب اس کے حکم کی تعمیل ہوئی تو ملکہ خود ان کی جنس معلوم کرنے سے قاصر رہی۔

دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ ایک سونے کی ڈبیہ میں ایک در ناسفتہ (بغیر چھید کا موتی) بند کر کے رکھ دیا۔ ایک صندوقچی میں اس نے ایک خالی ساغر رکھ کر بند کر دیا۔ پھر اس نے چند بچھڑے اور بچھڑیاں منگوائیں اور انہیں ایک ساتھ باندھ دیا۔

اس کام سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے حضرت سلیمانؑ کے دربار میں بھیجنے کے لئے ایک سفارت ترتیب دی۔ اس سفارت میں اس نے اپنے دربار کے ذہین ترین آدمیوں کو شامل کیا جن کی عقل و دانش کو وہ پہلے بھی آزما چکی تھی۔

روانگی سے پہلے بلقیس نے اپنے ان دانشوروں کو اپنے پاس بلا کر خوب اچھی

طرح سمجھایا اور کہا۔ "اے دانشورو! اس بات کا خیال رکھنا کہ تم دنیا کے عظیم ترین بادشاہ اور ایک آسمانی پیغمبر کے دربار میں جا رہے ہو۔ خبردار! تم سے کوئی ایسی غلطی نہ سرزد ہو جائے جو ان کی ناراضگی اور میری شرمندگی کا سبب بن جائے۔ اپنے سر جھکائے رکھنا مگر آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔ اس لئے کہ مجھے حضرت سلیمانؑ کی نبوت کا امتحان منظور ہے۔

ان سے کہنا۔

"اے' بادشاہ! اگر آپ نبی ہیں تو غلام بچوں اور بچیوں میں امتیاز کیجئے۔ اگر کسی طرح وہ ان کی پہچان کر لیں تو ان سے پوچھنا کہ ان بچھڑوں اور بچھڑیوں کی شناخت کس طرح کی جا سکتی ہے۔ اگر وہ اپنی نبوت کے زور سے یہ کام بھی کر دیں تو پھر در ناسفتہ کو سفتہ کر دکھائیے یعنی اس میں اس طرح سوراخ کیجئے کہ نہ تو آہن استعمال کیا جائے اور نہ الماس سے کام لیا جائے کیونکہ صرف انہی دو چیزوں کی مدد سے یاقوت میں سوراخ کیا جا سکتا ہے۔ اگر حضرت سلیمانؑ اپنی خفتہ طاقتوں کے ذریعے یاقوت میں سوراخ کر دیں تو پھر صندوقچے میں بند ساغر کو انہیں دینا اور کہنا کہ اسے ایسے پانی سے بھر دیجئے جو نہ تو زمین سے نکلا ہو اور نہ آسمان سے برسا ہو۔

ملکہ سبا نے سفارت کو ہدایات دے کر حضرت "سلیمانؑ کے دربار روانہ کیا مگر دل میں ڈر رہی تھی کہ کہیں حضرت سلیمانؑ اس آزمائش سے ناراض ہو کر ملک سبا پر حملہ نہ کر دیں۔

ملکہ بلقیس کا وفد حضرت سلیمانؑ کے محل پر پہنچا تو اس کی اسی طرح خاطر مدارات کی گئی جیسے قاصد کی گئی تھی۔ محل اور دربار کی شان و شوکت اور عظمت و جلالت دیکھ کر یہ وفد بھی حیرت و استعجاب کے سمندر میں غوطے کھاتا رہا۔ وفد نے وہاں کی ہر چیز کو تخیل و تصور سے بلند پایا۔

وفد کی پذیرائی کے لئے حسب سابق ایک بار پھر دربار آراستہ ہوا۔ حضرت سلیمانؑ" تخت پر رونق افروز ہوئے اور وفد کو باریابی کی اجازت دی وفد کے اراکین نے ملکہ بلقیس کا سلام و پیام حضرت سلیمانؑ کو پہنچایا اور معجزہ دکھانے کے سلسلے میں جو

چیزیں وہ ساتھ لائے تھے وہ پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت سلیمانؑ نے اجازت دے دی۔

وفد نے سب سے پہلے کنیز اور غلام بچے' بچیوں کو حضرت سلیمانؑ کے حضور پیش کیا۔ ان سب کے لباس' ایک رنگ اور ایک ہی تراش کے بنے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ ان میں کون لڑکی ہے اور کون لڑکا ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ ہاتھ دھونے کا آفتابہ لا کر ان سب کے ہاتھ دھلوائے جائیں۔ آفتابہ لایا گیا اور ایک ایک کر کے سب بچے اور بچیوں نے ہاتھ دھونا شروع کر دیئے۔ ان میں نصف تعداد ایسی تھی جنہوں نے صرف انگلیاں دھوئیں اور بقیہ نصف نے آستینیں چڑھا کر اپنے ہاتھ اوپر تک دھوئے۔

حضرت سلیمانؑ نے وفد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے ملکہ سبا کے دانشورو! جاؤ اور دیکھو کہ جس جس نے آستینیں چڑھا کر ہاتھ دھوئے ہیں وہ سب لڑکیاں ہیں اور جنہوں نے صرف انگلیاں دھونے پر اکتفا کیا ہے وہ سب لڑکے ہیں۔ کیونکہ مرد اور عورت کی فطرت اور عادت میں بنیادی فرق یہی ہے۔"

حضرت سلیمانؑ کے غلاموں نے انہیں الگ الگ کر دیا تھا۔ وفد اراکین نے جب ان کے پاس جا کر پڑتال کی تو حضرت سلیمانؑ کی بات سچ نکلی۔ وفد کے دانشور حضرت سلیمانؑ کے قائل ہو گئے۔

پھر حضرت سلیمانؑ نے در ناسفتہ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر ایک کیڑے کو حکم دیا کہ اس میں سوراخ کر دے۔ کیڑے نے فوراً" حضرت سلیمانؑ کے حکم کی تعمیل کی۔ کیونکہ حضرت سلیمانؑ" بادشاہ جمیع مخلوقات تھے۔ حضرت سلیمانؑ نے موتی' وفد کے حوالے کر دیا۔ وفد کے اراکین اس میں سوراخ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

حضرت سلیمانؑ کے حکم سے بچھڑوں اور بچھڑیوں کو سامنے میدان میں لایا گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان سب کے سامنے چارہ ڈالا جائے۔ جانوروں کے آگے چارہ ڈال دیا گیا۔ ان میں سے کچھ نے فوراً" ہی کھانا شروع کر دیا اور کچھ تھوڑی دیر تک ادھر ادھر سر جھٹکنے کے بعد بڑی بے دلی سے چارے کی طرف راغب ہوئے۔ حضرت

سلیمانؑ کے غلاموں نے انہیں بھی الگ الگ کر کے دو قطاروں میں کھڑا کر دیا۔

حضرت سلیمانؑ نے وفد سے فرمایا۔ "اے، بلقیس کے درباریو! ایک قطار میں تمام کی تمام بچھڑیاں ہیں کیونکہ انہوں نے فوراً چارے میں منہ ڈال دیا تھا اور دوسری قطار میں بچھڑے ہیں۔ انہوں نے کھانے میں توقف کیا اور بے دلی سے کھانا شروع کیا۔"

بلقیس کے وفد نے میدان میں جا کر تصدیق کی تو حضرت سلیمانؑ کے قول کو سچا اور درست پایا۔

وفد کے ارکان نے ساغر والی سونے کی صندوقچی، حضرت سلیمانؑ کے سامنے لا کر رکھ دی۔

حضرت سلیمانؑ نے صندوقچی سے ساغر نکال کر امیر وفد کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا۔ "تم لوگ اپنے گھوڑوں کو میدان میں دوڑاؤ۔ ان کے جسم سے جو پسینہ ٹپکے، اس سے ساغر میں بھر لو۔ وہ ایسا پانی ہو گا جو نہ تو زمین سے نکلا ہے اور نہ ہی آسمان سے برسا ہے۔"

وفد کے ارکان حیرت زدہ رہ گئے۔ انہوں نے حضرت سلیمانؑ کے حکم کی تعمیل کی اور گھوڑوں کو بھگایا۔ بھاگنے دوڑنے سے ان کے جسم سے پسینہ خارج ہو کر ٹپکنے لگا اور اس پسینے سے ساغر بھر گیا۔

وفد کے ارکان نبوت کے یہ کرشمے دیکھ کر بوکھلا گئے۔ اب انہیں وہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہ تھی۔ انہوں نے واپسی کی اجازت چاہی اور حضرت سلیمانؑ نے انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

○

ملکہ بلقیس کا وفد، واپس شہر سبا پہنچ گیا۔ بلقیس وفد کی واپسی کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ اس نے ارکان کو فوراً وہاں طلب کر لیا۔ وفد کے ارکان لرزاں و ترساں، دربار میں حاضر ہو کر تعظیم بجا لائے۔

ملکہ بلقیس نے پوچھا۔ "تم لوگ گھبرائے اور پریشان معلوم ہوتے ہو۔ دربار سلیمانؑ کی دہشت تم پر بھی سوار ہے۔ مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ حضرت سلیمانؑ کس کس آزمائش سے اور کیونکر گزرے؟"

وفد کے سربراہ نے جواب دیا۔ "اے ملکہ! دربار سلیمانؑ کا کیا کہنا۔ ایسا دربار ہم نے کبھی دیکھا نہ سنا۔ وہاں کی ہر چیز اعلیٰ و افضل ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ آپ ان کی آزمائش کو کہتی ہیں۔ انہوں نے تو ہر مسئلے اور ہر سوال کو یوں حل کر دیا جیسے بچے گنتی گنتے ہیں۔

حضرت سلیمانؑ نے آپ کا در ناسفتہ ہتھیلی پر رکھ اور مجھے واپس کر دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ در ناسفتہ نہیں بلکہ سفتہ تھا۔ ان کے ہاتھ کے لمس سے اس میں آپ ہی آپ سوراخ ہو گیا۔ یہ معجزہ نہیں بلکہ معجزے سے بڑھ کر کوئی چیز ہے۔ کنیز، غلام بچوں اور بچیوں کی شناخت میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوئی، بچھڑے اور بچھڑیاں، ان کے حکم سے جیسے آپ ہی آپ الگ ہو کر قطاروں میں جا کھڑے ہوئے، آپ کے بھیجے ہوئے ساغر کو انہوں نے گھوڑوں کے پسینے سے بھروا کر اعلیٰ ترین ذہانت کا مظاہرہ کیا۔ وہ نبی اور برحق پیغمبر ہیں۔ میں ان کی گواہی دینے کو تیار ہوں۔"

ملکہ بلقیس نے اپنے وزیر سے پوچھا۔ "اے، وزیر باتدبیر تیرا کیا خیال ہے؟"

وزیر نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ "اے، ملکہ سبا! عقل و دانش اور فہم و فراست میں تیرا مقام ہم سے برتر ہے۔ ہم، تجھے کیا رائے دے سکتے ہیں۔ بلکہ ہم تو خود تیرے مشورے کے خواستگار ہیں۔"

ملکہ بلقیس فیصلہ کن انداز میں بولی۔ "تو، اے درباریو! سنو! میں، حضرت سلیمانؑ کی نبوت کی دل سے قائل ہوئی۔ میں چاہتی ہوں کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لوں۔"

وزیر نے جواب دیا۔ "ملکہ نے بڑی عقلمندی کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر ہم نے حضرت سلیمانؑ سے جنگ کا ارادہ کیا تو ان کے کہنے کے مطابق ضرور تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے آپ اس دربار اعلیٰ میں پہنچ کر ملک سبا اور رعیت کے لئے امان حاصل کیجئے۔"

ملکہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "میں کل ہی دربار سلیمانؑ کی طرف روانہ ہو جاؤں گی۔ تم میرے اس تخت شاہی کو ہفت در بند تہ خانے میں پہنچوا دو اور اس پر سخت پہرہ لگوا دو تاکہ کوئی دشمن اسے حاصل نہ کر سکے کیونکہ تخت شاہی' بادشاہت اور حکومت پر دلالت کرتا ہے۔ میں واپس آکر اسے نکلوا لوں گی۔"

وزیر نے کہا۔ "آپ اطمینان سے تشریف لے جایئے۔ ہم تخت کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کریں گے۔ دور دور تک پہرہ لگا دیا جائے گا تاکہ کوئی پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔"

ملکہ بلقیس نے دربار برخاست کر دیا اور روانگی کے انتظام میں مصروف ہوئی۔ اس کے وزیر نے بلقیس کا تخت شاہی دربار سے اٹھوا کر ہفت در ند تہ خانے میں پہنچوا دیا۔ اس کے ساتوں دروازے اچھی طرح مقفل کرائے اور صدر دروازے پر زبردست پہرہ لگا دیا ـــــــ جس عمارت میں ہفت در بند تہ خانہ تھا اس کے چاروں طرف بھی سوار اور پیادے مقرر کر دیئے۔

دوسری صبح سورج نکلنے سے پہلے ملکہ سبا بلقیس بڑی آن بان سے دربار حضرت سلیمانؑ کی طرف روانہ ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک لشکر جرار تھا۔ دائیں بائیں لونڈی غلام زرق برق لباس میں پروانہ وار چل رہے تھے۔

ادھر تو ملکہ بلقیس کا لشکر اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا ادھر حضرت سلیما کی تابع اور فرمانبردار ہوا' دربار سلیمانؑ میں پہنچی اور ملکہ بلقیس کی ایک عظیم الشا لشکر کے ساتھ اس طرف آنے کی خبر حضرت سلیمانؑ کو پہنچائی۔

ہوا کے آنے سے پہلے ایک جن نے یہ خبر حضرت سلیمانؑ کو پہنچا دی تھی۔ جن شاید ملکہ بلقیس کا مخالف تھا اور اسے ذلیل و رسوا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بلقیس کی آمد کی خبر کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کو یہ بھی بتایا کہ بلقیس کی ساقوں (پنڈلیوں) پر سیاہ بال ہیں۔ ساقوں پر بال ہونا عورت کے لئے بڑا معیوب خیال کیا جاتا ہے۔

جن نے یہ بتا کر حضرت سلیمانؑ کو دراصل بلقیس کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ جن بلقیس کے اس لئے خلاف تھا

بلقیس کی ماں رواح جو جنیہ تھی اس کا اس جن سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا جس کا بدلہ وہ بلقیس سے لینا چاہتا تھا۔

حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ شاہی تخت کے سامنے ایک خوبصورت حوض بنایا جائے اور اس میں طرح طرح کی رنگ برنگی مچھلیاں ڈالی جائیں پھر حوض کے اوپر' بلقیس کے آنے والے راستے میں' شیشے کا ایک پل پانی کی سطح کے برابر بنایا جائے لیکن وہ اس طرح کا ہو کہ دکھائی نہ دے اس سے مقصد یہ تھا کہ جب بلقیس تخت کے پاس آنے کے لئے حوض کی طرف بڑھے گی تو اس کے راستے میں پانی حائل ہو گا۔ شیشے کا پل۔ اسے نظر نہیں آئے گا اس لئے وہ پائینچے چڑھا کر حوض پار کرے گی۔ اس طرح اس کی پنڈلیوں کا عکس پانی میں پڑے گا اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس کی ساقوں پر بال ہیں یا نہیں۔ حضرت سلیمانؑ کے حکم کی دیر تھی کہ فوراً" حوض تیار کیا گیا اور اس پر شیشے کا پل اس طرح بنایا گیا کہ کسی کو بھی نظر نہ آتا تھا۔

اس کے بعد حضرت سلیمانؑ نے درباریوں پر نظر ڈالی اور فرمایا۔ (قرآن) "کہا حضرت سلیمانؑ نے کہ اے' درباریو! تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس' تخت بلقیس کا' پہلے اس سے کہ وہ آوے میرے پاس۔ کہا ایک جن نے جنوں میں سے کہ لے آؤں گا آپ کے پاس' اس کا تخت پہلے اس سے کہ آپ اٹھیں' اپنی جگہ سے اور (تحقیق) میں البتہ اس پر زور آور ہوں بامنت اور باامانت اس واسطے کہا۔"

حضرت سلیمانؑ کا وزیر آصف بن برخیا جو دربار میں پہلی کرسی پر بیٹھا تھا کھڑے ہو کر بولا۔ (قرآن) "کہا' اس شخص نے کہ نزدیک اس کے علم تھا (یعنی اسم اعظم وہ اللہ تعالیٰ کا جانتا تھا) میں لے آؤں گا' آپ کے پاس تخت بلقیس کا پھر آوے طرف آپ کے نظر' آپ کی (یعنی نظر گھمانے کے وقفے کے دوران گویا پلک جھپکاتے۔)"

چنانچہ حضرت سلیمانؑ کے حکم دیتے ہی آصف بن برخیا نے اسم اعظم پڑھا اور صرف ایک پل میں بلقیس کا وہ تخت جسے بلقیس کے آدمیوں نے ہفت در بند تہ خانے میں رکھ کر پہرہ لگا دیا تھا' حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچ گیا۔ بلقیس کا یہ تخت نہایت بیش قیمت تھا اور اس میں طرح طرح کے جواہر لگے ہوئے تھے۔

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا۔ (قرآن) "روپ بدل کر دکھاؤ' اس عورت کو اس کا تخت۔ تاکہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ اس میں سوجھ بوجھ ہے یا نہیں یا ان لوگوں میں اس کا شمار ہے جن میں سوجھ بوجھ نہیں۔"

ملکہ بلقیس کا تخت جواہرات سے مرصع تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے حکم سے تمام ہیرے جواہرات اکھاڑ دیئے گئے اور پھر انہیں از سرنو دوسرے قرینے سے مرصع کیا گیا۔ ہیروں اور جواہرات کی جگہ بدل دینے سے اس تخت کا روپ ہی بدل گیا تھا۔ اس سے مقصد بلقیس کی عقل کی آزمائش تھی اور پھر اپنا معجزہ دکھانا مقصود تھا۔

کچھ دن بعد ملکہ سبا بلقیس اپنے لشکر کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کے محل میں پہنچی تو محل کی تعمیر و تزئین سے بڑی حیران ہوئی اور دل میں سوچا کہ جو کچھ لوگوں نے مجھے بتایا وہ بے شک ٹھیک تھا۔ یہ شان و شوکت' ایک شاہ ہفت اقلیم اور نبی ہی کی ہو سکتی ہے۔ وہ دل ہی دل میں ان کی نبوت کی قائل ہو کر مسلمان ہو گئی۔

بلقیس جب سر دربار پہنچی تو حضرت سلیمانؑ کو تخت شاہی پر رونق افروز دیکھا۔ جڑاؤ تخت اور سونے چاندی کے درختوں اور پرندوں کی چمک دمک دیکھ کر اس کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔

وہ آگے بڑھی تو تخت سلیمانؑ اور اپنے درمیان' پانی سے بھرے حوض کو حائل دیکھا۔ جب اسے دوسری طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا تو اس نے پائینچے گھٹنوں تک چڑھا لئے تاکہ لباس نہ بھیگے حضرت سلیمانؑ کی نظریں' اس کی ساقوں پر پڑیں تو انہیں معلوم ہوا کہ وہاں بال بالکل نہیں ہیں اور جن کا یہ کہنا غلط ہے کہ بلقیس کی ساقوں پر بال ہیں۔

بلقیس نے حوض میں قدم رکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو شیشہ ہے۔ وہ اپنی کم عقلی پر شرمندہ ہوئی اور پل سے گزر کر حضرت سلیمانؑ کے سامنے آئی اور ان کی تسلیم و تعظیم بجا لائی۔ معاً بلقیس کی نظر ایک چھوٹے تخت پر پڑی جو تخت سلیمانؑ کے سامنے رکھا تھا۔ اسے دیکھ کر بلقیس بڑی حیران ہوئی اس نے باوجود تبدیلی کے اپنا تخت پہچان لیا۔

قرآن حکیم میں آیا ہے کہ جب بلقیس حضرت سلیمانؑ کے پاس آئی تو کسی نے

اس سے کہا۔ "ایسا ہے' تیرا تخت؟"

تب وہ اپنے تخت کے پاس جا کر بولی۔ "گویا یہ وہی تخت ہے اور معلوم ہو چکا ہے ہم کو کسی ذریعے سے اور ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں۔"

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بلقیس پہلے ہی دل میں ایمان لا چکی تھی۔ اس لئے اسے تخت پہچاننے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بلقیس عقلمند اور ہوشیار تھی۔

اس واقعے کے متعلق ایک اور روایت بیان ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بلقیس کے ساقوں پر بکری جیسے بال تھے۔ جب وہ پائینچے اٹھا کر حوض سے گزرنے لگی تو حضرت سلیمانؑ کو اس کا علم ہوا پھر حضرت سلیمانؑ نے بال دور کرنے کی ایک دوا تجویز فرمائی۔ اس دوا کا نام "نورہ" لکھا گیا ہے۔ یہ دوا بہت مشکل سے تیار ہوتی تھی۔

ملکہ سبا بلقیس ایمان لا چکی تھی۔ اس نے حضرت سلیمانؑ کی بادشاہت اور نبوت کو تسلیم کر لیا اور ان کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔ حضرت سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس سے عقد فرمایا اور اس کے لئے ایک نہایت عالی شان محل تعمیر کرایا۔

○

قرآن حکیم اور دیگر آسمان کتب میں ملکہ سبا بلقیس اور حضرت سلیمانؑ کے نکاح کا ذکر موجود نہیں ہے۔ بعض کا قول ہے کہ جب بلقیس نے اسلام قبول کیا تو حضرت سلیمانؑ نے اسے حکم دیا کہ وہ کسی سے نکاح کر لے بلقیس نے نکاح سے انکار کر دیا اس پر حضرت سلیمانؑ نے اسے سمجھایا کہ اسلام میں نکاح ایک ضروری چیز ہے۔

چنانچہ بلقیس رضامند ہو گئی اور خود بلقیس کے کہنے پر اس کا نکاح ہمدان کے بادشاہ ذاتبع سے کر دیا گیا۔ نکاح کے بعد بلقیس اپنے وطن سبا چلی گئی اور حضرت سلیمانؑ کے انتقال کے بعد بھی سبا پر بدستور حکومت کرتی رہی۔ اس کی حکمرانی کی کل مدت چالیس سال بتائی جاتی ہے۔

لیکن زیادہ تر علمائے کرام اور مفسرین و مفکرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ملکہ سبا بلقیس کا عقد حضرت سلیمانؑ سے ہوا تھا۔ ان کے خیال میں یہ دلیل درست نہیں

کہ جس بات کا ذکر کتب آسمانی میں موجود نہ ہو اس سے انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ' کتب آسمانی میں صرف اسی قدر قصہ بیان فرماتا ہے جس کی حصول عبرت کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن حکیم جامع ہے اور اس میں غیر ضروری باتیں درج نہیں۔

مورخین اور مفسرین نے بعض ایسی اہم روایتیں بیان فرمائی ہیں جن سے حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا بلقیس کا عقد ثابت ہوتا ہے۔ مورخین نے اس سلسلے میں یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک دن ملکہ سبا بلقیس نے حضرت سلیمانؑ سے درخواست کی کہ وہ اسے اپنے تخت پر بٹھا کر اس جزیرے کی سیر کرائیں جہاں اڑنے والے دریائی گھوڑے ہوتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو تخت پر بٹھایا اور ہوا کو اس جزیرے میں پہنچانے کا حکم دیا جہاں کی بلقیس نے فرمائش کی تھی۔ ہوا نے حسب الحکم تخت سلیمانی کو اس جزیرے میں پہنچایا جو سات دریاؤں کے درمیان واقع تھا۔

یہ جزیرہ بڑا سرسبز اور شاداب تھا۔ یہاں کے سبزے اور آب رواں کی بہار دیکھ کر ملکہ بلقیس بہت خوش ہوئی۔ اس نے وہاں دریائی گھوڑے دیکھے جو پانی میں نہا رہے تھے اور اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کے تخت کو دیکھ کر یہ گھوڑے گھبرا گئے اور پرندوں کی طرح اڑ کر فضاؤں میں گم ہو گئے۔

بلقیس اور حضرت سلیمانؑ کو گھوڑوں کی خوبصورت بہت پسند آئی انہوں نے جنوں کو حکم دیا کہ وہ ان گھوڑوں کو پکڑ کر حاضر کریں۔ جنوں نے حضرت سلیمانؑ کو بتایا کہ ان گھوڑوں کو صرف ایک جن پکڑ سکتا ہے جس کا نام سمندرون ہے۔ سمندرون جن' حضرت سلیمانؑ سے باغی ہو کر چھپ گیا تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے اسے کسی نہ کسی طرح پکڑوا بلایا پھر اس شرط پر اسے معافی دینے کا وعدہ کیا کہ وہ دریائی گھوڑوں کو پکڑ لائے۔

کہتے ہیں سمندرون جن نے ان گھوڑوں پر بڑی مشکل سے قابو پایا اور انہیں پکڑ کر حضرت سلیمانؑ کے سامنے پیش کیا۔ قرآن حکیم میں مرقوم ہے۔ "جس وقت کہ روبرو لائے گئے سلیمانؑ کے شام کو خاصے گھوڑے پس حضرت سلیمانؑ نے کہا۔

(تحقیق) میں نے دوست رکھا مال کو' اپنے رب کی یاد سے یہاں تک کہ سورج چھپ گیا پردے میں۔"

پھر کہا۔ "لاؤ ان گھوڑوں کو میرے پاس۔ پس شروع کیا ہاتھ پھیرنا پیروں اور گردن پر ان گھوڑوں کے۔"

اس کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلیمانؑ گھوڑوں کی لطافت اور خوبیاں دیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ نماز عصر قضا ہو گئی اسی وقت حضرت "جبرائیلؑ" نمودار ہوئے اور فرمایا کہ اے' سلیمانؑ! تو دنیا کے مال و دولت میں ایسا مشغول ہوا کہ نماز عصر جاتی رہی۔

یہ الفاظ سنتے ہی حضرت سلیمانؑ سجدے میں گر پڑے۔ وہ زار زار روتے تھے اور استغفار کرتے تھے لیکن ان کی اس غفلت پر ان پر عذاب نازل ہوا۔

قرآن حکیم میں اس کا ذکر یوں ہے۔ (قرآن) "آزمایا ہم نے سلیمانؑ کو اور ڈال دیا ہم نے اوپر کرسی اس کی کے ایک دھڑ۔۔۔۔۔ پھر اس نے رجوع کیا۔"

قرآن حکیم کی اس آیت کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی ایک کنیز کا نام یمینہ تھا۔ جب حضرت سلیمانؑ رفع حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو انگوٹھی اتار کر اسے پکڑا جاتے تھے۔ انگوٹھی پر اسم اعظم تحریر تھا۔ اس لئے اس کے احترام میں آپ گندی جگہ اس کو نہ لے جاتے تھے۔ جب فارغ ہو کر آتے تو انگوٹھی یمینہ سے لے کر انگلی میں پہن لیتے اور تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتے۔

ایک صبح ایسا ہوا کہ آپ انگوٹھی' یمینہ کے حوالے کر کے رفع حاجت کے لئے گئے لیکن یمینہ نے دیکھا کہ حضرت سلیمانؑ فوراً ہی واپس آ گئے ہیں۔ اس قدر جلدی آنے کا پہلے کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا مگر یمینہ کو کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا اور چپ چاپ انگوٹھی ان کے حوالے کر دی پھر حسب معمول اپنے دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

ابھی تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ یمینہ کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے پوچھا۔ "یمینہ! تم' میری اجازت کے بغیر وہاں سے کیوں چلی آئیں؟"

یمینہ نے اس شخص کو نہ پہچانا اور پوچھا۔ "تم کون ہو اور مجھ سے اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہو؟"

اس شخص نے کہا۔ "یمینہ! تجھے کیا ہو گیا ہے' تو اپنے آقا سلیمانؑ کو نہیں پہچانتی۔ بتا میری انگوٹھی کہاں ہے؟"

یمینہ کو اس شخص کی باتوں پر بڑی حیرانی ہوئی اس نے کہا۔ "اے بھائی! تیرا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ حضرت سلیمانؑ تو اپنے تخت پر بیٹھے حکومت کر رہے ہیں اور تو اپنے آپ کو حضرت سلیمانؑ بتا رہا ہے۔"

اس شخص کو (جو حضرت سلیمانؑ تھے) یمینہ کی بات پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے ڈپٹ کر کہا۔ "کیا بکواس کئے جا رہی ہے میری انگوٹھی کہاں ہے؟"

کنیز کو بھی غصہ آ گیا۔ اس نے بگڑ کر کہا۔ "پاگل انسان! انگوٹھی جس کی تھی وہ مجھ سے لے گیا۔ تو کون ہوتا ہے مجھ سے پوچھنے والا جا نکل جا ورنہ غلاموں سے کہہ کر نکلوا دوں گی۔" یہ کہہ کر وہ منہ بناتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔

حضرت سلیمانؑ اس صورتحال سے بہت پریشان ہوئے۔ انہیں یہ تو اندازہ ہو گیا کہ ان میں ضرور کوئی ایسی کمی ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ان کی خاص کنیز بھی انہیں پہچاننے سے قاصر ہے پھر انگوٹھی کا خیال آیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت جبرائیلؑ کا یہ کہنا کہ جس کے ہاتھ میں یہ انگوٹھی ہو گی وہ دنیا پر بادشاہت کرے گا۔ انہوں نے دل میں کہا ہو نہ ہو' یہ سب کچھ انگوٹھی کی گمشدگی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

یہی کچھ سوچتے ہوئے حضرت سلیمانؑ دربار میں پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کا ایک ہم شکل' تخت سلیمانؑ پر بیٹھا ہے۔ دربار لگا ہوا ہے امیر و وزیر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہیں' پرندے اس کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر اور حیران ہوئے۔ انہیں اپنے وزیر آصف بن برخیا پر بڑا اعتماد تھا۔ حضرت سلیمانؑ اس خیال سے اس کے پاس پہنچے کہ شاید وہ انہیں پہچان لے۔

آصف بن برخیا کی نظر ان پر پڑی تو بگڑ کر بولا۔ "تم کون ہو اور دربار میں کس طرح گھس آئے ہو؟"

حضرت سلیمانؑ نے کہا۔ "اے' آصف تو بھی مجھے نہیں پہچانتا میں تیرا آقا ...ہان" اور خدا کا نبی ہوں۔ خدا کے لئے مجھے پہچان اور میری تحقیر نہ کر۔"

کچھ اور سرداروں نے بھی حضرت سلیمانؑ کی یہ بات سنی تو تمسخر کیا۔ ایک نے ...ا۔ "اس پاگل کو دربار سے نکالو۔"

دوسرا گویا ہوا۔ "دفع کرو اس کو۔ اگر حضرت سلیمانؑ کو معلوم ہو گیا کہ یہ تخت کا ...یدار ہے تو مفت میں مارا جائے گا۔"

دربار' سرکار' محل اور دروازہ' حضرت سلمان ہر جگہ چکر لگاتے رہے اور ایک ...ک سے اپنی شخصیت بیان کرتے رہے مگر کسی نے انہیں نہ پہچانا۔ آخر مایوس ہو کر ...ل سے نکل کر شہر میں آ گئے۔ انہیں سخت بھوک لگ رہی تھی۔ انہوں نے ایک ...ر پہنچ کر روٹی مانگی مگر وہ عتاب الٰہی میں تھے اس لئے انہیں کسی نے کھانا نہ ...یا۔ حضرت سلیمان بھوک سے نڈھال تھے' چلا نہ جاتا تھا۔ اسی طرح گرتے پڑتے دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں مچھیروں کی بستیاں تھیں اور مچھیرے مچھلیاں پکڑ ...ہے تھے۔

حضرت سلیمانؑ ان کے پاس پہنچے اور بولے۔ "بھائی! مجھے اپنے ساتھ کام پر لگا ...بس روٹی دے دیا کرنا مجھے۔"

مچھیروں کو آپ کے حال زار پر رحم آ گیا۔ ان کے سردار نے پوچھا۔ "اے بندہ ...تجھ پر کیا افتاد پڑی اور تو کہاں سے آ رہا ہے؟"

حضرت سلیمانؑ نے کہا۔ "بس کیا بتاؤں' بھائی! اللہ کا ایک گنہگار بندہ ہوں۔ حال ...ہے کہ کئی دن سے ایک کھیل بھی اڑ کر منہ میں نہیں گئی ہے۔"

سردار کو ان پر بڑا ترس آیا اور انہیں کام پر لگا لیا۔

حضرت سلیمانؑ دن بھر مچھلیاں پکڑتے رہے اور خدا کا شکر ادا کرتے رہے۔ شام ...تو انہیں کام کے عوض دو مچھلیاں ملیں۔ آپ مچھلیاں لے کر بستی کے بازار گئے۔ ...ک مچھلی دے کر روٹی حاصل کی اور دوسری کو بھون کر' اس کے ساتھ روٹی کھائی۔ ...یں توانائی آئی تو بیت المقدس کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر سجدے میں گر گئے۔ تمام

رات توبہ و استغفار کی۔ صبح ہوتے ہی دریا پر پہنچے اور کام میں لگ گئے۔ وہ اسی طرح صبر و شکر سے مچھیروں کی بستی میں دن گزارنے لگے۔

حضرت سلیمانؑ کو اس بستی میں رہتے ہوئے ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا۔ ایک دوپہر حضرت سلیمانؑ کام سے تھک کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ تھکن کی وجہ سے ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور آپ بے خبر ہو گئے۔ اس دن گرمی زیادہ تھی۔ آپ کا چہرہ اور بدن پسینے سے بھیگ گیا۔ ناگاہ ایک طرف سے ایک کالا ناگ نمودار ہوا۔ وہ آپ کے قریب آیا اور درخت کا ایک پتہ منہ میں دبا کر آپ پر پنکھا جھلنے لگا۔

مچھیروں کے سردار کی ایک دختر نہایت حسین تھی۔ وہ روز دوپہر کو اپنے باپ کا کھانا لے کر آتی تھی۔ اس دن جو وہ وہاں سے گزری تو اس کی نظر حضرت سلیمانؑ پر پڑی۔ وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ انسان کا جانی دشمن منہ میں پتہ دبائے' انسان کو پنکھا جھل رہا ہے۔ لڑکی عقلمند تھی' سمجھ گئی کہ یہ شخص کوئی بہت بڑا بزرگ ہے جس کی خدمت سانپ کر رہا ہے۔

لڑکی نے کھانا لے جا کر باپ کو کھلایا اور چلتے وقت کہا۔ "اے' باپ! تو میری شادی اس شخص کے ساتھ کر دے جو سامنے درخت کے نیچے سو رہا ہے۔"

اس کے باپ کو علم تھا کہ وہاں مفلوک الحال اجنبی پڑا ہے۔ اس نے کہا۔ "ناسمجھ لڑکی! تیرا گزارہ' اس مفلس' قلاش کے ساتھ کیسے ہو گا۔ اسے تو صرف دو مچھلیاں مزدوری ملتی ہے۔"

لڑکی ضد پکڑ گئی۔ بولی۔ "نہیں' میں تو صرف اسی سے شادی کروں گی ورنہ پھر شادی ہی نہ کروں گی۔"

باپ نے لاکھ سمجھایا مگر بیٹی نہ مانی۔ اس نے تنگ آ کر کہا۔ "اچھا چل اس سے پوچھتے ہیں اگر وہ راضی ہو گیا تو میں دخل نہ دوں گا۔"

دونوں باپ بیٹی حضرت سلیمانؑ کے پاس آئے۔ وہ اس وقت تک بیدار ہو چکے تھے۔ لڑکی کے باپ نے کہا۔ "اے اجنبی! میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کر دوں۔"

حضرت سلیمانؑ گھبرا کر بولے۔ "سردار! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے مزدوری میں صرف دو مچھلیاں ملتی ہیں۔ اس میں میرا ہی گزارہ مشکل سے ہوتا ہے۔ اس کا بار کیسے اٹھاؤں گا اور مہر کہاں سے لاؤں گا۔ میں' تمہاری لڑکی کو مصیبت میں نہیں ڈال سکتا۔"

لڑکی کے باپ نے کہا۔ "لڑکی اپنا مہر طلب نہیں کرتی۔ رہا تمہارے گزر اوقات کا معاملہ تو اس کا ذمہ بھی میں لیتا ہوں۔ اب تو تمہیں کوئی عذر نہیں۔"

حضرت سلیمانؑ گھبرا گئے اور سوچنے لگے کہ اگر انہوں نے انکار کیا تو یہ مزدوری ختم ہو جائے گی اور پھر پتہ نہیں' کہاں کہاں ٹھوکریں کھانا پڑیں۔ انہوں نے مجبوراً رضامندی ظاہر کر دی۔

سردار' حضرت سلیمانؑ کو اپنے ساتھ بستی لے گیا اور شام کو بستی والوں کو اکٹھا کر کے اپنی لڑکی ان کے ساتھ بیاہ دی۔ اس نے ان دونوں کے لئے ایک الگ جھونپڑی بھی بنوا دی اور دو مچھلیوں کے بجائے تین مچھلیاں یومیہ مزدوری مقرر کر دی۔

○

حضرت سلیمانؑ کے تخت پر غاصبانہ قبضہ کرنے والا ایک جن تھا جس کا نام صخرہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ حضرت سلیمانؑ کی شکل بنا کر اس وقت یمینہ کے پاس پہنچا تھا جب حضرت سلیمانؑ رفع حاجت کے لئے گئے تھے اور یمینہ نے اسے حضرت سلیمانؑ سمجھتے ہوئے بلاعذر انگوٹھی دے دی تھی۔

صخرہ نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہنی اور جا کر حضرت سلیمانؑ کے تخت پر بیٹھ گیا۔ انگوٹھی کے زیر اثر تمام وحوش و طیور اور جن و انس اس کے مطیع ہو گئے۔ دربار لگ گیا اور پرندوں نے بلند ہو کر اس کے سر پر پروں کا سایہ کر دیا۔ اس طرح صخرہ' حضرت سلیمانؑ کا روپ دھار کر ہفت اقلیم پر حکومت کرنے لگا۔

جن و بشر کی عادت اور حرکات و سکنات میں فرق ہوا کرتا ہے۔ صخرہ کے تخت پر بیٹھنے کے پہلے ہی دن سے درباریوں کو اس پر شبہ ہونے لگا۔ مگر وہ اپنے شبے کا اظہار

ایک دوسرے سے کرتے ڈرتے تھے کہ مبادا ان کا شبہ غلط ہو اور حضرت سلیمانؑ ا سے ناراض ہو جائیں۔

حضرت سلیمانؑ کے وزیر آصف بن برخیا کے دل میں سب سے زیادہ شبہ تھا لیکن وہ بھی بغیر تحقیق کئے کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ دربار میں بناوٹی سلیمانؑ پر نظریں جمائے رکھتا اور اس کی ہر حرکت کا بغور جائزہ لیتا۔

چالیس دن گزرنے کے بعد' آصف بن برخیا' حضرت سلیمانؑ کی حرم سرا پر گیا پہلے اس نے ملکہ بلقیس سے ملاقات کی اور حضرت سلیمانؑ کے بارے میں دریافت کیا بلقیس نے بتایا کہ اس نے ایک مہینے سے حضرت سلیمانؑ کو نہیں دیکھا ہے۔ پھر دوسرے محل گیا وہاں سے بھی اسے اسی قسم کی اطلاع ملی۔ غرض کہ اس نے حضرت سلیمانؑ کی تمام بیگمات سے معلومات حاصل کیں لیکن کہیں سے ان کا پتہ نہ چلا۔

اب تو بات بالکل صاف ہو گئی تھی۔ آصف بن برخیا نے کچھ اور سرداروں کو ساتھ ملا لیا۔ پھر اس نے چالیس ایسے آدمیوں کو بلوایا جو توریت خوانی کرتے تھے۔ پھر ایک دن جب نقلی سلیمان" تخت سلیمانی پر بیٹھا شان سے شاہی احکامات دے رہا تھا۔ آصف بن برخیا نے غلام کو اشارہ کیا۔ وہ بھاگ کر چالیس توریت خوانوں کو بلا لایا۔

توریت خواں تیزی سے تخت سلیمانی پر چڑھ گئے اور انہوں نے توریت شریف کھول کر بڑے لحن کے ساتھ پڑھنا شروع کر دی۔ صخرہ چونکہ جن تھا اس لئے وہ تخت پر نہ بیٹھ سکا اور اٹھ کر بھاگا۔

آصف بن برخیا نے اپنے آدمی اس کے پیچھے دوڑائے مگر وہ ہاتھ نہ آ سکا۔ فرار کے دوران صخرہ ایک دریا کے پاس سے گزرا تو اس نے سلیمانی انگوٹھی انگلی سے نکال کر دریا میں پھینک دی تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

حضرت سلیمانؑ کو بارگاہ ایزدی سے معافی مل چکی تھی۔ اس لئے ان کی بادشاہی اور نبوت کی بحالی کے سامان غیب سے پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے۔ صخرہ جن نے انگوٹھی یہ سمجھ کر دریا میں پھینکی تھی کہ اب یہ کسی کو نہیں مل سکے گی لیکن جیسے ہی انگوٹھی دریا میں گری ایک مچھلی نے اسے نگل لیا۔

دوسرے دن وہ مچھلی جال میں پھنس کر مچھیروں کے پاس پہنچی اور حضرت سلیمانؑ کے حصے میں آئی۔ دو مچھلیاں لے کر وہ روٹیاں لینے چلے گئے اور تیسری مچھلی بیوی کے حوالے کی کہ بھون کے رکھے۔

حضرت سلیمانؑ کے بازار جانے کے بعد بیوی نے مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو اس میں سے انگوٹھی نکلی۔ حضرت سلیمانؑ روٹیاں لے کر واپس آئے تو بیوی نے انہیں انگوٹھی دکھائی۔ حضرت سلیمانؑ نے اپنی انگوٹھی فوراً" پہچان لی اور بیوی سے لے کر انگلی میں پہنی اور فوراً" سجدے میں گر گئے۔ حضرت سلیمانؑ ابھی سجدے میں گرے اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ پرندے فراٹے بھر بھر کر آ گئے اور انہوں نے حضرت سلیمانؑ پر پروں کا سایہ کر دیا۔ اسی وقت ہوا حضرت سلیمانؑ کا تخت اڑا کر لے آئی۔ بستی والے اتنے بڑے تخت کو اپنی بستی میں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے سردار کا داماد دراصل بادشاہ ہفت اقلیم حضرت سلیمانؑ ہیں تو وہ خوشی سے ناچنے لگے اور حضرت سلیمانؑ کے سامنے پہنچ کر جو کچھ بھی ان کے پاس تھا' نذرانے کے طور پر پیش کیا۔

حضرت سلیمانؑ مچھیروں کے خلوص سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے برے وقت میں بیوی کے مہر میں کچھ نہ دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے جنوں کو حکم دیا کہ مچھیروں کی جھونپڑیوں کی جگہ پکے مکانات بنائے جائیں اور پھر ان سب کو دولت سے مالا مال کر دیا جائے۔

حضرت سلیمان" تخت پر سوار ہوئے' اپنی مچھیرن بیوی کو ساتھ بٹھایا اور محل واپس آئے۔ وزیر آصف برخیا اور تمام لوگوں نے انہیں سلامی دی اور انہیں نہ پہچاننے کی غلطی کے لئے معافی کے خواستگار ہوئے۔ حضرت سلیمانؑ نے ان سب کو فراخدلی سے معاف کر دیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اتنے عرصے تک وہ زیر عتاب تھے اور یہ سب کچھ منجانب اللہ تھا۔

حضرت سلیمانؑ دربار سے اٹھ کر محل میں تشریف لے گئے تو تمام بیگمات نے نذریں گزاریں اور صدقے اتارے۔ مساکین و غرباء میں اجناس اور پارچہ جات تقسیم

کئے گئے۔ ان سب کاموں میں ملکہ سبا بلقیس پیش پیش تھیں۔

وہب بن منبر نے لکھا ہے کہ ملکہ سبا بلقیس جوانی میں نہایت حسین و جمیل عورت تھی۔ وہ لوگوں سے پردہ کرتی تھی اور ہفتے میں صرف ایک بار دربار لگاتی تھی۔ اس کے سامنے ناہنجار بادشاہ سرنگوں ہوتے تھے۔ وہ مظلوم کی فریاد سنتی اور ظالم کو سزا دیتی تھی۔

ملکہ بلقیس اسلام قبول کرنے کے بعد سات سال اور سات ماہ زندہ رہی۔ اس کا انتقال حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد ہوا اور ارض شام میں تدمیر کے مقام پر ایک دیوار کے نیچے دفن کی گئی۔

ملکہ بلقیس کا مدفن، اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں دریافت ہوا۔

خلیفہ ولید کے ایک جلیل القدر سردار موسیٰ بن نصیر نے بیان کیا۔

"میں، خلیفہ ولید بن عبد المالک کے دورخلافت میں شہر تدمیر کی جانب بھیجا گیا۔ میرے ساتھ خلیفہ کا لڑکا عباس بن ولید بھی تھا۔ ہم، تدمیر پہنچے تو بارش شروع ہو گئی اور اتنی بارش ہوئی کہ تدمیر کی بعض دیواریں گر کر بہہ گئیں۔ ایک دیوار کے گر جانے سے اس کے نیچے ایک تابوت نمودار ہوا۔ تابوت کا طول تین گز تھا اور یہ زعفرانی پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اس پتھر پر عبارت کندہ تھی۔

"یہ نیک بخت بی بی بلقیس کا تابوت ہے جو حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کی بیوی تھی۔ ۲۰ جلوس سلیمانی میں ایمان لائی تھیں۔ ان کا نکاح، حضرت سلیمانؑ سے عاشورہ کے دن ہوا تھا اور ماہ ربیع جلوس ۲۷ میں اتوار کے دن ان کا انتقال ہوا اور تدمیر شہر میں ایک دیوار کے نیچے رات کے وقت ایسے وقت دفن کی گئیں کہ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے انہیں دفن کیا اور کوئی جن و انس ان کے مدفن سے واقف نہیں۔"

موسیٰ بن نصیر نے اس واقعے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے۔ "میں نے تابوت کا پردہ ہٹا کر دیکھا تو یوں معلوم ہوا

جیسے لاش بالکل تازہ ہے اور وہ آج ہی کی شب دفن کی گئی ہے۔ پھر ہم نے یہ تمام باتیں خلیفہ کو لکھ بھیجیں۔ وہاں سے حکم ہوا تابوت کو اسی جگہ دفن کر دیا جائے اور اس پر سنگ مرمر اور سنگ خارا کی ایک عالیشان عمارت تعمیر کی جائے۔"

ابو حسن محمد بن عبداللہ کسائی کی "قصص الانبیاء" میں بھی یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے۔

سجاح بنت حارثہ

۹۔ ہجری کے سال کو "عام الوفود" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یعنی وفدوں
سال۔ آٹھ ہجری (۸ھ) میں مکہ فتح ہوا تو مشرکین عرب کی کمر ٹوٹ گئی۔ ان کے
میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اسلام کے بلند ہوتے ہوئے آفتاب کو کوئی نہیں روک
دربار نبوت میں فتح مکہ سے پہلے ہی مختلف قبائل عرب کے وفد حاضر ہوتے اور
کے دست مبارک پر بیعت کر کے اپنی دین و دنیا سنوارنے لگے تھے مگر اس فتح کے
قبائلی وفدوں کا مدینہ میں تانتا بندھ گیا۔

سیرت کی کتابیں بتاتی ہیں کہ آٹھویں اور دسویں ہجری کے دوران تقریباً" ایک
چار وفد مدینہ پہنچے اور حضور پاکؐ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔
کتب میں ان کی تعداد ستر (۷۰) بیان کی گئی ہے۔ وفدوں کی اس کثرت کی وجہ
سے نویں ہجری کو "عام الوفود" کہا جاتا ہے کیونکہ اس سال سب سے زیادہ وفود د
خلافت میں حاضر ہوئے تھے۔

یہ واقعہ دسویں ہجری کا ہے۔

اس سال بنو حنیفہ کا سولہ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد سلمان بن حنظلہ کی سرداری میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں مسیلمہ بن حبیب نام کا ایک شخص بھی تھا۔ جو اپنے سردار سے زیادہ بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہا تھا۔ عرب دور جاہلیت میں اکھڑ اور خودسر تو ہوتے ہی تھے' انہیں اپنے قبیلہ پر بھی بہت ناز ہوتا تھا۔ پھر یہ قبیلہ یمامہ میں رہتا تھا جو بڑا سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔

سرکار دو عالم بھی اگرچہ عرب تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ آپ کی طبیعت میں بے انتہا ضبط کا مادہ موجود تھا۔ آپ ہر وفد کی گفتگو جو زیادہ تر فخر و مباہات سے پر ہوتی تھی' بڑے تحمل سے سنتے اور پھر جواب دیتے تھے۔

پس اس قبیلہ سے گفتگو شروع ہوئی تو سردار قبیلہ سلمان بن حنظلہ کے بجائے مسیلمہ بن حبیب نے بڑے غرور اور گھمنڈ سے کہا۔

"اے محمد (صلعم) میرا قبیلہ جس طرح چاہے اسلام لے آئے مگر میں اس شرط پر اسلام لاؤں گا کہ اپنے بعد تم مجھے اپنا خلیفہ بنانے کا اعلان کرو گے؟"

روایت ہے کہ اس وقت حضورؐ کے دست مبارک میں کھجور کی ایک شاخ تھی۔ آپ نے مسیلمہ بن حبیب کی بات بڑے تحمل سے سنی مگر اسے جواب بڑا دندان شکن دیا۔ آپ نے فرمایا۔

"اگر اسلام لانے کے عوض تو مجھ سے کھجور کی یہ شاخ بھی مانگے گا تو میں تجھے نہ دوں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو وہی کاذب ہے جس کے متعلق مجھے خواب میں پہلے خبر دی جا چکی ہے۔"

چنانچہ بنو حنیفہ کا وفد مدینہ سے ناکام اور نامراد واپس آگیا۔ پھر جب حضورؐ علیل ہوئے اور ان کی بیماری کی خبر مسیلمہ بن حبیب کو ملی جو اس وقت اپنے قبیلہ کا سردار بن گیا تھا تو اس کم بخت نے یہ خبر پاتے ہی فوراً" اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس نے قبیلہ والوں میں اس بات کا بھی دعویٰ کیا کہ اسے نبوت میں محمد (صلعم) کا شریک بنا دیا گیا ہے۔

اس نبوت کے جھوٹے دعویدار نے اس وقت جناب رسالتماب کی خدمت میں

ایک خط روانہ کیا جس کا مضمون اس طرح تھا۔

"مسیلمہ رسول کی طرف سے محمد رسول اللہ (صلعم) کے نام"
سلام علیک۔ میں نبوت میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہوں لہٰذا آدھی دنیا آپ کی ہے اور آدھی میری لیکن مجھے آپ سے انصاف کی امید نہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خط کا یہ جواب دیا۔

"محمد رسول اللہ (صلعم) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام"

سلام علی من اتبع الھدے اما بعد

فان الارض للہ یورثھا من شاء

من عبادہ والعاقبتہ المتقین

(ترجمہ) درحقیقت زمین خدا کی ہے۔ اپنے بندوں میں وہ جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بناتا ہے اور انجام کار۔ کامیابی خدا سے ڈرنے والوں کی ہے۔

یہ وہ دندان شکن جواب تھا جو آنحضرتؐ نے مسیلمہ کذاب کو بھجوایا تھا۔ وقت سے مسیلمہ بن حبیب' مسیلمہ کذاب کے نام سے پکارا جانے لگا۔ پچھلے صفو آنحضرتؐ نے مسیلمہ کذاب کو جو جواب دیا تھا اس میں آپؐ نے ایک خواب کا دیا تھا۔ اس خواب کی تفصیل مسلم شریف میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلعم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں۔ آپؐ بہت فکرمند ہوئے۔ پھر خواب ہی میں آپؐ کو حکم دیا گیا کہ ان کنگنوں پر پھونک ماریئے چنانچہ آپؐ نے پھونک ماری تو وہ دونوں کنگن غائب ہو گئے اس سے آپؐ نے یہ تعبیر لی کہ آپ کے بعد ملکہ عرب میں دو جھوٹے نبی ہوں گے۔ ان میں ایک اسود عنسی ہوا اور دوسرا یہی مسیلمہ کذاب تھا۔

مسیلمہ کذاب نے تو حضورؐ کی زندگی ہی میں اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا پھر ب حضورؐ کا وصال ہوا اور حضرت ابوبکرؓ خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کے بعض وں میں ارتداد کی طوفانی ہوائیں چلنے لگیں۔ ارتداد کے معنی مرتد ہونے کے ہوتے یں یعنی دین سے پھر جانا۔ حیات نبویؐ میں بعض لوگوں کے دل میں ایمان پختہ نہ ہوا ا چنانچہ حضورؐ کے انتقال فرماتے ہی ایسے لوگوں نے دین سے منہ پھیر لیا اور اسلام ے باغی ہو گئے۔

حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ جناب ابوبکرؓ نے دوسرے صحابہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ اس وقت نرمی سے کام لیا جائے اور جو لوگ زکات دینے سے نکار کر رہے ہیں انہیں معاف کر دیا جائے مگر حضرت ابوبکرؓ نے اعلان کر دیا کہ وہ رتدین کے خلاف جنگ کریں گے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر نے اسلام سے منہ پھیرنے والوں اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ رنے والوں کے خلاف جہاد کے لئے لشکر اسلام کو گیارہ دستوں میں تقسیم کیا اور ہر تہ فوج پر الگ الگ سردار مقرر کئے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) خالد بن ولید
(۲) عکرمہ بن ابی جہل
(۳) شرجیل بن حسنہ
(۴) مہاجر بن ابی امیہ
(۵) حذیفہ بن محصن
(۶) عرفجہ بن ہرثمہ
(۷) سوید بن مقرن
(۸) علاء بن الحضرمی
(۹) طریفہ بن حاجز
(۱۰) عمرو بن عاص
(۱۱) سعید بن ولید

ان دستوں کی روانگی سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے تمام مرتدین کے نام ایک پیغام بھیجا جس میں انہیں تاکید کی گئی کہ وہ فوراً توبہ کر کے اسلام میں دوبارہ داخل ہو جائیں اگر انہوں نے اس مشورہ پر عمل کیا تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے تمام سرداروں کے نام مندرجہ ذیل ہدایت نامہ جاری کیا:۔

"میں مجاہدین اسلام کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ ہر حال میں خدا سے ڈریں۔ حکم خداوندی کی تعمیل میں پوری کوشش کریں جو لوگ حلقہ اسلام سے نکل کر شیطان کے جال میں پھنس گئے ہیں ان کے ساتھ جہاد کریں۔ لیکن تلوار اٹھانے سے پہلے انہیں اسلام کا پیغام پہنچائیں اور ان پر اپنی حجت پوری کریں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو فوراً ہاتھ روک لیں لیکن اگر وہ انکار کریں تو ان پر حملہ کریں یہاں تک کہ وہ کفر سے باز آ جائیں۔ مرتدین جب دوبارہ اسلام میں داخل ہو جائیں تو انہیں اسلامی فوج کا سردار آگاہ کرے کہ ان کے ذمہ اسلام کے کیا کیا فرائض ہیں اور مسلمانوں پر ان کے کیا کیا حقوق ہیں۔ ان کے فرائض کو ان سے پورا کرایا جائے اور ان کے حقوق ان کو ادا کئے جائیں۔

امیر لشکر اپنے ساتھیوں کو جلد بازی اور فساد سے روکے۔ دشمن کی بستی میں اندھا دھند نہ گھس جائے۔ خوب دیکھ بھال کے داخل ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچ جائے۔ سردار فوج کے کوچ اور قیام کے دوران اپنی فوج کے ساتھ میانہ روی اور نرمی کا برتاؤ کرے۔ ان کی دیکھ بھال کرے۔ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے اور گفتگو میں نرمی اختیار کرے۔"

اس کے بعد اسلامی فوج کے دستے اپنے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں مرتدین کی سرکوبی کے لئے الگ الگ روانہ ہوئے۔

ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے اپنے خواب میں بیان فرمایا تھا کہ آپؐ کے وصال کے بعد دو جھوٹے نبی اپنی اپنی نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ ان میں ایک مسیلمہ کذاب اور دوسرا اسود عنسی ہو گا۔ مسیلمہ کذاب کے حالات بیان کرنے سے پہلے ہم اسود عنسی کے خروج اور انجام کو بیان کرتے ہیں۔

یمن کا علاقہ حضورؐ کی حیات طیبہ میں فتح ہو گیا تھا۔ آپؐ نے یمن کا حاکم باذان کو مقرر کر دیا تھا۔ باذان پہلے بھی یمن کا حاکم تھا اسے ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز نے یمن کا حاکم بنایا تھا کیونکہ اس وقت یمن کا ملک سلطنت ایران کے قبضہ میں تھا۔ جب مسلمانوں نے یمن کو فتح کیا تو یہاں کا حاکم باذان اسلام لے آیا اور حضورؐ نے اسی کو یمن کا حاکم مقرر کر دیا۔

باذان کے مرنے کے بعد حضورؐ نے اس بڑی سلطنت کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ان پر الگ الگ حاکم مقرر کر دیئے۔ یمن کا دارالسلطنت صنعاء تھا۔ اس تقسیم میں صنعاء کو ایک صوبے کو طور پر باذان کے بیٹے "شہر" کو عطا کیا گیا۔ حضورؐ کے وصال سے پہلے کچھ دن پہلے یمن کے ایک شخص نے جس کا نام عبہلہ تھا مگر سیاہ فام تھا اس لئے اسود کے نام سے مشہور تھا' نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ اسود کا تعلق عبس قبیلہ سے تھا۔ قبیلہ والوں نے اس کا ساتھ دیا اور اسے نبی تسلیم کر لیا۔

یمن میں ایک اور قبیلہ مذحج تھا۔ اس نے بھی اسود عنسی کو نبی تسلیم کر لیا۔ پھر ان دونوں نے مل کر "نجران" پر حملہ کر دیا اور حاکم نجران کو وہاں سے بے دخل کر کے نجران پر قابض ہو گیا۔ اب اس کی طاقت بڑھ گئی تھی اس لئے اس نے صنعاء پر حملہ کر دیا۔ یہاں کا حاکم باذان کا بیٹا "شہر" تھا۔ شہر نے مقابلہ کیا مگر گرفتار ہو کر قتل کر دیا گیا۔

صنعاء' ملک یمن کا دارالسلطنت تھا۔ اس کے قبضہ کے بعد اسود عنسی کی ہر طرف دھوم مچ گئی اور لوگوں نے اسے نبی ماننا شروع کر دیا۔ یمن کے دور دور علاقوں

سے لوگ آتے اور اسود عنسی کے ہاتھوں پر بیعت کرتے تھے۔ نبی کریمؐ کو اسود عنسی کے مرتد ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے خبر لانے والے سے دریافت فرمایا کہ آیا صنعاء کے تمام مسلمان مرتد ہو گئے ہیں یا ابھی کچھ لوگ مرتد ہوئے اور کچھ مسلمان ہیں۔

حضورؐ کو بتایا گیا کہ عرب قبیلہ کے تقریباً" تمام لوگ اسود عنسی کے ساتھ ہیں مگر وہ ایرانی جو وہاں آباد ہیں انہوں نے اسود عنسی کا ساتھ نہیں دیا ہے بلکہ وہ الگ تھلگ ہیں اور مدینہ کی اسلام ریاست کو تسلیم کرتے ہیں۔

حضورؐ نے ایرانی سردار فیروز اور زاذویہ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ یہ دونوں ایرانی جو مسلمان ہو چکے تھے' کچھ ہی دن پیشتر حضورؐ کے پاس مدینہ آئے تھے اور صنعاء میں آباد تمام ایرانیوں کی طرف سے یقین دلایا تھا کہ وہ اسلام کے پیروکار ہیں اور کسی صورت میں اسلام سے منہ نہیں پھیریں گے۔ مخبر نے حضورؐ کو بتایا کہ تمام ایرانی آباد کار اسلام پر قائم ہیں اور ایرانی سردار فیروز اور زاذویہ نے ہی حضورؐ کے پاس یہ خبر بھجوائی ہے۔

حضورؐ کو اس سے بہت اطمینان ہوا اور آپؐ نے ان دونوں کے لئے دعائے خیر فرمائی اور مخبر کے ہاتھ انہیں پیغام بھیجا کہ وہ گھبرائیں نہیں بہت جلد اسلامی لشکر اسود عنسی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا جائے گا۔

یہ مخبر جب مدینہ سے واپس ہو کے صنعاء پہنچا تو اسے ایک اور دلچسپ خبر ملی۔ خبر یہ تھی کہ اسود عنسی نے صنعاء کے حاکم شہر کی بیوہ سے زبردستی شادی کر لی ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہر کی بیوہ اس زبردستی شادی سے خوش نہیں ہے۔ اس نے شادی کے وقت بڑا واویلا مچایا تھا۔ فیروز اور زاذویہ کی طرح شہر کی بیوی بھی ایرانی نسل تھی۔ اس لئے دونوں سرداروں کا اس زبردستی شادی پر ناراض ہونا فطری تھا۔

روایت ہے کہ ادھر دونوں ایرانی سرداروں اور ادھر شہر کی بیوی نے ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی مگر اسود عنسی نے نئی بیوی کو اتنے سخت پہرے میں رکھا تھا کہ وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ مگر غلط کاموں کا نتیجہ انسان کو اکثر اس دنیا ہی میں بھگتنا پڑتا ہے۔ چنانچہ اسود عنسی کی بھی شامت آ

گئی۔

ایک رات فیروز گہری نیند سو رہا تھا کہ اس کے معتمد غلام نے اسے جھنجوڑ کے جگا دیا۔

"کیا ہوا؟" فیروز آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"آقا۔ ایک عورت آئی ہے----" غلام نے گھبرائے لہجے میں بتایا۔

"عورت!" فیروز حیران ہوا۔ "کیسی عورت ہے؟"

"مجھے کیا پتہ آقا----" غلام نے پریشان ہوتے ہوئے کہا "اس کے چہرے پر نقاب پڑا ہے۔ مجھے کیا پتہ وہ کیسی ہے۔"

فیروز کے حواس اب درست ہو چکے تھے۔ اس نے نرمی سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے وہ اکیلی یا اس کے ساتھ کوئی اور ہے اور وہ یہاں تک پہنچی کیسے؟"

غلام بھی سنبھل چکا تھا۔ اس نے وضاحت کی۔

"آقا۔ یہ عورت ہماری حویلی کے قریب گھوم رہی تھی۔ ہمارے پہریدار نے اسے ٹوکا تو اس نے بتایا کہ وہ ایرانی سردار فیروز کے لئے ایک پیغام لائی ہے۔"

"کیسا پیغام!" فیروز چونک پڑا۔ "کس نے پیغام بھیجا ہے؟"

"اس نے اور کچھ نہیں بتایا آقا۔" غلام نے کہا۔ "وہ آپ سے ملنے کی ضد کر رہی تھی۔ پہریدار اسے یہاں لے آیا۔"

"پھر وہ کہاں ہے؟"

"میں ابھی حاضر کرتا ہوں آقا۔"

غلام باہر گیا اور ایک نقاب پوش عورت کو ساتھ لے کر اندر آ گیا۔

نقاب پوش نے بڑے ادب سے کہا۔

"میں سردار کو سلام پیش کرتی ہوں۔ کیا میں یقین کروں کہ میں اس وقت ایرانی سردار فیروز کے حضورؐ پیش ہوں؟"

"نقاب پوش خاتون----" فیروز نے نہایت ملائمت سے جواب دیا۔ "آپ

اس یقین کے ساتھ کوچ (صوفہ) پر تشریف رکھئے کہ آپ اس وقت ایرانی سردار فیروز کی حویلی میں ہیں اور سردار فیروز خود آپ سے مخاطب ہے۔"

"مجھے آپ کی بات کا یقین ہے سردار۔" یہ کہتے ہوئے نقاب پوش نے اپنا نقاب الٹ دیا۔ "میں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتی ہوں کہ میں بھی ایرانی نسل سے ہوں۔"

"بہت خوب۔" فیروز مسکرایا۔ "مجھے یہ سن کے خوشی ہوئی۔"

"میں صنعاء کے موجودہ حکمران اسود عنسی کی دوسری بیگم کی کنیز زینت ہوں۔" کنیز نے سامنے کے کوچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ کسی خیال میں گم ہوتے ہوئے سوچنے لگی۔

جب کافی دیر گزر گئی تو فیروز نے اسے ٹوکا۔

"میں حاکم صنعاء کی بیگم کی کنیز زینت کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ کیا وہ اپنے آنے کا مقصد بیان نہیں کرے گی؟"

"ضرور----- کیوں نہیں سردار-----" زینت سنبھل کے بولی۔ "مگر ایک بات کی تصدیق چاہتی ہوں۔"

"کس بات کی تصدیق چاہتی ہو زینت؟" فیروز کا لہجہ اب بھی نہایت شستہ تھا۔

"کیا سردار یہ بتانا گوارہ فرمائیں گے کہ آپ بھی حاکم صناء کی طرح اسلام سے باغی ہو گئے ہیں یا اب تک اسلام پر قائم ہیں-----؟"

ایرانی سردار فیروز کی شائستگی ایک دم ختم ہو گئی۔ اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور اس نے قدرے کھردرے لہجہ میں جواب دیا۔

"زینت۔ جاؤ اپنی بیگم سے کہو کہ فیروز نے کسی لالچ میں اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے سمجھ بوجھ کر اسلام کا دامن پکڑا ہے۔ ہم اسلام سے اس وقت تک وابستہ رہیں گے جب تک ہمارے سر قلم نہیں ہو جاتے۔"

"سبحان اللہ سردار محترم۔" زینت خوش ہو کر بولی۔ "سردار کو یہ سن کر ضرور اطمینان کہ اسود عنسی نے صنعاء کے اصل حاکم کو قتل کر کے ان کی بیگم سے زبردستی شادی کی ہے اور بیگم نہ صرف اس شادی سے ناخوش ہیں بلکہ بدکار اور جھوٹے اسود عنسی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں-----"

فیروز کے شکن آلود چہرے پر ایک دم بحالی آ گئی۔ اس نے کہا۔

"زینت۔ تم نے یہ اطلاع دے کر میرے ڈوبتے دل کو بہت سہارا دیا ہے۔ ہم اور دوسرے سردار اسود عنسی کو پسند نہیں کرتے اور اس شادی کو ایک ظالمانہ فعل سمجھتے ہیں۔ بیگم کو ہمارا پیغام پہنچایا جائے کہ ہم بھی اس کاذب اور بدکار کا تختہ الٹنے کی فکر میں ہیں وہ بھی اپنے طور پر جو کچھ کر سکتی ہیں اس سے دریغ نہ کریں۔ ہم انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے۔"

"سردار محترم-----" زینت نے بڑے استقلال سے کہا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ ادھر آپ کوشش فرما رہے ہیں اور ادھر بیگم' اسود عنسی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان پر کھیل جانا چاہتی ہیں۔ امید ہے کہ خدا ہماری ضرور سنے گا لیکن کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ-----"

اتنا کہہ کر زینت خاموش ہو کے سردار فیروز کا منہ دیکھنے لگی۔

"ہاں ہاں کہو زینت۔" سردار فیروز نے اسے حوصلہ دیا۔ "دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"سردار محترم-----" زینت نے ٹھنڈی سانس لے کے کہا۔ "جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا ہے کہ بیگم اپنی جان پر کھیل جانا چاہتی ہیں۔ میں اگرچہ محض ایک ادنیٰ کنیز ہوں مگر میں نے بیگم کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا تھا اور یہ اسلامی جذبہ ہے کہ میں اپنی جان کی پرواہ نہ کر کے آپ تک پہنچ گئی ہوں جبکہ اسود عنسی کے محل کے گرد پانچ سو سواروں اور پیادوں کا پہرہ لگا رہتا ہے۔"

"شاباش ہے تم پر زینت۔" سردار نے اس کی تعریف کی۔ "اس کا اجر خدا تمہیں ضرور دے گا۔"

زینت نے گمبھیر آواز میں کہا۔

"اے نیک سردار۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ خواہ میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے

مگر کسی طرح میری مالکہ کو اسود عنسی کے چنگل سے رہائی مل جائے۔ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ اور میری مالکہ کی کوششیں ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں ---- ؟"

فیروز نے چونک کر زینت کو دیکھا۔

"مگر کس طرح؟" پھر سردار فیروز نے ایک لمحہ رک کے کہا۔ "آپ کی بیگم مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ میں اپنی پوری طاقت سے ان کا ساتھ دینے پر تیار ہوں۔"

"میرا کام ختم ہو گیا سردار۔" زینت اٹھ کے کھڑی ہو گئی۔ "میں آپ کی زبان سے یہی سننا چاہتی تھی اب آپ تیار رہیے۔ ہم انشاء اللہ بہت جلد اسود عنسی مرتد کے وجود سے دنیا کو پاک کر دیں گے۔"

سردار فیروز اس کے ساتھ ہی اٹھ کے کھڑا ہو گیا تھا۔

"مجھے اور میرے ساتھیوں کو کیا قدم اٹھانا ہو گا ---- یہ تو بتاؤ؟" فیروز نے زینت کو جانے کے لئے تیار دیکھ کر سوال کیا۔

"آپ کو اپنے طور پر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہئے بلکہ جہاں تک ہو سکے آپ یہی ظاہر کیجئے کہ آپ اسود عنسی کے مخالف نہیں۔ ہمیں آپ کی خدمات صرف ایک رات کے لئے درکار ہوں گی۔ وہ بھی صرف دس آدمیوں کے ساتھ۔ میں خود آپ کو اطلاع دینے آؤں گی۔"

فیروز نے کہا۔

"میں چند آدمی تمہارے ساتھ کر دوں۔ وہ تمہیں حفاظت کے ساتھ اسود عنسی کے محل ت پہنچا دیں گے؟"

"شکریہ سردار فیروز ---- " زینت نے جواب دیا۔ "میری مالکہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ تک تنہا پہنچنے اور تنہا ہی واپس آنے کی کوشش کروں۔ اسود عنسی کے جاسوس چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ میرے ساتھ آپ کے آدمیوں کو دیکھ کر انہیں شبہ پیدا ہو سکتا ہے اور ایسی صورت میں میرے پاس کوئی معقول بہانہ بھی نہ ہو گا۔"

"تم نے درست کہا زینت۔" سردار نے اس کی تائید کی۔ "ہمیں واقعی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اچھا خدا حافظ۔"

خدا حافظ کے الفاظ زینت نے بھی دہرائے پھر وہ سردار فیروز کے گھر سے نکل کے تاریک راستے پر چل پڑی۔

صبح کو سردار فیروز نے یہ خبر اپنے دوست سردار زادویہ کو سنائی۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اسے امید بندھی کہ اب بہت جلد اسود عنسی کی نبوت اور خود اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ وہ اس وجہ سے اور زیادہ پرامید تھے کہ اگر شہر کی بیوی کی طرف سے کوئی قدم نہ بھی اٹھایا گیا تو مدینہ سے اسلامی لشکر کے پہنچنے پر اسود کا خاتمہ لازمی ہو جائے گا۔

زینت کو گئے تیسری رات تھی کہ وہ ایک بار پھر فیروز کے پاس پہنچی اور اس نے سامنا ہوتے ہی کہا۔

"کیا آپ تیار ہیں سردار فیروز؟"

"میں بھی تیار ہوں اور میرے دس مجاہد بھی تیار ہیں۔" سردار فیروز نے جواب دیا۔

باہر ایک گھوڑا گاڑی موجود تھی۔ زینت ان سب کو اپنے ساتھ لے کے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ یہ گاڑی اسود عنسی کے محل میں اس طرح داخل ہوئی جیسے تمام پہریدار سو گئے ہوں۔ اس طرح یہ اس محل کے اس حصہ میں پہنچ گئے جہاں اسود عنسی اور اس کی زبردستی کی بیوی سو رہے تھے۔ دروازے پر ایک ہلکی سی دستک سے خوابگاہ کا دروازہ کھل گیا۔ وہ دونوں جاگ پڑے تھے۔ بیوی اچھل کے دور کھڑی ہو گئی۔ سردار فیروز نے آگے بڑھ کر خنجر اسود عنسی کے سینے میں اتار دیا۔

اسود عنسی چیخ بھی نہ نکال سکا۔

ادھر سے فارغ ہو کے سردار فیروز چھت پر چڑھا اور اس نے اذان دینا شروع کر دی یہ اس بات کا اعلان تھا کہ مسلمان' اسود عنسی کے محل پر قابض ہو گئے تھے۔ اسود کے آدمیوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ صنعاء سے عدن کی طرف بھاگ کھڑے

ہوئے۔

جس دن اسود عنسی کے خاتمہ کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو اس سے ایک دن پہلے حضور مقبولؐ رحلت فرما چکے تھے اور خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا یہ پہلا دن تھا اور حضرت ابوبکر کی خلافت کی یہ پہلی خوشخبری تھی۔

لوگون کو نبوت کا ایسا جنوں سوار تھا کہ اسود عنسی کے قتل کے بعد اس کے ایک ساتھی قیس بن **عبد یغوث** نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ وہ اسود عنسی کے ان آدمیوں کے پاس پہنچا جو صنعاء سے بھاگ کے عدن کے راستے میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کے تعاون سے قیس نے سردار فیروز اور زاوویہ کے اہل و عیال کو گرفتار کر کے جزیزوں میں قید کر دیا۔

قیس بن **عبد یغوث** کا انجام بھی اسود عنسی جیسا ہوا۔ سردار فیروز اس کے مقابلہ پر نکلا۔ فیروز کا ساتھ عرب کے دو قبائل' بنی عقیل اور بنی عک نے دیا۔ ان کی مدد سے فیروز نے اپنے اور زاوویہ کے بیوی بچوں کو جزیزوں سے نکالا پھر قیس بن **عبد یغوث** کی سرکوبی کے لئے آگے بڑھے۔ اسی وقت مدینہ کا لشکر مہاجرین ابی امیہ کی سرکردگی میں وہاں پہنچ گیا۔ اس لشکر کو خلیفہ نے اسود عنسی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا۔

سردار فیروز کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اس کی مدد کو صرف ایک لشکر نہیں پہنچا بلکہ ایک دوسرا لشکر بھی ان کی مدد کو پہنچ گیا۔ یہ لشکر حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہ بن ابی جہلؓ کی سرداری میں عمان کی مہم پر روانہ کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ عمان کی مہم سے فراغت کے بعد یہ لشکر صنعاء کی طرف جائے اور سردار فیروز کی مدد کرے۔ چنانچہ اب سردار فیروز کو دو اسلامی لشکروں کی مدد حاصل ہو گئی تھی۔

انہوں نے پوری طاقت کے ساتھ صنعاء کی طرف کوچ کیا۔ اس دوران قیس بن **عبد یغوث** کو ایک دوسرے سردار عمرو بن معدی زبیری کا تعاون حاصل ہو گیا تھا۔ عمرو بن معدی بھی اسلام سے اس وقت پھر گیا تھا جب اسود عنسی نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ قیس اور عمرو نے صنعاء سے باہر نکل کے مسلمانوں کے لشکروں کا

مقابلہ کیا مگر اس کی جھوٹی نبوت کا پول جلدی کھل گیا۔

دونوں لشکروں میں ابھی دو ہی گھنٹے مقابلہ ہوا تھا کہ قیس بن **عبد یغوث** کی فوج نے پیٹھ دکھائی۔ اسے بھاگتا دیکھ کر عمرو کی فوج کے بھی قدم اکھڑ گئے۔ ان دونوں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو سوائے چند ساتھیوں کے اور کوئی دکھائی نہ دیا۔ وہ چند ساتھی بھی راہ فرار تلاش کر رہے تھے۔

آخر قیس بن **عبد یغوث** اور عمرو بن معدی زبیری کو گرفتار کر لیا گیا۔ انہوں نے درخواست کی کہ انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ دربار خلافت میں بھیج دیا جائے۔ چنانچہ انہیں مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ دربار خلافت میں پہنچ کر انہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور خلیفہ سے معافی کے خواستگار ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں معافی دے کر آزاد کر دیا۔

یہ دور عربوں میں طوائف الملوکی کا تھا۔ حضورؐ کے وصال کے بعد عرب اس قدر بے خوف اور خود سر ہو گئے تھے کہ ایک کے بعد ایک نبوت کا دعویٰ کرنے لگا۔ یہ وبا کچھ ایسی پھیلی کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے جو عورت اس میدان میں اتری اس کا نام سجاح بنت حارثہ تھا۔

سجاح کو شاید اس کے غرور حسن نے نبوت کے دعوے پر اکسایا تھا۔ یہ عورت نہایت دیدہ زیب بلکہ حسن و جمال کا ایک شاہکار تھی۔ جوانی میں قدم رکھتے ہی نوجوان اور جوان دلوں میں اس نے ہلچل پیدا کر دی۔ وہ بڑی فیاض اور خوش مزاج خاتون تھی۔ جو جوان اس پر عاشق ہوتا' سجاح اس سے بچنے یا دور رہنے کے بجائے اس کی حوصلہ افزائی کرتی۔ وہ بڑی فراخدلی سے اپنا بایاں ہاتھ اس کی طرف دراز کرتی اور دیوانہ عاشق اس کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اس کے جنوں میں مبتلا ہو جاتا۔

عاشقوں کی یہ تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزاروں تک پہنچ گئی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ عورت بڑی زیرک' ہوشیار اور حوصلہ مند تھی۔ جب اس کے گرد کئی ہزار جوان جن میں بعض ادھیڑ عمر بھی شامل تھے' اکٹھا ہو گئے تو شیطان نے اسے آواز دی یا خود اس نے آواز دے کر شیطان کو بلایا اور اپنے عشاق کے لہریں مارتے سمندر کے

سامنے اعلان کیا۔

"یہ کیا ضروری ہے کہ نبوت کا مرتبہ صرف مرد کے حصے میں آئے' عورت بھی مرد ہی کی طرح مضبوط ارادوں کی مالک ہوتی ہے۔"

ہر طرف سے آواز بلند ہوئی۔

"بے شک۔ بے شک۔ سجاح مضبوط ارادوں کی مالک ہے۔"

"تو پھر اے میرے دوستو۔ میرے ساتھیو۔ سنو اور غور سے سنو۔" سجاح بنت حارثہ نے ایک جھرجھری لے کر مضبوط لہجے میں کہا مگر کچھ کہنے کے بجائے وہ دیر تک خاموش کھڑی رہی۔

جب زیادہ دیر ہوئی تو مضبوط جوانوں کی بے چینی بڑھ گئی اور ایک جوان نے ہمت کر کے کہا۔

"اے جوانوں کے دلوں کی ملکہ اور اے زہرہ ثانی۔ اس خاموشی کو ختم کر کہ تیرے شیدائی تیری آواز سننے کے لئے بے قرار ہیں۔"

سجاح بنت حارثہ نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور بولی۔

"میں اس وقت خاموش نہیں تھی بلکہ آسمانوں کے لافانی خدا سے باتیں کر رہی تھی۔"

"تو کیا خدا تم سے باتیں کرتا ہے؟" ایک جوان نے بے یقینی کے انداز میں دریافت کیا۔

"ہاں ہاں-----" سجاح بنت حارثہ مضبوط لہجے میں بولی۔ "آسمانی خدا مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور میں اس سے گفتگو کرتی ہوں۔"

ایک دوسرے جوان نے تعجب سے پوچھا۔

"مگر ہم سے تو خداوند یسوع مسیح یا کنواری اور پاک مریمؑ نے کبھی باتیں نہیں کیں؟"

"خداوند عام لوگوں سے ہم کلام نہیں ہوا کرتے-----" سجاح بنت حارثہ نے متانت سے جواب دیا۔ "وہ تو صرف ان لوگوں سے باتیں کرتے ہیں یا اپنا پیغام

بھواتے ہیں جنہیں وہ دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجتے ہیں۔"

"مگر خداوند یسوع مسیح نے تمہیں اپنا نائب تو نہیں بنایا؟" ایک جوان نے ذرا تلخ انداز میں کہا۔

سجاح بنت حارثہ مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ بجلی بن کر جوانوں کے دل پر گرتی تھی اور ہر جوان اپنا دل پکڑ کر رہ جاتا تھا۔ کئی بار مسکراہٹوں کی بارش کرنے کے بعد آخر سجاح نے کہا۔

"اے میرے ساتھیو اور میرے دوستو۔ میں اس وقت اس لئے خاموش تھی کہ خدا مجھ سے کہہ رہا تھا کہ آج میں تمہارے سامنے اپنے اس مرتبہ اور اعزاز کا اظہار کردوں جو آسمانی اور لافانی خدا نے مجھے عطا کیا ہے۔"

"ہاں ہاں ضرور اظہار کرو-----" ایک ساتھ کئی آوازیں بلند ہوئیں۔

پھر ایک جوان نے چیخ کے کہا۔

"اے پری پیکر اور سراپا جمال۔ یقین رکھ کہ اگر تو نے اپنے خدا ہونے کا بھی اعلان کیا تو ہم فوراً تجھے سجدہ کریں گے۔"

سجاح بنت حارثہ اس جوان کی اس بات سے ایسی خوش ہوئی کہ اس نے کہا۔

"اس جوان کو آگے آنے کا راستہ دو۔ میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

پس جوان کو راستہ دیا گیا اور وہ لوگوں کو ڈھکیلتا ہوا سجاح بنت حارثہ کے قریب پہنچ گیا۔

"اے میرے پرستار تیرا نام کیا ہے؟" سجاح نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اے آسمانی دیوی میرا نام قبار ہے اور میں تیرے ہی قبیلہ یربوع سے تعلق رکھتا ہوں۔"

"یہ تو اور اچھا ہوا کہ تو میرا ہم قبیلہ ہے۔" سجاح بنت حارثہ نے متانت سے کہا۔ "میں تجھے آج سے اپنا محافظ خاص مقرر کرتی ہوں اور سب سے پہلے تجھ پر اس امر کا اظہار کرتی ہوں کہ آسمانی خدا نے مجھے تم لوگوں پر نبی بنا کے بھیجا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے مدینہ کے محمد (صلعم) کو نبی بنایا گیا تھا۔ چونکہ محمد (صلعم) کا انتقال ہو گیا

ہے اور ہمارا ملک عرب خدا کے نبی سے خالی نہیں رہ سکتا ہے اس لئے آسمان کی طرف سے لازوال خدا نے مجھے محمد (صلعم) کی جگہ نبی برحق مقرر کیا ہے۔ تم پر لازم ہے کہ میرا حکم مانو اور میری ہر بات کو سچ سمجھو۔"

قبار فوراً" سجدے میں گر گیا پھر سر اٹھا کے بولا۔

"بے شک سجاح بنت حارثہ نبی برحق ہے۔ وہ خدا کا اوتار ہے۔ ہم سب پر فرض ہے کہ اسے سجدہ کریں۔"

یہ کہہ کے وہ سجدے میں چلا گیا اور اس کی تقلید میں وہاں موجود ہزاروں جوان بھی **سربسجود** ہو گئے۔ اس وقت سجاح بنت حارثہ کی مسرت کا عالم دیکھنے والا تھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔ اسے گمان بھی نہ تھا کہ اسے اس قدر جلد نبی تسلیم کر لیا جائے گا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ محمدؐ نے جس وقت نبوت کا اعلان کیا تھا تو پورا عرب ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا اور انہیں ہزارہا مصائب سے گزرنا پڑا تھا تب جا کے ان کی نبوت تسلیم کی گئی تھی۔

"سجدے سے سر اٹھاؤ میرے پیروکارو------" سجاح نے کمال مسرت سے اعلان کیا۔ "تم لوگ دن میں دو بار مجھے سجدہ کر سکتے ہو اور چاہو تو دو بار میرے ہاتھ پر بوسہ دے سکتے ہو۔"

لوگوں نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ ان میں سے ایک بولا۔

"اے سجاح ہم نے تجھے------"

"خبردار بے ادب۔" قبار نے فوراً" اس کی بات کاٹی۔ "تجھے اپنے نبی کو مخاطب کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ نبی کا صرف نام نہیں لیا کرتے بلکہ نام کے آگے پیچھے کچھ اور الفاظ لگائے جاتے ہیں۔"

جس کی بات کاٹی گئی تھی اسنے گھبرا کے پوچھا۔

"اے قبار۔ اے نبی کے محافظ۔ ہمیں بتا کہ ہم اپنے نبی کے نام کے ساتھ اور کون سے الفاظ لگائیں؟"

قبار نے جواب دیا۔

"تم اپنے نبی کو یوں بھی مخاطب کر سکتے ہوک اے نبی برحق سجاح بنت حارثہ۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے قبار کی بات تسلیم کر لی۔ "اے نبی برحق سجاح بنت حارثہ ہم نے تیری نبوت تسلیم کی۔ اب بتا کہ ہمارے کیا کیا فرائض اور کیا کیا حقوق ہیں۔"

سجاح بڑی توجہ اور غور سے یہ باتیں سن رہی تھی پھر جب اس سے براہ راست سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا۔

"سب سے پہلے یہ بات طے ہونا ہے کہ تم لوگ مجھے کس نام سے مخاطب کرو۔ اس سلسلہ میں میں کہوں گی کہ قبار نے ٹھیک کہا کہ تم لوگ مجھے "نبی برحق سجاح بنت حارثہ" کہہ کر مخاطب کر سکتے ہو۔ ان الفاظ کے لگانے سے ایک نبی کی عظمت میں ضرور اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ ہونا بھی ضروری ہے لیکن میں یعنی تمہاری نبی سجاح بنت حارثہ یہ چاہتی ہے تم میری عظمت کا اظہار کرنے کے بجائے میری محبت اور عقیدت کا اظہار کرو۔ اس کے لئے میں چاہوں گی تم لوگ مجھے "اے بنت حارثہ" کہہ کر مخاطب کیا کرو کیونکہ اس طرح عظمت اور محبت دونوں کا اظہار ہو گا۔"

"ہم نے یہ بھی تسلیم کیا اے بنت حارثہ------" کسی طرف سے آواز آئی۔ "اب ہمیں ہمارے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا جائے۔"

"کیوں نہیں۔ تمہیں اس سے ضرور آگاہ کیا جائے گا۔" سجاح بنت حارثہ نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔ "تمہارے حقوق یہ ہیں کہ تمہیں اچھی غذا' اچھا لباس اور اچھا ماحول مہیا کیا جائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس وقت ہم حالت جنگ میں ہیں۔ تم نے ہمیں نبی تسلیم کر لیا لیکن بہت سے لوگ ہماری نبوت سے انکار کریں گے۔ ظاہر ہے کہ ہمیں ان سے جنگ کرنا پڑے گی۔ فی الحال ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ اسلحہ میسر ہو۔ جب تک نیزہ' تیر' تلوار اور گھوڑوں کا انتظام نہ ہو گا اس وقت تک نہ تو ہم جنگ کر سکتے ہیں اور نہ دوسرے علاقوں اور ملکوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہمیں ان چیزوں کی فوری ضرورت ہے۔"

قبار نے دخل دیتے ہوئے کہا۔

"دو تلواریں' دو نیزے' دو تیر کمان اور دو گھوڑے' اے بنت حارثہ میں تیری خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔"

"شاباش قبار----" سجاح بنت حارثہ نے بڑی مسرت سے کہا۔ "تم نے ہمارے بن کہے ہمیں پیش کش کی ہے۔ امید ہے کہ ہمارے دوسرے پرستار اور پیروکار بھی ایسی ہی پیش کش کریں گے۔"

سجاح بنت حارثہ کے اس اعلان پر تو ہر طرف شور پڑ گیا۔ ہر طرف سے پیش کش کی آوازیں آنے لگیں۔ کسی نے دو گھوڑے' چار تلواریں۔ کسی نے چار گھوڑے' آٹھ نیزے اور کسی نے سولہ گھوڑے اور بتیس تیر کمان کی پیش کش کی۔

سجاح نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش ہونے کا حکم دیا۔ جب کامل خاموشی طاری ہو گئی تو اس نے کہا۔

"ہمیں پیشکش کا صرف اعلان نہیں بلکہ اس کا ثبوت بھی چاہئے۔ ہم سب کو حکم دیتے ہیں کہ اپنے اپنے گھر جائیں اور جتنے سامان کی پیشکش کی ہے اسے اپنے ساتھ لے کے یہاں آئیں۔"

لوگوں میں بھنبھناہٹ پیدا ہوئی اور وہ واپس جانے لگے۔ اس وقت سجاح بنت حارثہ نے انہیں روکا----

"ٹھہرو میرے پرستارو۔"

ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور وہ اپنی اپنی جگہ واپس آ گئے۔

سجاح بنت حارثہ بولی۔

"اب ہمیں ایک فوج تیار کرنا ہے اور اس فوج سے ان لوگوں کو زیر کرنا ہے جو ہماری نبوت سے انکار کریں۔"

"لاریب۔ لاریب۔" آوازیں بلند ہوئیں۔

"اس کے لئے لازم ہے کہ ہمارے پاس کھانے پینے کی وافر اشیاء موجود ہوں۔ اس لئے ضروری ہے کہ گھوڑوں اور اسلحہ کے علاوہ جو جس قدر اجناس اور دوسری

غذائیں اشیاء مہیا کر سکتا ہو وہ بھی اپنے ساتھ لے آئے۔"

سجاح بنت حارثہ کے اس اعلان کے بعد لوگ دوبارہ اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان میں زیادہ جوان تو مقامی تھے جن میں عام طور پر سجاح کے ہم مذہب یعنی عیسائی تھے مگر عیسائیوں کے علاوہ جو جوان قرب و جوار سے آئے تھے۔ وہ عیسائی نہ تھے بلکہ سجاح کے حسن کی تعریف سن کر بھاگے چلے آئے تھے۔ اس اعلان کے دوسرے دن یعنی چوبیس گھنٹے کے اندر اندر میدان میں سامان خورد و نوش اور اسلحہ کے درجنوں اونچے اونچے ڈھیر لگ گئے۔

سجاح ایک اچھی منتظم بھی تھی۔ اس نے دس آدمیوں پر مشتمل ایک محکمہ قائم کیا جس کے سپرد' کھانے کے سامان کی آمد اور خرچ کا حساب کیا گیا۔ اسلحہ کے لئے باقاعدہ اسلحہ خانہ بنایا گیا جس کے کارکنوں کے ذمہ اسلحہ جمع کرنا اور ضرورت کے وقت فوج کو مہیا کرنا تھا۔ محکمے متحرک تھے یعنی سجاح بنت حارثہ کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ سجاح بنت حارثہ نے تمام جوانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا اور قیام و طعام کی ذمہ داری خود قبول کی۔

ایک ہفتہ بعد سجاح کے پاس ہزار ہزار جوانوں پر مشتمل فوج کے چھ دستے تھے جو اس وقت کے رائج تمام ضروری اسلحہ سے مسلح تھے۔ گھوڑوں کی تعداد فوجوں سے بھی زیادہ تھی۔ اس کے لئے الگ انتظام کیا گیا۔ سجاح بنت حارثہ کے گرد فوجیں اکٹھا ہوئیں تو اس کا دماغ اور زیادہ اونچا ہو گیا۔ اس کا قبیلہ بنو تمیم بہت بڑا تھا۔ حیات نبویؐ میں اس قبیلہ کا ایک وفد مدینہ پہنچا تھا اور حضورؐ کے دست مبارک پر اسلام لایا تھا۔

حضورؐ کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی قبیلہ اسلام لاتا تو آپ اس قبیلہ کی تعداد اور عسکری قوت کے مطابق اس پر ایک یا ایک سے زیادہ سردار مقرر کرتے تھے مگر یہ تمام سردار اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ قبیلہ بنو تمیم کے سلسلہ میں حضورؐ نے یہی طریقہ اپنایا اور اس بڑے قبیلہ پر زبرکان بن بدر' قیس بن عاصم اور مالک بن نویرہ کو سردار مقرر کیا۔

مگر جب حضورؐ کا وصال ہوا اور فتنہ ارتداد کا زور ہوا تو بنو تمیم کا کوئی قبیلہ بھی مدینہ کی اسلامی ریاست کا وفادار نہ رہا اور سب کے سب سرکش ہو گئے۔ اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنو تغلب کی ذیلی شاخ بنو یربوع سے سجاح بنت حارثہ کا تعلق تھا۔ طاقت حاصل کرتے ہی سجاح بنت حارثہ نے اپنے قبیلہ کی تمام شاخوں کی طرف قاصد روانہ کئے۔ قاصد کے ذریعہ سجاح بنت حارثہ نے ہر قبیلہ سردار کو پیغام بھیجا۔

"آسمانوں کے لازوال خدا نے مجھے یعنی سجاح بنت حارثہ کو تم پر نبی بنایا ہے۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ میری اطاعت کرو اور اپنا لشکر میرے لشکر میں شامل کر دو ورنہ میں تمہیں نیست و نابود کر دوں گی۔ اگر میری اطاعت کے لئے تم نے دو ہفتہ کے اندر اپنا وفد میرے پاس نہ بھیجا تو میں تم پر لشکر کشی کروں گی۔"

ان میں جو چھوٹے چھوٹے سردار تھے وہ ڈر گئے اور انہوں نے اپنے وفد بھیج کر سجاح بنت حارثہ کی اطاعت قبول کر لی۔ جو سردار سرکش اور خود سر تھے انہوں نے سجاح بنت حارثہ کے قاصد کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ قاصد نے واپس جا کر سردار کے جواب سے سجاح کو آگاہ کیا اور سجاح نے ان کے جواب کی روشنی میں اگلا قدم اٹھایا۔

سجاح کے لشکر کی تعداد (ایک بیان کے مطابق) دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اسے اسلحہ بھی کافی مقدار میں میسر آگیا تھا۔ سامان خورد و نوش کی بھی کوئی کمی نہ تھی اس لئے سجاح بنت حارثہ نے اس کا حکم نہ ماننے والوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس نے مختلف سرداروں کے خلاف ایک جنگی نقشہ تیار کیا اور اس کے مطابق اس نے اپنی فوجوں کو حرکت دی۔

بنو تمیم کے جن سرداروں نے اس کی اطاعت سے انکار کیا تھا' ان کا یہ خیال تھا اور انہیں یہ اطلاع بھی دی گئی تھی کہ سجاح کے گرد چند سرپھرے جوان جمع ہو گئے ہیں جو محض اس کے حسن کے اسیر ہیں۔ وہ اسی خیال میں تھے کہ سجاح بنت حارثہ ایک مضبوط لشکر کے ساتھ ان پر حملہ آور نہ ہو گی۔ یہ حقیقت تھی کہ سجاح کے لشکر کے تمام جوان اس کے عشق میں مبتلا تھے مگر اس عشق کے سودے نے انہیں انتہائی

جری اور بہادر بنا دیا تھا۔ انہوں نے جس سردار پر حملہ کیا اس کے پرخچے اڑا دیے اور اسے مجبور ہو کر سجاح کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔

چار پانچ سرداروں کو تو سجاح نے شکست دے کر اپنا مطیع کر لیا مگر وہ جوں جوں آگے بڑھتی جاتی تھی' مقابلہ سخت ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سجاح بنت حارثہ کی پریشانی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

ایک شدید جنگ کے بعد سجاح بنت حارثہ ایک رات ایک میدان میں خیمہ زن تھی کہ اس کے ایک پہریدار نے اسے اطلاع دی۔

"اے نبی برحق۔ اے بنت حارثہ۔ ایک شخص جو اپنے آپ کو مالک بن نویرہ کہتا ہے اور بنو تمیم کا ایک بڑا سردار ہونے کا دعویدار ہے وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔"

"مالک بن نویرہ۔" سجاح نے اس نام کو آہستہ سے زیر لب دہرایا پھر جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

"بے شک۔ بے شک۔ مالک بن نویرہ ایک بڑا سردار ہے۔ وہ خود چل کر ہمارے پاس آیا ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ ہم خود آگے بڑھ کر ان کا استقبال کریں۔ اگر وہ ہمارا مطیع ہو گیا تو ہماری طاقت کئی گنا زیادہ ہو جائے گی۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے چند جوانوں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور خبر لانے والے کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ وہ تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ اسے شفاف چاندنی میں پندرہ بیس سوار کھڑے نظر آئے۔ جب وہ اور قریب پہنچی اور سواروں کی اس پر نظر پڑی تو فوراً گھوڑوں سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔

"مالک بن نویرہ کدھر ہیں؟" سجاح بنت حارثہ نے قریب پہنچ کر کہا۔

سامنے کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک ادھیڑ عمر شخص چند قدم آگے بڑھا اور تعظیم کے انداز میں سر کو ذرا سا خم کر کے ولا۔

"مالک بن نویرہ' نبی برحق سجاح بنت حارثہ کو تعظیم پیش کرتا ہے۔"

سجاح بنت حارثہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ مالک بن نویرہ نے بغیر کسی حیل و

جحت کے اسے خود ہی "نبی" تسلیم کر لیا تھا۔

سجاح بنت حارثہ نے پروقار انداز میں مالک بن نویرہ کی پذیرائی کی۔

"ہم اپنے پیروکار بنو تمیم کے عظیم سردار مالک بن نویرہ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔"

اس طرح مالک بن نویرہ نے سجاح بنت حارثہ کو اور اس نے مالک بن نویرہ کی عظمت کو تسلیم کر لیا۔ سجاح بنت حارثہ مہمان کو ساتھ لئے ہوئے اپنے خیمہ پر آئی۔ وہ کھانا کھا چکی تھی مگر اس نے مالک بن نویرہ کے لئے کھانا منگوایا اور اس کی خاطر خود بھی کھانے میں شریک ہوئی۔ مالک کے لئے ایک بڑا خیمہ لگایا گیا اور اسے ایک معزز مہمان کی طرح رکھا گیا۔

صبح کا ناشتہ سجاح اور مالک نے ایک ساتھ کیا۔ اس کے بعد سیاسی گفتگو کا آغاز ہوا۔ گفتگو کا آغاز مالک بن نویرہ نے کیا۔

"محترم نبی برحق سجاح بنت حارثہ------"

مالک اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ سجاح نے اسے روک دیا۔

"مالک بن نویرہ۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔ پھر جب آپ نے مجھے نبی تسلیم کر لیا ہے تو پھر بار بار نبی برحق کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ مجھے صرف "بنت حارثہ" کے الفاظ سے مخاطب کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ۔" مالک نے کہا۔ "اب یہ فرمائیے کہ آپ کے ارادے کیا ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ میرے سوال کا جواب دیں اس لئے کہ آپ نبی برحق ہیں اور میں آپ کا ایک ادنیٰ پیروکار ہوں۔"

"آپ میرے پیروکار بھی ہیں اور بزرگ بھی۔" سجاح بنت حارثہ نے جواب میں کہا۔ "میرا ارادہ ہے کہ میں پہلے اپنے قبیلہ کے تمام سرکشوں کو زیر کروں۔ اس کے بعد مدینہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لوں۔"

"آپ مدینہ پر کیوں قبضہ کرنا چاہتی ہیں؟" مالک بن نویرہ نے پوچھا۔

سجاح نے جواب دیا۔

"مدینہ سے مسلمانوں کے نبی محمدؐ نے خروج کیا تھا۔ اس لئے میں بھی مدینہ کو اپنا دارالسلطنت بنانا چاہتی ہوں۔"

"آپ کا خیال بہت درست ہے۔" مالک بن نویرہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی پھر ذرا ٹھہر کے بولا۔ "مدینہ میں محمدؐ کے بعد ابوبکرؓ نام کا ایک شخص مسلمانوں کے پہلے خلیفہ کے طور پر حکومت کر رہا ہے۔ ادھر سے آنے والے قافلوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ ابوبکرؓ نے دس بارہ فوجیں تیار کی ہیں اور ان کے الگ الگ سردار مقرر کر کے عرب کے ان قبائل کی طرف بھیجے ہیں جنہوں نے "اسلام" کے نئے مذہب کو رد کر کے پھر اپنا پرانا مذہب اختیار کر لیا ہے۔"

سجاح بنت حارثہ فکرمند ہو گئی۔ اس نے دریافت کیا۔

"کیا مسلمانوں کی چھوٹی سی ریاست "مدینہ" میں اتنی طاقت آ گئی ہے کہ وہ دس بارہ فوجیں تیار کر سکے۔ اگر اس کی ہر فوج میں دو ہزار سوار اور پیادے ہوں تو بارہ فوجوں کی تعداد پچیس ہزار کے قریب ہوتی ہے۔ کیا مسلمان اتنا بڑا لشکر تیار کر سکتے ہیں؟"

"محترم بنت حارثہ------" مالک بن نویرہ نے ادب سے کہا۔ "آپ لشکر کی تیاری کو کہہ رہی ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی بارہ فوجیں عرب کے بارہ سرداروں سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہو چکی ہیں۔ ایک فوج میری طرف بھی آ رہی ہے اور میں نے سنا ہے کہ مسلمانوں کی ایک زبردست فوج یمامہ کے حاکم مسیلمہ بن حبیب سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئی ہے۔ میں آپ کے پاس اسی لئے آیا ہوں کہ ہمیں متحد ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔"

"آپ بے فکر رہیں' مالک بن نویرہ۔" سجاح بنت حارثہ نے مضبوط لہجے میں کہا "ہمارے بہادر جوان آپ کا ساتھ دیں گے اور ہم انہیں مار بھگائیں گے۔"

مالک بن نویرہ نے کہا۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو مدینہ پر حملہ کرنے کا خیال اس وقت ملتوی کر دیں اور پہلے بنو تمیم کے باغی سرداروں کو اپنے قبضے میں لائیں۔ دوسری بات یہ کہ مسیلمہ

بن حبیب نے بھی "نبوت" کا دعویٰ کیا ہے۔ اسے قاصد بھیج کے آپ اسے اپنی اطاعت پر مجبور کیجئے۔"

یہ بات سجاح بنت حارثہ کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے فوراً ایک قاصد مسیلمہ بنت حارثہ کے پاس بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہ سجاح بنت حارثہ کی نبوت کو تسلیم کر لے ورنہ اس کے خلاف فوج کشی کی جائے گی۔

مسیلمہ کذاب نے خط و کتابت کے ذریعہ سجاح کو زیر کرنے کی تمام ترکیبیں استعمال کر ڈالیں مگر وہ ہر تدبیر میں ناکام رہا۔ بڑے سے بڑے لالچ سجاح کے قدم نہ ہلا سکے۔ مسیلمہ نے اسے بڑے وسیع علاقہ کی سرداری کی پیش کش بھی کی مگر سجاح نے اسے ٹھکرا دیا۔ آخر مسیلمہ نے ترپ کا آخری پتہ پھینکا اور ایک اہم فیصلہ کیا۔ اس نے سجاح بنت حارثہ کو پیغام بھیجا کہ ایک ہی عقیدہ کے دو لشکروں کی جنگ سے ہم دونوں کو نقصان ہو گا۔ اس لئے یہ زیادہ بہتر ہے کہ ہم دونوں آپس میں منہ در منہ بیٹھ کر خود گفتگو کریں تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو جائے کہ دونوں میں سچا نبی کون ہے۔ جو بھی دوسرے کو قائل کر لے گا وہی سچا نبی تسلیم کر لیا جائے گا اور دوسرا نبوت سے دست بردار ہو جائے گا۔ یہ ایک ایسا جال تھا جس سے بچنا سجاح کے لئے مشکل ہو گیا۔ اگر وہ بالمشافہ گفتگو سے انکار کرتی تو اس کے پیروکاروں میں شکوک پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے ماننے والے اسے ایک مرد سے کمتر خیال کریں۔ اس لئے اس نے مجبوراً مسیلمہ کی اس پیشکش کو قبول کر لیا اور اس سے تنہائی میں گفتگو کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ اس کے دل میں ایک ہلکا سا خوف ضرور پیدا ہوا مگر اسے اپنی قوت ارادی اور ذہانت پر پورا اعتماد تھا۔ اس لئے اس نے اس وسوسے کو دل سے نکال دیا اور گفتگو پر آمادہ ہو گئی۔

دونوں طرف کے فوجی اس جمود سے تنگ آ چکے تھے اور جلد سے جلد کسی فیصلے ے خواہش مند تھے۔ انہیں جب اس طرح فیصلہ کرنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی اے دل سے قبول کر لیا اور اس دن کا انتظار کرنے لگے جب اس کا نتیجہ نکلنے کی امید ھی۔ مسیلمہ کے حکم سے دونوں لشکروں کے درمیان میدان میں ایک عالیشان خیمہ مب کیا گیا۔ اس خیمہ کو بہترین ساز و سامان سے آراستہ پیراستہ کیا گیا۔ فرش' ردے' تکیے اور بستر گویا ہر چیز زرنگار تھی اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ کا اظہار کرتی تھی۔ شک میوہ جات' مشروبات اور اعلیٰ و کہنہ شراب بھی خیمے کے اندر پہنچا دی گئی۔ پھر طے شدہ پروگرام کے تحت دونوں لشکروں کو ہزار ہزار گز تک اس خیمے سے دور ہٹا دیا گیا تاکہ ان جھوٹے مدعی اور مدعیہ نبوت کی گفتگو میں نہ کوئی مخل ہو اور نہ ان کی اتیں کسی کے کانوں تک پہنچ سکیں۔ دونوں لشکروں کو سختی سے تاکید کر دی گئی کہ کوئی خص خیمے کے قریب اس وقت تک نہ جائے گا جب تک گفتگو ختم نہ ہو جائے اور ونوں خود خیمہ کے باہر نہ آ جائیں۔

گفتگو کے وقت کی پابندی نہ تھی۔ یہ گفتگو ایک گھنٹہ بھی ہو سکتی تھی اور ایک فتہ تک بھی جاری رہ سکتی تھی۔ اس خیال سے ہر طرح کا سامان خورد و نوش وافر قدار میں خیمہ میں رکھ دیا گیا تھا۔ خیمے کی آرائش و زیبائش مکمل ہو گئی تو سجاح نے یک رات اپنے مخصوص سرداروں کے ساتھ اس کا معائنہ کیا اور جس چیز کی کمی سوس ہوئی اسے مہیا کرنے کا حکم دیا۔ اس معائنہ کا مقصد دراصل یہ دیکھنا تھا کہ خیمے کے اندر کوئی ایسی چیز تو پوشیدہ نہیں کی گئی جو سجاح کو نقصان پہنچا سکے۔ کیونکہ طے یہ وا تھا کہ سجاح اور مسیلمہ دونوں بغیر ہتھیار کے گفتگو کریں گے۔ سجاح کے سرداروں و وہاں ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی ---- اس لئے اس نے انتظامات پر اطمینان کا اظہار یا اور مسیلمہ کے حسن سلیقہ اور نفاست کی تعریف کی۔ سجاح کو معلوم ہو چکا تھا کہ سیلمہ ایک پست قد اور بدصورت انسان ہے' مگر اس نے خیمہ کو جس سلیقہ سے راستہ کرایا تھا۔ وہ اس کی نفاست پسندی کا ثبوت تھا' جس سے سجاح غیر شعوری طور متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

وہ دن آن پہنچا۔ جب ان دو جھوٹے نبیوں کی تاریخی ملاقات ہوئی تھی۔ پہلے مسیلمہ اپنے لشکر سے نکل کر خیمہ کے پاس آیا------ وہ نہایت اعلیٰ لباس میں ملبوس تھا۔ قیمتی جواہرات کی ایک مالا------ اس کے گلے میں پڑی تھی۔ اس کی چال میں تمکنت اور شاہانہ وقار تھا۔ خیمہ کے قریب پہنچا تو سجاح بنت حارثہ کے سردار اعلیٰ نے جو خیمے کے دروازے پر موجود تھا۔ اسے جھک کر سلام کیا۔ مسیلمہ نے مسکرا کر جواب دیا اور خود کو بلا عذر تلاشی کے لئے پیش کر دیا۔ ملاقات کے سلسلے میں یہ شرط بھی رکھی گئی تھی کہ مسیلمہ اور سجاح کو خیمہ میں داخل ہونے سے پہلے تلاسی دینا ہو گی تاکہ ان کے غیر مسلح ہونے کا یقین ہو جائے۔ سجاح کے سردار اعلیٰ نے ادب کے ساتھ مسیلمہ کی تلاشی لی اور پھر پیچھے ہٹ کر اسے اندر جانے کا راستہ دے دیا۔ اب سجاح اپنے خیمہ سے برآمد ہوئی۔ وہ سر سے پیر تک شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ ایک تو اس کا قدرتی حسن اس پر بہترین تراش کے زیور اور لباس۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ انسانی پیکر میں کوئی پری ہے جو گل گشت کے لئے نکلی ہے۔ سجاح کے لشکری اپنے نبی کی خوبصورتی دیکھ کر مبہوت ہوئے جا رہے تھے۔ سجاح باوقار قدموں کے ساتھ خیمے کی طرف چلی۔ اس کے ساتھ اس کی کنیز لیلیٰ تھی، لیلیٰ نے چند قدم سجاح کا ساتھ دیا مگر پھر سجاح کے اشارہ پر رک گئی اور واپس ہونے سے پہلے اس نے سجاح کے کان میں آہستہ سے کہا۔ "دوسرے نیفے کا خیال رکھنا۔"

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب لیلیٰ نے سجاح کو لباس پہنایا تو اس نے دوہرا نیفہ لگایا اور نیچے کے نیفہ میں ایک باریک خنجر اس طرح رکھا کہ دیکھنے میں نظر نہ آئے اور اگر تلاشی ہو تو بھی اس کا پتہ نہ لگے۔ سجاح قدم قدم پر فتنے جگاتی اور قیامت برپا کرتی خیمہ تک پہنچ گئی۔ وہاں اس وقت مسیلمہ کذاب کا سالار لشکر تلاشی لینے کے لئے موجود تھا۔ سجاح کے قریب جانے سے پہلے وہ جھک کر تعظیم بجا لایا۔ سجاح نے مسکرا کر سر کو ذرا جنبش دی۔ پھر سجاح نے دیکھا کہ مسیلمہ کے سردار کا تلاشی کے لئے بڑھا ہوا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ ہی نہیں بلکہ تمام جسم مرتعش تھا۔ بھلا اس حسن کی دیوی سے آنکھ ملانے یا اس کے جسم کو ہاتھ لگانے کی جرات

ون کر سکتا تھا۔ سجاح نے ایک لمحہ تلاشی کا انتظار کیا مگر سردار تو اپنے ہوش و حواس ھو چکا تھا۔ وہ بار بار سر کو جھٹکا دے کر اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتا جیسے وہ اس پر قابو پانا چاہتا ہے۔ اسی دوران سجاح مسکراتی ہوئی بغیر تلاشی کے اس مرحلہ سے گزرے، خیمے میں داخل ہوئی اور مسیلمہ کا سالار لشکر بت بنا سجاح کو دیکھتا ہی رہ لیا۔

سجاح بنت حارثہ خیمے میں داخل ہوئی تو مسیلمہ کذاب کا سالار لشکر بھی خیمے سے یک ہزار گز دور چلا گیا۔ دونوں لشکر بھی اتنے ہی فاصلے پر موجود تھے۔ ان کی کیفیت تھی کہ جیسے وہ حالت جنگ میں ہوں۔ تیر اندازوں کے تیر کمانوں میں جڑے ہوئے تھے اور شمشیر زنوں نے تلواریں بے نیام کر لی تھیں تاکہ کسی ناخوشگوار واقعہ کی صورت میں وہ فوراً" حرکت میں آ جائیں۔ ان کی نظریں میدان میں استادہ خیمہ پر لگی ہوئی تھیں جہاں جنگ و صلح کا فیصلہ کیا جا رہا تھا۔ خیمے کے اندر دو شیطانی روحیں موجود تھیں، جن کا نصب العین اور مقصد ایک تھا۔ دونوں نبوت کے جھوٹے دعویدار تھے۔ دونوں ہی اسلام کے دشمن تھے۔ انہیں اپنی مادی طاقت اور نفری پر غرور تھا۔

ان میں یہ فیصلہ ہونا تھا کہ دونوں میں سے بڑا جھوٹا کون ہے۔ ان دونوں شیطانی طاقتوں میں کیا گفتگو ہوئی اس کا کسی کو علم نہیں۔ تمام تاریخیں اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ اس لئے کہ دور دور تک کوئی انسان موجود نہ تھا۔ یہاں تک کہ اگر خیمہ کے اندر کوئی شور بھی مچاتا تو اس کی آواز باہر والوں کو سنائی نہ دیتی۔ اندر جو کچھ بھی باتیں ہوئیں، ان کے بارے میں قیاس اور اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے۔ خیال یہی ہے کہ سجاح بنت حارثہ نے اپنے حسن و جمال کے تیروں سے مسیلمہ کے دل کو چھلنی کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ اس نے عشوے و غمزے کے جال پھیلائے ہوں گے اور اپنے آتشیں بدن کی گرمی سے مسیلمہ جیسے گرگ باراں کو موم کرنے کے طریقے اختیار کئے ہوں گے۔ سجاح نے ہر وہ ترکیب اور چال چلی ہو گی جو عورت کے اختیار میں ہوتی ہے۔ مسیلمہ کذاب مردانہ وجاہت سے خالی تھا۔ اس لئے اس نے اپنی مدافعت میں یقیناً" عقل و خرد کی ڈھال استعمال کی ہو گی۔ گویا یہ حسن اور عقل کی ایک ایسی جنگ

تھی جس میں دونوں حریفوں نے پورا زور صرف کیا ہو گا۔ یہ ہنگامہ' یہ جنگ یا یہ گفتگو کتنے عرصے جاری رہی اس بات میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ یہ گفتگو چند گھنٹوں میں اختتام پذیر ہو گئی۔ لیکن بعض کہتے ہیں اس کی طوالت کئی دنوں اور کئی راتوں پر محیط ہے۔ بہرحال اس ملاقات میں کتنا ہی وقت صرف ہوا ہو اس کا اختتام تو ہونا ہی تھا اور فیصلہ لازمی تھا چنانچہ ملاقات ختم ہوئی اور فیصلہ ہو گیا۔ ایک عجیب فیصلہ جو کسی کے تصور میں بھی نہ تھا۔

مسیلمہ کذاب اور سجاح بنت حارثہ دونوں ایک ساتھ خیمہ سے باہر آئے۔ انہیں دیکھتے ہی دونوں لشکروں کے سردار اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ان کے پاس پہنچ گئے۔ مسیلمہ کا چہرہ اترا ہوا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسے کوئی تکلیف ہے یا کسی جگہ کوئی درد ہو رہا ہے۔ سرداروں کی تیز نظروں نے جلد یہ پتہ لگا لیا کہ مسیلمہ کے کان کے نیچے ایک زخم ہے جس پر خون جما ہا ہے۔ یہ زخم کب اور کیسے لگا اس کا حال بھی کوئی نہ جان سکا۔ سوائے سجاح بنت حارثہ یا اس کی رازدار کنیز لیلیٰ کے' جس نے دوہرے نیفے میں باریک خنجر پوشیدہ طور پر رکھ دیا تھا۔ مگر اس وقت سجاح بنت حارثہ کے چہرے پر بھی بشاشت کے بجائے پھیکا پن تھا۔ وہ کھوئی کھوئی سی اور مضمحل تھی۔ تمام بڑے بڑے سردار ان کے قریب آ چکے تھے اور ان کا فیصلہ سننے کے لئے بے تاب تھے۔

آخر مسیلمہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے فیصلہ کا اعلان کیا۔ "میرے سچے پیروکارو! میں تصدیق کرتا ہوں اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ سجاح بنت حارثہ بھی میری طرح سچی نبیہ ہے۔"

اس اعلان سے سجاح بنت حارثہ کے چہرے پر کچھ رونق آ گئی۔ اس نے اپنے حواس مجتمع کئے اور مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اپنے سرداروں کو مخاطب کیا۔ "سجاح بنت حارثہ کے سچے پرستارو! تمہاری نبیہ تصدیق کرتی ہے اور شہادت دیتی ہے کہ مسیلمہ بن حبیب بھی میری طرح سچا نبی ہے۔"

سجاح کے اعلان کے فوراً بعد مسیلمہ بولا۔ "اب میں ایک ضروری اعلان کرتا

ہوں۔ وہ یہ کہ ہم دونوں نے نبوت کو آپس میں تقسیم کر لیا ہے مگر ہماری طاقت تقسیم نہ ہو گی۔ آج سے دونوں لشکر ایک کئے جاتے ہیں۔ کیوں کہ مسیلمہ اور سجاح نے شادی کر کے ایک ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

اس فیصلے سے لشکریوں میں جیسے خوشیاں بکھر گئیں۔ ہر ایک مسرور اور مطمئن تھا۔ سجاح کے لشکریوں نے آگے بڑھ کر' مسیلمہ کے جوانوں کو گلے لگا لیا۔ کمانوں سے تیر نکال لئے گئے اور تلواریں نیام میں واپس ہو گئیں۔ ہر طرف خوشیاں منائی جانے لگیں۔ یمامہ میں قصر و حرم والوں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ مبارک باد دینے میدان میں آ گئے اور میدان جنگ میں جشن جیسا سماں ہو گیا۔

سجاح کی کنیزیں اسے خیمہ میں واپس لے گئیں۔ وہ سب بھی اس فیصلہ سے بہت خوش تھیں۔ مسیلمہ کذاب بدصورت ضرور تھا مگر وہ عقل مند' بہادر اور ایک بڑی طاقت کا مالک تھا۔ سجاح کو یہ سودا گھاٹے میں نہ پڑا مگر میدان کے بڑے خیمے میں اس پر جو گزری تھی اس سے وہ کچھ مژدہ اور اداس تھی۔ کنیزیں اسے چھیڑتیں تو وہ جھینپ جاتی۔ شادی کے فیصلہ سے وہ خوش ضرور تھی۔ مگر شاید ذاتی وقار کی یہ قربانی اسے پسند نہ آئی تھی۔ بہرحال اس نے رسمی شادی کی تیاریوں میں پوری دلچسپی کا اظہار کیا۔ دونوں طرف زبردست انتظامات کئے گئے۔ نہ ادھر کسی بات کی کمی تھی اور نہ ادھر۔ ہر چیز موجود اور تیار تھی۔ دوسرے دن بڑی دھوم دھام سے مسیلمہ کی بارات آئی۔ قبائلی طرز سے ان کا نکاح ہوا۔ چونکہ دونوں نبوت کے دعویدار تھے اس لئے انہیں کسی مذہبی پابندی کی ضرورت نہ تھی' ان کا مرتبہ انسانوں سے بلند تھا۔ سجاح رخصت ہو کر یمامہ میں مسیلمہ کے شاہی حرم میں پہنچا دی گئی۔ اس کے حرم میں بارہ سو عورتیں پہلے ہی موجود تھیں۔ ان میں سجاح کا ایک اور اضافہ ہو گیا۔ حرم کی کنیزیں ان بیگمات کے علاوہ تھیں۔ یہ کنیزیں دن بھر کام کرتیں مگر' رات ہوتے ہی انہیں بیگمات کا درجہ خود بخود مل جاتا۔ مسیلمہ نے سجاح بنت حارثہ کو حرم سرا میں سب سے بلند مقام عطا کیا اور تمام بیگمات کو اس کے تابع کر دیا۔

دونوں طرف ے لشکریوں نے کئی دن تک خوب جشن منایا۔ سجاح بنت حارثہ کا

لشکر مسیلمہ کے لشکر میں ضم کر دیا گیا۔ اس سے مسیلمہ کے لشکر میں کچھ اضافہ ضرور ہوا۔ مگر دور دراز کے وہ فوجی جو محض سجاح کی خاطر اس کے ساتھ یہاں تک آئے تھے وہ یمامہ میں نہ ٹھہرے اور اپنے اپنے شہروں کو واپس ہو گئے۔ سجاح اور مسیلمہ کی شادی کی خبر دور دور تک پھیل گئی۔ مالک بن نویرہ کو جب یہ خبر پہنچی تو اسے بڑا افسوس ہوا۔ اسے امید تھی اور سجاح نے وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ واپسی پر مالک سے شادی کرے گی۔ مگر یہ وہ آرزو دل ہی میں لئے خالدؓ بن ولید کے لشکریوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

سجاح بنت حارثہ حرم سرا حدیقہ الرحمان میں تھی۔ یہاں اسے ہر طرح کا آرام تھا کیونکہ وہ مسیلمہ کی سب سے چہیتی بیوی تھی۔ مگر سجاح کو یہ شادی راس نہ آئی۔ ابھی وہ ایام عسل (HONEY MOON) ہی میں تھی کہ مسیلمہ کو مسلمان لشکر کی مدینہ سے روانگی کی اطلاع ملی۔ خلیفہ اول نے اسلامی لشکر کو گیارہ حصوں میں تقسیم کر کے ان کے الگ الگ سردار مقرر کئے اور انہیں مرتدین اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے خاتمے کے لئے روانہ کیا تھا۔ اس میں ایک دستے کے سردار عکرمہؓ بن ابی جہل تھے۔ انہیں حکم ہوا کہ وہ مسیلمہ کذاب کی نبوت کا خاتمہ کر کے قبیلہ بنی حذیفہ کے مرتدین کو تہہ تیغ کریں چنانچہ عکرمہؓ فوجی دستے کے ساتھ شوق شہادت دل میں لئے اسلام کے سب سے زیادہ خطرناک دشمن کو زیر کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو مسیلمہ کذاب کی طاقت کا انداہ تھا اس لئے انہوں نے عکرمہؓ بن ابی جہل کو حکم دیا کہ راستے میں مرتدین کا خاتمہ کرتے ہوئے وہ یمامہ کے قریب جا کر ٹھہر جائیں اور شرجیلؓ بن حسنہ کے دستے کا انتظار کریں جنہیں دوسری طرف سے ان کے پاس روانہ کیا جا رہا ہے اور جب شرجیلؓ بن حسنہ آ جائیں تو پھر دونوں مل کر مسیلمہ کذاب پر حملہ آور ہوں تاکہ آسانی سے فتح حاصل ہو سکے۔ عکرمہؓ بن ابی جہل کی مدینے سے روانگی کی خبر مرتدین کو بھی ہو گئی تھی اور انہوں نے یہ خبر مسیلمہ تک پہنچا دی۔ مسیلمہ نے خبر پاتے ہی اپنا لشکر اکٹھا کرنا شروع کیا۔ اس کا پانچ

ہزار کا لشکر سجاح بنت حارثہ کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا لیکن اس کی کو سجاح کے لشکر نے پورا کر دیا تھا بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ مسیلمہ نے اس موقع پر ایک اور مکارانہ چال چلی۔ اس نے تمام گمراہ اور مرتد قبائل کو پیغامات بھیجے کہ وہ سب اس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو جائیں اور مسلمانوں کو شکست دیں کیونکہ اگر وہ منتشر رہے تو مسلمان ایک ایک کر کے انہیں ختم کر دیں گے۔ اس کے اس پیغام کا خاصا اثر ہوا اور مرتدین گروہ در گروہ دور دور سے آ آ کر اس کے لشکر میں شامل ہونے لگے۔ اس طرح مسیلمہ کذاب کے پاس چالیس ہزار سے زائد مرتدین اور مشرکین کا لشکر ہو گیا۔

مسیلمہ کو پہلے تو مسلمانوں کی آمد کی خبر سے خوف ہوا مگر جب اس کا لشکر چالیس ہزار سے زیادہ ہو گیا تو حوصلہ بڑھ گیا۔ اسے یقین تھا کہ مسلمان اتنا بڑا لشکر اس کے مقابلے پر نہ لا سکیں گے اور یہ ٹھیک بھی تھا کیونکہ مسلمانوں کا لشکر تو گیارہ حصوں میں بٹ چکا تھا اور وہ بیک وقت گیارہ مقامات کو' مرتدین کی سرکوبی کے لئے الگ الگ روانہ ہو چکے تھے۔ صرف مسیلمہ کذاب کی عظیم طاقت کے پیش نظر حضرت صدیق اکبرؓ نے آگے پیچھے دو دستے روانہ کئے تھے جن میں پہلا دستہ عکرمہؓ بن ابی جہل کے زیر کمان تھا۔ عکرمہؓ بن ابی جہل خلیفہ کے حکم کے مطابق یمامہ کے راستے میں آنے والے مرتد قبائل کا قلع قمع کرتے ہوئے آگے بڑھے انہیں صرف چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ وہ جہاں پہنچتے تھوڑی مزاحمت کے بعد مرتدین پھر اسلام اور نبی المرسلین پر ایمان لے آتے۔ عکرمہؓ کا دستہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا یمامہ کے قریب پہنچ گیا۔ مسیلمہ پہلے ہی تیار تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ عکرمہؓ بن ابی جہل کے پاس صرف پانچ چھ ہزار فوج ہے تو اسے اطمینان ہوا اور اپنی نصف فوج لے کر آگے بڑھا۔ عکرمہؓ کو معلوم ہوا کہ مسیلمہ کذاب ان کے مقابلے کے لئے خود آگے بڑھ کر آ گیا ہے اور پڑاؤ ڈالے ان کا انتظار کر رہا ہے تو انہوں نے ایک رات مجلس شوریٰ بلائی تاکہ کوئی متفقہ فیصلہ کیا جا سکے۔

عکرمہؓ کے حکم کے تحت تمام اکابرین فوج اور چھوٹے سردار ان کے خیمے میں

اکٹھے ہو گئے تو سب سے پہلے خود عکرمہؓ نے اٹھ کر کہا۔

"آپ اصحاب کو اس لئے زحمت دی گئی ہے کہ آج ہم سب مل کر مسیلمہ کذاب سے جنگ کا فیصلہ کریں۔"

ایک بزرگ صحابیؓ نے کھڑے ہو کر پوچھا۔ "عکرمہؓ اسلامی دستے کے آپ سردار ہیں' فیصلہ ہم کریں گے۔"

عکرمہؓ بن ابی جہل بولے۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ جب ہمیں خبر ملی ہے کہ مسیلمہ اپنے مستقر یمامہ سے آگے آگیا ہے اور لشکر لئے ہماری آمد کا منتظر ہے۔ ان حالات میں ہمارا یہاں پڑے رہنا کیا مناسب ہے؟"

اصحابؓ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو انہوں نے پھر پوچھا۔ "سردار فوج! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

آخر عکرمہؓ بن ابی جہل نے ایک مختصر تقریر کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ ہمیں یہاں ٹھہرنے کی بجائے آگے بڑھ کر مسیلمہ پر حملہ کرنا چاہئے تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ مسلمان اس سے ڈر گئے ہیں اور ان میں آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہے۔

عکرمہؓ بن ابی جہل کا خیال تھا کہ ان کی تقریر سے مسلمانوں میں جوش پیدا ہو گا اور آگے بڑھ کر مسیلمہؓ کا خاتمہ کر دیں گے مگر ان کی تقریر کا کچھ الٹا ہی اثر ہوا۔ خصوصاً" ان صحابہ کرامؓ کو عکرمہؓ کی بات زیادہ ہی ناگوار گزری جن کی عمریں پینتیس سال سے زیادہ تھیں۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر وہی صحابیؓ کھڑے ہوئے اور ذرا تند لہجہ میں بولے۔ "عکرمہؓ! آپ ہمارے سردار ہیں۔ آپ جو حکم دیں گے ہم بجا لائیں گے مگر آپ یہ نہ بھولئے کہ مدینے سے چلتے وقت صدیق اکبرؓ نے بھی آپ کو ایک حکم دیا تھا۔"

عکرمہ جلدی سے بولے۔ "میں خلیفہؓ کے حکم کے خلاف جانے کا تو تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اس وقت ایسے حالات نہ تھے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ مسیلمہ آگے بڑھ کر ہمیں للکار رہا ہے۔ اگر ہم آگے نہیں بڑھیں گے تو وہ خود آگے آ کر حملہ کر دے گا۔ کیا اسے اس کا موقع دینا عقلمندی ہو گا؟"

ایک دوسرے صحابیؓ کو جوش آگیا۔ انہوں نے کڑک کر کہا۔ "عکرمہؓ! آپ نے اگر قدم آگے بڑھائے تو یہ خلیفہ کی حکم عدولی ہو گی۔ آپ کو شرجیلؓ بن حسنہ کے دستے کا انتظار کرنے کا حکم دیا گیا ہے' ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہئے۔"

جوان خون یوں بھی گرم ہوتا ہے پھر ان نوجوانوں کے خون کا کیا کہنا جو جہاد کرنے نکلے ہوں۔ بزرگوں اور سن رسیدہ لوگوں کا خیال تھا کہ عکرمہؓ بن ابی جہل کو شرجیلؓ بن حسنہ کا انتظار کرنا چاہئے مگر نوجوانوں نے اس کی مخالفت کی اور عکرمہ سے اتفاق کیا۔ جو آگے بڑھ کر مسیلمہ سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتے تھے۔ ان کی نیت نیک تھی کیونکہ اس وقت مسلمانوں میں شوق شہادت اتنا زیادہ تھا کہ وہ پہاڑ سے بھی ٹکرانے کے لئے تیار تھے۔ یہی شوق شہادت تھا جس سے عکرمہؓ بن ابی جہل کو آگے جا کر مسیلمہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر دیا ورنہ مسیلمہ کے بیس ہزار کے لشکر سے' اپنی چوتھائی فوج کے ٹکرانے کا فیصلہ کسی طور پر بھی درست نہیں کہا جا سکتا تھا۔

مجلس برخاست ہونے کے بعد بعض صحابیوںؓ نے دبی زبان سے عکرمہؓ بن ابی جہل کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کا وہ حکم یاد دلایا جس میں کہا گیا تھا کہ مسیلمہ کذاب پر دونوں دستے مل کر حملہ کریں گے۔ مگر عکرمہؓ پر ان کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔ عکرمہ یا تو فوج کے نوجوانوں کے زیر اثر آ گئے یا پھر وہ مسیلمہ کذاب پر حملہ کر کے یمامہ کی فتح کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہتے تھے۔ بہرحال مجلس میں اکثریت نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اکثریت نہ بھی فیصلہ کرتی تو سردار فوج کو حق حاصل ہوتا تھا کہ وہ جنگ کے میدان میں حالات کے تحت اپنی مرضی کے مطابق قدم اٹھا سکتا ہے۔ اس فیصلے میں عکرمہؓ بن ابی جہل کی مرضی کو زیادہ دخل تھا۔ انہوں نے ماتحت سرداروں کو ضروری ہدایات جاری کیں اور اپنے دستے کو اس ترتیب سے آگے روانہ کیا جس سے اس کی تعداد دو تین گنی زیادہ معلوم ہوتی تھی مگر مسیلمہ نہایت مکار اور چالاک تھا۔ اسے عکرمہؓ کے دستے کی صحیح تعداد معلوم ہو چکی تھی۔ مسیلمہ کذاب کو تو مدینے سے روانہ ہونے والے ہر دستے کی تعداد کا علم تھا۔ کیونکہ مدینے میں مرتدین اور منافقین کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی جو درپردہ دشمنان اسلام کو مدینے کی تمام خبریں

پہنچایا کرتی تھی۔

عکرمہؓ کو زیادہ فاصلہ طے نہ کرنا پڑا کہ ان کا سامنا مسیلمہ کے لشکر سے ہو گیا۔ مسلمان جس طرح جوش جہاد سے سرشار تھے اسی طرح مسیلمہ بھی اپنی مکاری اور اپنی تمام شیطانی قوت کے ساتھ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کا مسلمانوں سے پہلا مقابلہ ہے اور یہی اس کی جھوٹی نبوت کا بھی فیصلہ کرے گا۔ مسیلمہ ایک تو اپنی حدود کے قریب تھا اس لئے اسے بروقت کمک مل سکتی تھی اور دفاعی جنگ کے بھی اسے بہتر مواقع حاصل تھے۔ اس کے باوجود جب عکرمہؓ اپنے دستے کے ساتھ اس کے مقابلے میں آ کر خیمہ زن ہوئے اور رات بھر آرام کے بعد صبح کو لڑائی کا فیصلہ کیا تو بھی مسیلمہ کو ہمت نہ پڑی کہ ان کے دستے کو گھیرتا یا ان پر شب خون مارتا۔ اسے خوش قسمتی کہنا چاہئے کہ عکرمہؓ کا دستہ رات کو محفوظ رہا ورنہ عکرمہؓ کا یہ فیصلہ کسی طرح درست نہ تھا کہ وہ اتنے مختصر دستے کے ساتھ مسیلمہ کے سامنے آ کر ٹھہرتے اور اطمینان سے رات گزارتے۔ یہ رات ان صحابیوںؓ پر بہت گراں گزری جو مسیلمہ سے تنہا مقابلے کے خلاف تھے۔ انہوں نے رات کو بھی امیر لشکر عکرمہؓ کو ہر طرح سے باز رکھنے کی کوشش کی اور یہ مشورہ پیش کیا کہ مسیلمہ کو گفت و شنید میں اس وقت تک الجھا کر رکھا جائے جب تک شرجیلؓ کا دستہ نہیں آ جاتا۔ مگر عکرمہؓ اپنی بات پر اڑے رہے اور ان پر کسی بات کا اثر نہ ہوا۔

صبح ہو گئی۔ وہ صبح ایک منحوس صبح تھی۔ ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آج سورج بھی اداس ہے اور دھند میں اپنا چہرہ چھپا رہا ہے۔ اس عالم میں دونوں طرف کے لشکر آراستہ ہوئے۔ صفیں درست کی گئیں۔ عکرمہؓ بن ابی جہل نے بڑے قرینے اور سلیقے سے اپنے مختصر دستے کو اس طرح پھیلایا کہ ان کی تعداد زیادہ معلوم ہونے لگی۔ جب دونوں طرف کے لشکر ہر طرح سے تیار ہو گئے تو اسلامی طریقہ اور خلیفہ اول کے حکم کے تحت حجت پوری کرنے کے واسطے دو سردار سفید علم لے کر اسلامی فوج سے نکلے اور مسیلمہ کے لشکر کی طرف چلے۔

مسیلمہ اس وقت خود قلب فوج میں موجود تھا۔ اس نے سفید علم کے ساتھ دو

سواروں کو آتے دیکھا تو حکم دیا کہ لشکر میں بھی سفید علم بلند کر دیئے جائیں اور آنے والوں کو اس کے خیمے میں بھیجا جائے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے شاندار خیمے میں واپس چلا گیا۔ مسلمان سردار جب مسیلمہ کے لشکر میں پہنچے تو انہیں راستہ دے دیا گیا اور بحفاظت مسیلمہ کے خیمے تک لایا گیا۔ مسیلمہ کے خیمے کے پردے اٹھے ہوئے تھے اور مسلح پہرہ دار کھڑے تھے مگر کسی نے مسلمانوں کو نہ روکا اور دونوں خیمے میں داخل ہو گئے۔ خیمے کے اندر مسیلمہ کے تمام بڑے بڑے سردار اس کے گرد حلقہ باندھے کھڑے تھے اور خود مسیلمہ ایک چادر لپیٹے ان کے درمیان قالین کے فرش پر آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے علاوہ اس کا جسم بھی اسی طرح کانپ رہا تھا جیسے کسی کو سخت سردی لگ رہی ہو۔ پھر اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا اور اس کا بدن تیزی سے کپکپانے لگا۔ ان دو سفارت کاروں میں سے ایک صحابی رسول تھے اور انہوں نے حضور اکرمؐ پر وحی نازل ہونے کی کیفیت ایک بار خود اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ بہروپیا حضور اکرمؐ کی نقل کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔ انہیں غصہ بھی آیا اور دل میں ہنسی بھی آئی' مگر چونکہ وہ سفارت پر بھیجے گے تھے اس لئے انہوں نے ضبط سے کام لیا اور اس وقت تک خاموش رہے جب تک اس جھوٹے نبی نے اپنے اوپر وحی کی جھوٹی کیفیت طاری کئے رکھی۔ تھوڑی دیر بعد اس مکار نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھیں کبوتر کی آنکھوں کی طرح سرخ تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ شدید تکلیف سے دوچار ہے۔ اس کے آنکھیں کھولتے ہی' ایک سردار نے آگے بڑھ کر ادب سے سوال کیا۔

"اے پاک نبی! جبرائیلؑ امین کیا پیغام لائے ہیں؟"

اس گستاخ جملہ پر صحابی رسول کو جوش آ گیا اور اس کا ہاتھ فوراً قبضہ شمشیر پر گیا۔ مگر دوسرے مسلمان سردار نے ان کا ہاتھ آہستہ سے پکڑ لیا اور صبر کا اشارہ کیا کیونکہ یہ بات اصول سفارت کے خلاف تھی۔ مسیلمہ کذاب نے نظریں اٹھائیں تو مسلمانوں کو اپنے سامنے دیکھا جو اسے دیکھ کر اس طرح مسکرا رہے تھے جیسے اس کی نبوت کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ پھر اس نے اپنے پیروکاروں پر نظر دوڑائی جو حضرت

جبرائیلؑ کے لائے ہوئے پیغام کو سننے کے لئے بے چین نظر آ رہے تھے۔

مکار مسیلمہ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور انتہائی مقفی اور مسجع عربی میں کہا۔ "پیغام خداوندی ہے (نعوذ باللہ) کہ فتح اس فرقہ کی ہو گی جس میں نبی موجود ہے اور شکست بے نبی کے اسلام پرستوں کا مقدر ہو گی۔"

یہ سنتے ہی مسیلمہ کے پیروکاروں کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے اور وہ ایک دوسرے سے گلے مل کر فتح کی مبارک باد دینے لگے۔ دونوں مسلمان سفارت کار مسیلمہ کی اس مکاری اور بہروپیے پن پر دل ہی دل میں پیچ تاب کھا رہے تھے مگر انہیں بہرحال صبر سے کام لینا تھا۔

جب مبارک باد کا شور و غل ختم ہوا اور ذرا خاموشی ہوئی تو مسیلمہ نے مسلمان سفارت کاروں کو حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسلام۔ پرستو۔ بنو حنیفہ کے نبیؐ وقت سے کیا چاہتے ہو؟

صحابیؓ رسولؐ نے فوراً" جواب دیا۔ "اے مسیلمہ! مسلمان تمہیں اسلام کا پیغام دیتے ہیں۔ اس جھوٹی نبوت سے توبہ کر کے اسلام پر ایمان لے آؤ۔ تمہیں دونوں جہاں کی نعمتیں مل جائیں گی۔"

مسیلمہ کذاب نے ایک زور کا قہقہہ لگایا۔ اس قہقہہ میں نفرت' حقارت' غرور اور درندگی کی گونج تھی۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا اور تیز آواز میں بولا۔ " جاؤ۔ عکرمہؓ بن ابی جہل سے کہہ دو کہ جس مسیلمہ کو (خاکم بدہن) تمہارا نبی شکست نہ دے سکا اس کا مقابلہ تم کیوں کر کر سکو گے۔ مال و دولت اور جتنی کنیزیں چاہو لے جاؤ مگر جنگ سے باز آ جاؤ' ورنہ پھر مدینہ جانے کا راستہ بھی نہ ملے گا۔"

صحابیؓ رسول نے اس گستاخی کو بھی نہایت تحمل سے برداشت کیا اور کہا۔ "مسیلمہ ہماری حجت تمام ہوئی۔ اب فیصلہ میدان جنگ میں ہی ہو گا۔" یہ کہتے ہوئے دونوں سفارت کار خیمہ کے باہر آئے' جہاں سے انہوں نے اپنا سفید علم جسے وہ خیمہ میں جانے سے پیشتر زمین میں گاڑ گئے تھے' اکھاڑا اور مسیلمہ کی صفوں سے گزرتے ہوئے اپنے دستہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

حجت تمام ہو چکی تھی۔ دونوں طرف جنگی نقارے پر چوٹ پڑی جو اس بات کا اعلان تھا کہ صلح کی بات چیت ناکام ہو گئی ہے اور فیصلہ جنگ سے ہو گا۔ دونوں لشکروں میں حرکت پیدا ہوئی۔ سواروں نے گھوڑوں کی راسیں ڈھیلی کر دیں۔ تیر کمانوں سے چھوٹ کر سائبان بناتے ہوئے فضا میں لہرانے لگے۔ تلواریں بے نیام ہو گئیں اور پھر فاصلے سمٹتے سمٹتے ختم ہو گئے اور تلواریں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ مسلمانوں کا پہلا حملہ اتنا شدید تھا کہ مسیلمہ کا لشکر کائی کی طرح پھٹ گیا اور مسلمان دور تک اندر گھستے چلے گئے اور صدہا مرتدین کے لاشے زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر جس طرف رخ کرتے مرتدین کی صفیں الٹ جاتیں——

مسیلمہ قلب فوج میں موجود تھا اور خود کمان کر رہا تھا۔ وہ جس طرف دیکھتا کہ مسلمانوں کا زیادہ دباؤ پڑ رہا ہے اس طرف ہزار پانچ سو کا دستہ بھیج کر مسلمانوں کا زور کم کرا دیتا۔ اس طرح اس کے آدمی تو کام آجاتے مگر مسلمان مجبور ہو کر پھر کوئی کمزور گوشہ دیکھتے اور اس طرف حملہ آور ہوتے۔ ان کی تمام کوششیں یہی تھیں کہ وہ کسی طرح مسیلمہ کے قریب پہنچ جائیں مگر مسیلمہ کے سامنے لشکریوں کی ایک دیوار پہاڑ کے مانند کھڑی تھی جسے توڑنا یا پار کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ وہ بار بار حملہ کرتے۔ اس پہاڑ سے ٹکراتے مگر کوئی زور نہ چلتا۔ دن چڑھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جنگ میں تیزی آتی جا رہی تھی—— مسلمانوں نے دوپہر تک تین بار سخت حملہ کیا مگر وہ نہ تو مسیلمہ کے گرد لشکر کے حصار کو توڑ سکے اور نہ مرتدین کے قدم اکھاڑ سکے۔

مرتدین اور مسلمانوں کی یہ لڑائی حدود یمامہ سے کچھ ہی آگے ہو رہی تھی۔ اس لئے جنگ کی دم دم کی خبریں تیز رفتار قاصد کے ذریعہ یمامہ میں پہنچ رہی تھیں۔ یمامہ والوں کو ہر چند اپنی فتح کا یقین تھا کیونکہ جھوٹی وحی میں فتح کی نوید ان تک پہنچا دی گئی تھی مگر سجاح بنت حارثہ کو اس نوید اور وحی پر یقین نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ جھوٹی نبیہ تھی اور جانتی تھی کہ مسیلمہ نے لشکر کے حوصلے بلند کر رکھنے کے لئے وحی کا ڈھونگ رچایا ہے۔ جب دوپہر تک جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو وہ بہت پریشان ہو

گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر مسیلمہ کو شکست ہوئی یا وہ مارا گیا تو اس کا پورا الزام اسی پر آئے گا کیونکہ یمامہ والوں نے اسے نبیہ تو ایک طرف مسیلمہ کی بیوی بھی دل سے نہ مانا تھا۔ مسیلمہ کی کتنی ہی بیویاں تھیں مگر بنو حنیفہ کے تمام لوگ اس کی صرف ایک بیوی کی حیثیت سے عزت کرتے تھے اور وہ تھی بنو حنیفہ کے ایک نامی سردار کی بیٹی طماری۔ طماری کو مسیلمہ کی تمام بیگمات پر ـــــ افضلیت حاصل تھی۔ لیکن جب مسیلمہ نے سجاح سے شادی کے بعد اسے طماری کا مرتبہ دے دیا تو قدرتی طور پر اسے اس کا صدمہ ہوا اور وہ بھی سجاح کی سخت مخالف ہو گئی۔ چونکہ طماری قبیلہ بنو حنیفہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اس لئے بنو حنیفہ کے بعض اہم سردار بھی سجاح کے مخالف ہو گئے اور درپردہ طماری سے ہمدردی کرنے لگے۔

مسیلمہ کی وجہ سے وہ کھلم کھلا تو مخالفت نہ کر سکے مگر دل سے وہ سجاح کو پسند نہ کرتے تھے۔ انہوں نے یہ پروپیگنڈہ بھی کر دیا تھا کہ سجاح منحوس ہے جبھی تو اس کے آتے ہی یمامہ پر حملہ کرنے کے لئے مسلمان آ گئے ہیں۔ سجاح کو ان باتوں کا علم تھا۔ اس کی چالاک کنیزیں **حدیقتہ الرحمان** کے چپے چپے کی خبریں رکھتی تھیں۔ سجاح کو خود مسیلمہ سے بھی اس وقت شکایت پیدا ہوئی جب اس نے یمامہ سے روانگی کے وقت سجاح کے لشکر میں سے ایک سپاہی کو بھی اپنے لشکر میں شامل نہ کیا تھا۔ سجاح کو اس بات کا بہت رنج تھا کیوں کہ یہ چیز اس کے لشکریوں میں شکوک و شبہات پیدا کر سکتی تھی۔

ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے دماغ نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا۔ دوپہر ہوتے ہی اس نے اپنے آدمیوں میں سے تین ہزار چیدہ چیدہ جوانوں کا ایک دستہ تیار کیا اور حکم دیا کہ "فوراً" میدان جنگ کا رخ کرے اور وہاں پہنچ کر مسلمانوں پر پیچھے کی طرف سے حملہ آور ہو۔ اس دستے کی روانگی کے بعد وہ بھی' جلدی جلدی اپنے جسم پر ہتھیار لگا کر دو ہزار مزید سواروں کا ایک دستہ لے کر **حدیقتہ الرحمان** سے چل پڑی۔

میدان جنگ میں لڑائی بدستور جاری تھی۔ دوپہر گزر چکی تھی اور دن ڈھل رہا

تھا۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی مگر شہادت کے شوق میں وہ مسیلمہ کی پہاڑ جیسی مضبوط طاقت سے ٹکرا رہے تھے' وہ بڑھ بڑھ کر حملہ کرتے مگر ان کے حملے مرتدین کے قدم نہ اکھاڑ سکے۔ حملہ کرنے کے جوش میں مسلمانوں کی صفیں بے ترتیب اور درہم برہم ہو گئی تھیں۔ مسلمان پورے میدان میں پھیل کر لڑ رہے تھے اور ہر مسلمان' مرتدین کے غول میں اس طرح گھس جاتا جس طرح ایک بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ میں گھس کر قیامت مچا دیتا ہے۔ مسیلمہ اپنی تعداد کے بل بوتے پر میدان میں چٹان کی طرح جما ہوا تھا۔ یہی نہیں بلکہ دن ڈھلتے ہی اس نے اپنے دستے کو حکم دیا کہ مسلمان گھیرے میں لے لئے جائیں۔ عکرمہؓ بن ابی جہل نے مسیلمہ کے لشکر کی اس چال کو بھانپ لیا اور چاہا کہ پھر سے صفیں درست کر کے میمنہ اور میسرہ بنا کر لڑیں مگر مسیلمہ کے لشکر کا دباؤ اتنا بڑھا کہ عکرمہؓ لشکر ترتیب دینے میں ناکام رہے اور مسلمانوں کے گرد گھیرا تنگ ہونے لگا۔ پھر بھی مسلمان جس طرف گھومتے' مرتدین کا گھیرا ٹوٹ جاتا اور وہ بکھر کر چاروں طرف سے حملہ کر دیتے۔

یہی وہ وقت تھا جب سجاح بنت حارثہ کا بھیجا ہوا تین ہزار سواروں کا دستہ میدان میں پہنچا۔ اس نے مسلمانوں کو جنگ میں مصروف پایا تو ایک چکر لگا کر مسلمانوں کے خیموں کے پیچھے جا پہنچا اور پھر اتنا اچانک حملہ کیا کہ خیمہ کے محافظ سنبھل نہ پائے اور ایک ایک کر کے شہادت پانے لگے۔ سجاح کے دستے نے خیموں میں آگ لگا دی اور تمام سامان برباد کر دیا۔ میدان میں لڑتے ہوئے مسلمانوں نے جب خیموں سے دھواں اور شعلے بلند ہوتے دیکھے تو وہ گھبرا گئے۔ عکرمہؓ بن ابی جہل بھی اس غیر متوقع حملہ سے پریشان ہو گئے۔ ادھر مسیلمہ نے اور دباؤ ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان پسپا ہوتے ہوئے خیموں کے پاس آ گئے اور انہیں تازہ دم فوج سے بھی لڑنا پڑا۔ اب ایک طرف سے مسیلمہ کا لشکر بڑھ رہا تھا اور دوسری طرف سے سجاح کا دستہ حملہ کر رہا تھا مسلمانوں نے قدم جمانے کی بہت کوشش کی مگر وہ ٹھہر نہ سکے اور پسپا ہوتے ہوئے خیموں سے بھی بہت پیچھے آ گئے۔ اس طرح مسلمان دفاعی لڑائی لڑتے ہوئے میدان جنگ سے بہت دور تک پیچھے ہٹتے چلے گئے اور شکست کھا گئے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ

مسیلمہ نے ان کا پیچھا نہ کیا ورنہ شاید مسلمانوں کا یہ پورا دستہ تباہ ہو جاتا۔ دراصل مسیلمہ نے اسلام پرستوں کی شجاعت دیکھ لی تھی اس لئے اسے خطرہ تھا کہ اگر ان کا تعاقب کیا گیا تو ان کے نقصان کی بجائے خود اس کے لشکر کا زیادہ نقصان ہو گا۔

اس پسپائی اور شکست میں مسلمان شہداء کی تعداد زیادہ نہ تھی بلکہ مشکل سے سو تک پہنچی تھی۔ اس کے مقابلے میں مسیلمہ کے لشکر کا جانی نقصان کئی ہزار نفری کا تھا مگر مسیلمہ کذاب فتح یاب تھا۔ اس لئے اس نے جانی نقصان کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اسے فتح کی جس قدر بھی خوشی ہوتی وہ کم تھی۔ اپنے اور غیروں میں گرتے ہوئے اس کے وقار کو اس فتح سے زبردست سہارا مل گیا اور وہ مرتدین جو اس کی جھوٹی نبوت سے کچھ کچھ باغی ہو رہے تھے وہ پھر اس پر ایمان لے آئے اور مسیلمہ کذاب کے حامی اور مددگار ہو گئے۔ مسلمانوں کے پسپا ہوتے ہی اس نے ان سواروں کی تلاش کرائی جو اس کی مدد پر بن بلائے آ گئے تھے۔ مسیلمہ کو ان کے بغیر بھی فتح حاصل ہو جاتی مگر اس تازہ کمک نے اسے فتح سے جلد ہمکنار کر دیا۔ دریافت حال پر اسے معلوم ہوا کہ یہ تازہ کمک اس کی محبوب بیوی اور مدعیہ نبوت سجاح بنت حارثہ نے روانہ کی تھی۔ مسیلمہ یہ سن کر اور زیادہ خوش ہوا اور سجاح کی ذہانت کا اور زیادہ قائل ہو گیا۔

اس نے اس دستے کے سردار کو طلب کیا۔ دستہ کا سردار ایک عراقی نوجوان تھا جس کے چہرے سے شجاعت اور جواں مردی ظاہر ہوتی تھی۔ گفتگو کے دوران اس نوجوان نے بتایا کہ جب سجاح نے نبوت کا اعلان کیا تو اس پر سب سے پہلے ایمان لانے والا یہی تھا۔ ان دونوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ سجاح بنت حارثہ کے آنے کی خبر ملی جو بڑی تیزی سے دو ہزار مزید سواروں کی معیت میں مسیلمہ کی مدد کو آ رہی تھی۔ مسیلمہ کے دل میں سجاح کی قدر و منزلت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اس نے لشکر کو حکم دیا کہ سجاح بنت حارثہ کا شایان شان استقبال کیا جائے کیونکہ اس کی عقل مندی اور بروقت کمک نے اس جنگ میں نمایاں کام کیا ہے۔ مسیلمہ کی زبان سے یہاں تک نکل گیا کہ اس فتح کا سہرا دراصل سجاح کے دستے کے سر ہے۔ اس جملہ یا اعلان کا ردعمل مسیلمہ اس وقت تو محسوس نہ کر سکا مگر بعد میں جو حالات پیش آئے اس نے یہ

ثابت کر دیا کہ مسیلمہ کا سجاح کی طرف اتنا زیادہ جھکاؤ اس کے قبیلہ بنو حنیفہ والوں اور اس کے لشکریوں کو قطعی ناپسند ہے اور اس کے اس جملہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

مسیلمہ نے اپنے لشکر کو مسلمانوں کے تعاقب سے منع کر دیا اور حکم دیا کہ آج رات اس میدان میں ٹھہر کر ان کا انتظار کیا جائے اور اگر مسلمان واپس نہ آئیں تو لشکر صبح کو یمامہ واپس روانہ ہو جائے۔ مسیلمہ ان احکامات سے فارغ ہوا تھا کہ سجاح بنت حارثہ اپنے دستے کے آگے آگے گھوڑا بھگاتی مسیلمہ کے قریب پہنچ گی۔ مسیلمہ نے ذرا آگے بڑھ کر اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ اس استقبال میں مسیلمہ کا لشکر دل سے نہ سہی مگر اس کے حکم کے تحت' برابر کا شریک ہوا۔ مسیلمہ نے خود گھوڑے سے اتر کر سجاح کو گھوڑے سے اتارنے میں مدد دی اور جب وہ اتر آئی تو فرط خوشی یا فرط محبت سے مسیلمہ نے سجاح کو تمام لوگوں کے سامنے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ مسیلمہ کے دل میں اس کی عزت دوچند ہو گئی تھی اور وہ سجاح کے آگے پیچھے بچھا جا رہا تھا۔ سجاح نے بھی اس سے بڑی لگاوٹ اور دلداری کی باتیں کیں اور التفات اور محبت سے پیش آئی۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے مسیلمہ کے خیمے میں آئے۔ مسیلمہ نے ان لوگوں کو اپنے خیمہ میں بلوایا جو مسلمانوں کی پسپائی اور شکست کے چشم دید گواہ تھے۔

ان چشم دید گواہوں نے خوب نمک مرچ لگا کر اسلام پرستوں کی شکست کی تصویر کھینچی۔ حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ مسلمان پسپا ہو کر پیچھے ہٹ گئے تھے مگر ان گواہوں نے ایک ایک بات کو سو سو انداز سے اس تفصیل اور طریقے سے بیان کیا کہ ایک طویل داستان بن گئی۔ مسیلمہ کذاب' سجاح بنت حارثہ اور دیگر سردار جو اس خیمے میں موجود تھے۔ وہ مزے لے لے کر مسلمانوں کی پسپائی کے افسانے بلکہ داستانیں سنتے رہے۔

اس طرح جاگتے ہوئے آدھی رات سے زیادہ گزر گئی مگر مسیلمہ کے دل میں ایک چور تھا' ایک دھڑکا تھا جو اسے چین نہ لینے دیتا تھا۔ اس نے سخت پہرے کا حکم دے رکھا تھا کیونکہ اسے مسلمانوں کے شب خون مارنے کی سو فصد امید تھی۔ وہ شاید

مسلمانوں کے خوف کو دل سے نکالنے کے لئے جام پر جام چڑھا رہا تھا۔ سجاح بنت حارثہ اس مے نوشی میں اس کی شریک تھی بلکہ ساقی گری بھی کر رہی تھی۔ جب دونوں خوب مدہوش ہو گئے اور صبح کاذب کے آثار نمودار ہوئے تو مسیلمہ نے سب کو رخصت کر دیا۔ اب اسے کچھ اطمینان بھی ہو گیا کیونکہ رات تقریباً گزر چکی تھی اور شب خون مارے جانے کا اندیشہ نہ رہ گیا تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ مسیلمہ کو فتح یاب ہونے کا اور اپنی فتح کا یقین نہیں آیا تھا بلکہ وہ سمجھتا تھا کہ مسلمان کسی بھی لمحے واپس آ کر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔

عکرمہؓ بن ابی جہل کی شکست کی خبر پہلی منحوس خبر تھی جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو موصول ہوئی۔ عکرمہؓ نے خلیفہ کے حکم سے انحراف کر کے جو ذلت اٹھائی' اس کا ان کے دستے کو بہت غم تھا مگر حضرت ابوبکرؓ کو اس شکست کا بہت قلق ہوا کیونکہ یہ شکست سراسر عکرمہؓ کی نادانی' ناتجربہ کاری اور حکم خلافت سے سرتابی کا نتیجہ تھی۔ عکرمہؓ کو شرجیلؓ بن حسنہ کے انتظار کا حکم دیا گیا تھا کہ مشترکہ لشکر مسیلمہ کذاب پر حملہ آور ہو۔ اس کے ساتھ ہی خلیفہ اول کی عام ہدایت یہ بھی تھی کہ امیر لشکر اپنے ساتھیوں کو فساد اور جلد بازی سے روکے۔ دشمنوں کی بستی میں اندھا دھند نہ گھس جائے۔ خوب دیکھ بھال کر داخل ہو ایسا نہ ہو کہ' مسلمانوں کو نقصان پہنچ جائے۔ عکرمہؓ نے بجائے ساتھیوں کو جلد بازی سے روکنے کے خود جلد بازی کا مظاہرہ کیا اور مسیلمہ کی طاقت کو حقیر سمجھتے ہوئے اس سے اکیلے ہی الجھ پڑے اور شکست اٹھائی۔ عکرمہؓ کی شکست کے بڑے دور رس نتائج برآمد ہوئے۔ ایک تو مسیلمہ کذاب کی نبوت کی ڈگمگاتی کشتی کو سنبھالا مل گیا۔ دوسرے یہ کہ وہ مرتدین جو دوسرے اسلامی دستوں کے ہاتھوں شکست کھا کے منتشر ہوئے تھے۔ وہ سب آہستہ آہستہ مسیلمہ کذاب کے جھنڈے تلے اکٹھے ہونے لگے۔

شکست کی خبر ملتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوراً تیز رفتار قاصد کے ذریعہ عکرمہؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ واپس آنے کی ہرگز کوشش نہ کریں کیوں کہ یہاں آ کر وہ اپنی شکست کی غلط تاویلیں پیش کرنے کے سوا اور کیا کریں گے۔ دوسرے یہ کہ ان

کی واپسی سے مدینہ والوں میں بد دلی پھیلنے کا بھی امکان ہے۔ اس لئے عکرمہؓ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ مسیلمہ سے دوبارہ برسرپیکار ہونے کے بجائے یمن جا کر اہل مہرہ کا مقابلہ کریں اور اس علاقہ کو مرتدین سے پاک کرنے کی کوشش کریں چنانچہ عکرمہؓ کو جب حکم ملا تو وہ اپنے دستے کے ساتھ عمان کی طرف روانہ ہو گئے جس سے مسیلمہ کو یہ یقین ہو گیا کہ کم از کم عکرمہؓ بن ابی جہل میں اتنا دم خم نہیں کہ وہ یمامہ کا رخ کر سکیں۔ مسیلمہ نے عکرمہؓ کو یمن کی طرف روانگی کو بھی سجاح بنت حارثہ کی خوش قدمی سے وابستہ کر دیا جس سے اس کے قبیلہ والے اور زیادہ چراغ پا ہوئے اور ان کے اور سجاح بنت حارثہ کے درمیان ایک ناقابل عبور خلیج پیدا ہو گی۔

عکرمہؓ کی شکست کے پیش نظر حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک خط شرجیلؓ بن حسنہ کو بھی لکھا کہ وہ یمامہ کی سرحد سے دور کسی مقام پر قیام کریں اور مسیلمہ سے کسی حالت میں بھی جنگ کی کوشش نہ کریں اگر مسیلمہ لشکر لے کر ان کی طرف بڑھے تو وہ مقابلہ کرنے کے بجائے پیچھے ہٹ آئیں اور اس کی زد سے اس وقت تک دور رہیں جب تک خالدؓ بن ولید اپنے دستہ کے ساتھ ان کے پاس نہیں پہنچ جاتے۔

پچھلے صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت خالدؓ طلیحہ کو شکست دینے کے بعد مدعیہ نبوت سجاح بنت حارثہ کی تلاش میں شمال کی طرف روانہ ہوئے مگر سجاح اپنے مستقر کو چھوڑ کر قبیلہ بنو تمیم کے سردار مالک بن نویرہ کے پاس پہنچ چکی تھی۔ خالدؓ بن ولید کو قبیلہ بنو تمیم کی سرکوبی کا بھی حکم ملا تھا۔ اس لئے حضرت خالدؓ نے بنو تمیم کا خاتمہ کر کے مالک بن نویرہ کو بھی قتل کر دیا لیکن سجاح بنت حارثہ اس سے پہلے ہی یمامہ پہنچ کر مسیلمہ کی بیوی اور اس کا دست راست بن چکی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب حضرت خالدؓ کو خلیفہ اول کا حکم ملا کہ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے یمامہ کا رخ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے بنو تمیم سے فراغت حاصل کرتے ہی یمامہ کا رخ کیا۔ مگر ابھی حضرت خالدؓ راستے ہی میں تھے کہ یمامہ کے اندر اور یمامہ کے باہر دو اہم واقعے رونما ہوئے۔

مسیلمہ فتح کے نشے میں چور اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ یمامہ واپس آیا جس وقت وہ

حدیقتہ الرحمان میں داخل ہوا تو سجاح بنت حارثہ گھوڑے پر سوار اس کے پہلو بہ پہلو چل رہی تھی۔ بنو حنیفہ کو یہ بات اور ناگوار گزری اور وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ مسیلمہ نے یمامہ پہنچتے ہی فتح کی خوشی میں جشن عام کا حکم دیا۔ اس نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ وہ جشن کے دوران ایک خاص تقریب میں سجاح بنت حارثہ کی ذہانت اور عقل مندی کا اعلان کرتے ہوئے اسے اپنی خاص ملکہ کا مقام عطا کرے گا اور اس کے سر پر وہ تاج رکھے گا جو اس نے یمن میں آباد ایرانی فوج کے ایک سردار سے بزور شمشیر حاصل کیا تھا۔

ان تمام باتوں کی خبر مسیلمہ کی بیوی طماری کو مل چکی تھی اور وہ دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ بنو حنیفہ کے کئی بڑے بڑے سردار جو سجاح کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور سجاح کے اس لئے بھی مخالف تھے ——— کہ ایک تو اس کا تعلق نصرانی قوم سے تھا دوسرے وہ عورت ذات تھی اور عرب قبائل میں (ماسوا اسلام کے) عورت کو اس دور میں کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ اس لئے بنو حنیفہ ایک نصرانی عورت کو اس درجہ پر سرفراز نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ مسیلمہ کو بعض ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ اس کی قبائلی بیوی طماری اور بعض سردار سجاح کے خلاف ہیں مگر اس کا خیال تھا کہ یہ لوگ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سجاح کی عظمت کے قائل ہو جائیں گے۔

ابھی جشن عام کی تیاریاں مکمل بھی نہ ہوئی تھیں کہ مسیلمہ کو مخبروں نے اطلاع دی کہ مسلمانوں کی ایک نئی فوج شرجیلؓ بن حسنہ کی سرداری میں یمامہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ مسیلمہ نے فوراً" تمام تقاریب کو منسوخ کر دیا اور پندرہ ہزار کا لشکر لے کر اسلام پرستوں کو روکنے کے لئے یمامہ سے نکلا۔ اس کے اس لشکر میں سجاح کے وہ پانچ ہزار جوان بھی شامل تھے۔ جو پہلی جنگ میں شریک ہو چکے تھے۔ مسیلمہ کے یمامہ سے نکلتے ہی طماری اور سجاح کی مخالفت کھل کر سامنے آ گئی۔ سجاح کے لشکر کے پانچ ہزار بہترین جوان مسیلمہ کے ساتھ جا چکے تھے۔ برخلاف اس کے بنو حنیفہ کا ابھی نصف لشکر یمامہ میں موجود تھا اور ان میں بعض وہ سردار بھی تھے جو سجاح سے سخت متنفر تھے۔

چنانچہ محلاتی سازشیں شروع ہوئیں۔ طماری اور اس کے ہم خیال سرداروں نے یہ طے کیا کہ سجاح کے خاتمے کا یہ بہترین موقع ہے۔ سجاح کے پاس اگرچہ تجربہ کار فوجی نہ تھے مگر اس کی چالاک کنیزیں فوجیوں کی بہترین بدل تھیں۔ انہوں نے جاسوسی کا ایسا جال بچھایا تھا کہ طماری کے محل میں ہونے والی ہر سازش کی خبر انہیں فوراً" مل جاتی۔ طماری اور سجاح کے محل حدیقہ کے وسط میں واقع تھے۔ ان دونوں محلوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً" ایک فرلانگ کا تھا۔ حدیقہ کے گرد ایک بلند اور مضبوط فصیل تھی اور اس طرح مسیلمہ نے **حدیقتہ الرحمان** کو ایک چھوٹے سے قلعے میں منتقل کر دیا تھا۔ حدیقہ کے باہر فوجی بارکیں تھیں اور پورے شہر کے گرد دوسری فصیل تھی۔

شہر اور حدیقہ کے درمیان ایک بڑا گیٹ تھا جو شام ہوتے ہی بند کر دیا جاتا تھا لیکن آج خلاف معمول یہ گیٹ بہت دیر تک کھلا رہا۔ سجاح نے اپنی خاص کنیز لیلیٰ کے سپرد فوج کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کا فرض سونپا تھا۔ لیلیٰ کی مدد کے لئے تقریباً" ایک درجن کنیزیں خاص جگہوں پر تعینات تھیں جن کا براہ راست سجاح کی حفاظتی فوج کے ساتھ رابطہ تھا۔ سجاح نے اپنے محل اور اس کے آس پاس دور دور تک صرف اپنے آدمیوں کو مقرر کیا تھا۔ محل کے نوکر چاکر اور محافظ دستوں میں سوائے سجاح کے اپنے آدمیوں کے بنو حنفیہ کا کوئی فرد موجود نہ تھا۔ اس لئے سجاح کے محل میں جو کچھ ہوتا اس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی مگر شہر اور دوسرے محلات میں ہونے والی خفیہ باتیں بھی سجاح کی مکار کنیزیں لے اڑتی تھیں۔

جب حدیقہ کا گیٹ شام کو اپنے وقت پر بند نہ ہوا تو لیلیٰ کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے اس غیر معمولی بات کی فوری اطلاع سجاح کو پہنچا دی اور پھر دوسری خبر جو لیلیٰ نے سجاح کو بھیجی وہ یہ تھی کہ تقریباً" ڈیڑھ ہزار مسلح افراد جن میں تیر انداز بھی ہیں وہ بڑی آہستگی سے حدیقہ کے اندر داخل ہوئے ہیں۔ یہ مسلح افراد مسیلمہ کے لشکری نہ تھے اور خیال غالب تھا کہ انہیں کسی اور جگہ سے کسی خاص مقصد کے لئے حدیقہ میں بلایا گیا ہے۔ ان لوگوں کے حدیقہ میں داخل ہونے کے بعد حدیقہ کا بڑا گیٹ بند کر دیا

گیا اور اس پر بنو حنیفہ کے محافظ پہرہ دینے لگے۔------ پہرے دار ہمیشہ قبیلہ بنو حنیفہ کے ہی لوگ ہوتے تھے مگر اس وقت پہرہ پر جو لوگ آئے ان میں عام محافظوں کے بجائے مسیلمہ کے لشکر کے کچھ سردار تھے جنہیں شہر سے باہر بیرک میں ہونا چاہئے تھا مگر وہ گیٹ پر محافظوں کا کام سنبھالے ہوئے تھے۔ لیلیٰ نے یہ تمام تماشا خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر گرتی پڑتی، ہانپتی کانپتی، سجاح کے پاس پہنچی۔ سجاح نے اس کو اس حال میں دیکھا تو مسکرائی اور تسلی دیتے ہوئے بولی۔

"لیلیٰ! تم نے اپنا کام کر دیا۔ اب ہمارا کام دیکھو۔ میں طحاری کا غرور خاک میں ملا دوں گی۔"

لیلیٰ نے سانس درست کرتے ہوئے کہا۔ "مگر دو ہزار سپاہی باہر سے آ گئے ہیں، ان کا کیا بنے گا؟"

سجاح نے اسے اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا۔ لیلیٰ سجاح کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ سجاح سیڑھیاں چڑھتی جا رہی تھی اور لیلیٰ سے باتیں کرتی جا رہی تھی۔ سجاح ایک برج پر پہنچ کر بولی۔ "دیکھو لیلیٰ! اس برج پر تیس تیر انداز مقرر ہیں۔"

برج میں اندھیرا تھا۔ لیلیٰ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا مگر اسے وہاں کوئی تیر انداز بھی نظر نہیں آیا۔

اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "یہاں تو کوئی بھی نظر نہیں آتا؟"

سجاح نے آہستہ سے تالی بجائی تو ایک دم سے اندھیرے کا سینہ چیرتے ہوئے تیس تیر انداز اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے تاریکی نے انہیں ایک دم اگل دیا ہو۔ لیلیٰ نے اونچے برج سے چاروں طرف دیکھا۔ شہر اور طحاری کے محل میں چراغ روشن تھے۔ اس کا محل چراغوں کی روشنی میں جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا لیکن سجاح کے محل میں تاریکی اور اندھیرا تھا۔ صرف ایک دو جگہ شمعیں روشن تھیں۔ لیلیٰ نے حسرت بھری آواز میں کہا۔ "کاش! ہم بھی اپنے محل میں چراغاں کر سکتے۔ پتہ نہیں یہ خوف کے اندھیرے ہمارے محل کو کب تک گھیرے رہیں گے۔"

سجاح نے لیلیٰ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور بولی۔ "لیلیٰ! دل چھوٹا نہ کرو۔ صرف آج کی رات اور صبر کرو۔ آج وہی رات معلوم------ ہوتی ہے جس کے لئے طحاری ایک عرصہ سے تیاری کر رہی ہے اور ہم بھی اسی رات کے منتظر تھے۔ آج کی رات یہ فیصلہ ہو گا کہ طحاری یا میں دونوں میں سے کون بنو حنیفہ کی ملکہ بننے کے قابل ہے۔"

لیلیٰ نے کوئی جواب نہ دیا۔ سجاح اسے لے کر محل کے کمروں، برآمدوں، برجوں اور فصیلوں پر گھومتی رہی اور وہ تمام انتظامات دکھاتی رہی جو اس نے اپنی حفاظت کے لئے کئے تھے۔ اب لیلیٰ کو بھی یقین آ گیا سجاح کے محل پر اگر پانچ ہزار کا بھی لشکر قابض ہونا چاہے تو اس کے لئے یہ ممکن نہ ہو گا۔ جگہ جگہ تیر انداز اور سجاح کے جوشیلے نوجوان اس طرح مقرر کئے گئے تھے کہ سجاح کی سپاہیانہ جنگی مہارت کی داد دینا پڑتی تھی۔ اس نے اپنے محل کی گیلریوں اور اس کے باہر باغ اور روشوں تک میں سپاہی چھپا دیئے تھے جو نظر نہ آتے تھے مگر ایک اشارہ پر اکٹھا ہو سکتے تھے۔

رات گہری ہوتی گئی اور سناٹا بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ **حدیقتہ الرحمان** پر قبرستان کا گمان ہونے لگا۔ شمعیں بھی آنسو بہا بہا کر تھک چکی تھیں اور پھر اسی تاریکی اور خاموشی میں قدموں کی آوازیں ابھریں۔ یہ آوازیں دو چار قدموں کی نہیں بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں قدم، طحاری کی محل سرا سے نکل کر سجاح کے محل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ قدم بڑھتے رہے۔ راہیں، روشیں اور باغات طے ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ سجاح کی گیلریوں میں ٹمٹماتی ہوئی شمعوں کے قریب پہنچ گئے اور ان کے اور گیلریوں کے درمیان صرف چالیس فٹ چوڑا راستہ رہ گیا۔ یہ یلغار سجاح کے محل کے چاروں طرف سے ہوئی تھی اور اتنی منظم تھی کہ اگر سجاح کے بجائے کوئی اور ہوتا تو اس طوفان میں تنکے کی طرح بہہ جاتا۔

مگر جب یہ قدم اس راستہ پر پڑے جو محل کے چاروں اطراف میں بنا ہوا تھا تو سجاح کے محل کی برجیوں سے تیروں کی ایک باڑھ پڑی۔ تیروں کی یہ بوچھاڑ آگے بڑھنے والوں کے لئے پیغام اجل بن گئی اور وہ بغیر آواز نکالے زمین پر ڈھیر ہونے

لگے۔ ان کے پیچھے آنے والوں کو معلوم ہو گیا کہ دشمن ہوشیار ہو چکا ہے۔ اس لئے انہوں نے احتیاط سے کام لیا اور راستہ کو آہستہ آہستہ عبور کرنے کے بجائے دوڑ کر پار کرنا چاہا۔ سجاح کے تیر اندازوں نے ان لوگوں کو تو نشانہ بنا لیا جن کے چہرے پر شمعوں کی ہلکی ہلکی روشنی پڑ رہی تھی مگر کچھ حملہ آور تاریکی کا فائدہ اٹھا کر راستہ پار کر گئے اور گیلری تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اب وہ خطرے سے باہر ہیں اور محل میں داخل ہو سکتے ہیں۔ مگر انہیں گیلریوں کے اندر سجاح کے جوشیلے جوانوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اس وقت سجاح کے حکم پر گیلریوں' روشوں' راستوں اور تمام باغ میں ایک دم سے تیز روشنی پھیل گئی۔ اس روشنی کا انتظام سجاح نے خود کرایا تھا۔ جگہ جگہ پر بڑی بڑی موی شمعیں اور قندیلیں پوشیدہ کر دی گئی تھیں اور ہر شمع کو روشن کرنے کے لئے ایک ایک سپاہی مقرر تھا جن کے پاس رال اور چمقاق پتھر موجود تھے جن سے باآسانی شمعیں روشن کی جا سکتی تھیں۔ سجاح کی اسکیم یہ تھی کہ اس کے محل اور باغات کو اس وقت تک تاریک رکھا جائے جب تک دشمن اس کے محل تک نہ پہنچ جائے یا اس کی زد پر پوری طرح نہ آ جائے۔ اس کے جوشیلے سپاہی باغ میں بھی پوشیدہ تھے مگر انہیں حکم تھا کہ جب تک پوری طرح روشنی نہ ہو جائے وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں۔

روشنی ہوتے ہی سجاح کے جوان کونوں کھدروں سے نکل کر دشمن کے مقابل آ گئے۔ گیلریوں کے اندر کے دروازے کھل گئے اور ہر کمرے میں بکھرے ہوئے سپاہی نکل پڑے اور طحاری کے جو آدمی گیلریوں تک پہنچ گئے تھے انہیں کاٹنا شروع کر دیا۔ اوپر سے برابر تیر برس رہے تھے اور نیچے راستوں اور باغ کر ہر قطعہ میں جنگ ہو رہی تھی۔ ہر طرف شور و غل اور چیخ پکار مچی ہوئی تھی۔ طحاری کے آدمی کوشش کر رہے تھے کہ وہ سجاح کے محل میں داخل ہو جائیں۔ مگر سجاح کے سپاہی جان کی بازی لگائے ان کے سامنے دیوار بنے کھڑے تھے۔ حملہ آوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر سجاح کے فوجی انہیں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیتے تھے۔

لڑائی طول کھینچ رہی تھی' اور شور بڑھتا جا رہا تھا۔ لڑائی کے درمیان دونوں طرف سے نعرے بلند ہو رہے تھے جن کی آواز شہر تک پہنچ رہی تھی۔ اس ہنگامہ سے تمام شہر جاگ پڑا مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ حدیقہ کے اندر کیا ہو رہا تھا اور کس کس کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔ بیرکوں میں مقیم مسیلمہ کا نصف لشکر بھی جاگ پڑا تھا اور تیزی سے تیار ہو کر حدیقہ کے گیٹ پر پہنچ چکا تھا۔ ان کے سردار کو یہ شبہہ ہوا تھا کہ اسلام پرست کسی طرح حدیقہ میں داخل ہو گئے ہیں اس لئے وہ لشکر لے کر حدیقہ میں خود بھی داخل ہونا چاہتا تھا مگر حدیقہ کا بڑا گیٹ اندر سے بند تھا۔ سردار نے گیٹ کھلوانے کی بہت کوشش کی مگر اس کی ایک نہ چلی۔ وہ گیٹ اس قدر مضبوط اور بلند تھا کہ اسے آسانی سے توڑا نہیں جا سکتا تھا۔ گیٹ کے اندرونی محافظوں نے گیٹ کھولنے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کا بھی یہی خیال تھا کہ اسلام پرست حدیقہ کے اندر پہنچ چکے ہیں اور اب ان کا لشکر گیٹ کھلوا کر اندر آنا چاہتا ہے۔

اس غلط فہمی میں گیٹ کافی دیر تک نہ کھل سکا اور اندر خوب کشت و خون ہوتا رہا۔ آخر سردار فوج نے چند آدمیوں کو سیڑھیوں کے ذریعہ حدیقہ کی فصیل پر چڑھا دیا جنہوں نے اندر کود کر بدقت تمام گیٹ کھول دیئے۔ سردار چند سواروں کو لے کر ادھر چلا جہاں پر زبردست شمشیر زنی اور تیر اندازی ہو رہی تھی۔ وہاں پہنچنے پر اسے ایک بھی مسلمان نظر نہ آیا اور نہ' مسلمانوں کا خاص نعرہ تکبیر اللہ اکبر سنائی دیا۔ دریافت کرنے پر اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ لڑائی دراصل رقابت کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے جس میں سجاح اور طحاری کے بہی خواہ اور ہمدرد ایک دوسرے کو جھلسا رہے ہیں۔ سجاح نے یمامہ کے لشکر کو دیکھا تو اسے شبہ ہوا کہ شاید یہ بھی طحاری کی ہمدردی میں آئے ہیں مگر جب اس نے دیکھا کہ سردار لڑائی بند کرنے کا حکم دے رہا ہے تو اس نے فوراً" اپنے آدمیوں کو بھی جنگ بند کرنے کا حکم دیا۔

یہ حکم اس نے اس طرح دیا کہ وہ ایک بڑی شمع لے کر ایک برج پر چڑھ گئی اور پھر اس نے اس شمع کو ہوا میں لہرانا شروع کر دیا۔ اس شمع کو اس کے جس سپاہی نے دیکھا اس نے وہیں پر اپنا ہاتھ روک لیا اور پھر سمٹ کر محل کی گیلری کی طرف

چل پڑا۔ طماری کے ہمدرد سرداروں نے یمامہ کے لشکر کو دیکھا تو انہوں نے بھی پسپائی اختیار کی اور طماری کے محل کی طرف واپس ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ لشکر کے آنے سے پہلے ہی سجاح کا خاتمہ کر دیں گے لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو گئے اور سجاح اپنی عقل مندی اور ہوشیاری سے صاف بچ گئی۔ لشکر کے سردار نے اس لڑائی میں نہ تو کوئی دخل دیا اور نہ بازپرس کی' کیونکہ دونوں طرف مسیلمہ کی بیگمات تھیں۔ اس نے یہ ضرور کیا کہ دونوں محلوں کے درمیان ایک ہزار سواروں کا دستہ مقرر کر دیا کہ پھر لڑائی نہ ہو سکے۔ یہ لڑائی دو گھنٹے تک جاری رہی تھی۔ صبح کو جب لاشیں اٹھائی گئیں تو معلوم ہوا کہ سجاح کے ڈیڑھ سو جوان کام آئے' اور طماری کے غیر شہری سپاہی سات سو کے قریب مارے گئے جس میں طماری کے دو سگے بھائی بھی تھے۔

اسلام پرستوں پر پہلی فتح حاصل کرنے کے باوجود مسیلمہ اپنی جگہ مطمئن نہ تھا اور اسے ایک نامعلوم خوف گھیرے ہوئے تھا---- **حدیقتہ الرحمان** سے روانگی کے وقت اس کے دل میں کئی طرح کے وسوسے پیدا ہوئے لیکن وہ جانتا تھا کہ مسلمان اس سے صلح نہیں کریں گے۔ اس لئے سوائے مقابلے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ مسیلمہ اپنے دل کو طرح طرح سے سمجھاتا اور تسلیاں دیتا ہوا حدود یمامہ سے کافی آگے آ گیا لیکن اسے مسلمانوں کا لشکر نظر نہ آیا۔ آخر اس نے ایک جگہ قیام کیا اور وہاں اسلامی لشکر کے انتظار میں دو راتیں بڑی بے چینی سے گزریں۔ جب دو دن بعد بھی مسلمان لشکر وہاں نہ پہنچا تو اس نے اپنے لشکر کو واپسی کا حکم دیا اور تیزی سے اپنی سرحدوں کے قریب پہنچ گیا۔

اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو وہ شرجیلؓ بن حسنہ سے جنگ یمامہ کی سرحد کے قریب ہی لڑے گا تاکہ اسے تازہ کمک اور رسد کا دھڑکا نہ رہے۔ دراصل اس کے دل میں چھپے ہوئے وسوسے اسے پھر پریشان کر رہے تھے اور اسے کسی نادیدہ خطرہ کی بو رہی تھی۔ اس کا اندیشہ اور دھڑکا درست تھا۔ اپنی سرحد کے قریب واپس آتے ہی اسے طماری اور سجاح کی خوفناک جنگ کی اطلاع ملی' اگر حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کے آنے کا خطرہ نہ ہوتا تو وہ فوراً" یمامہ پہنچتا لیکن اس وقت وہ مجبور تھا۔ یمامہ

کے سردار لشکر نے اطلاع دی کہ دونوں بیگمات کے درمیان فوجی دستے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس لئے دوبارہ لڑائی کا امکان کم ہے پھر بھی اس نے درخواست کی تھی کہ جس قدر جلد ہو سکے وہ یمامہ واپس آ جائے۔ مسیلمہ بہت دیر تک کشمکش میں مبتلا رہا۔ آخرکار اس نے پہلے اسلام پرستوں سے نمٹنے کا فیصلہ کیا۔

شرجیلؓ بن حسنہ اپنے دستہ کے ساتھ یمامہ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ انہیں خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کا پیغام ملا چنانچہ انہوں نے اپنے دستے کو یمامہ سے کافی دور رکنے کا حکم دیا تاکہ وہ خالدؓ بن ولید کا انتظار کر سکیں اور اسی عرصہ میں سپاہی کچھ آرام کر لیں۔ خالدؓ بن ولید بھی یمامہ کا رخ کر چکے تھے مگر وہ راہ میں آباد مرتد قبائل سے بھی برابر جنگ کرتے آ رہے تھے۔ اس لئے انہیں یمامہ آنے میں تاخیر ہو رہی تھی۔ ادھر حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کو جاسوسوں نے خبر دی کہ مسیلمہ اپنا لشکر لے کر واپس جا رہا ہے۔ اس خبر کا حضرت شرجیلؓ بن حسنہ پر بہت غلط اثر ہوا۔ انہوں نے مسیلمہ کی واپسی کو اس کی کمزوری پر محمول کیا اور فوراً" اپنے ساتھیوں کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا کہ مسیلمہ کو یمامہ پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں جا لیا جائے کیونکہ اگر مسیلمہ یمامہ پہنچ گیا تو وہ قلعہ بند ہو جائے گا اور اسے شکست دینا مشکل ہو گا۔

اس جگہ اس بات کا اظہار کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یمامہ سے مراد وہ علاقہ یا ریاست تھی جس پر مسیلمہ کذاب سرداری کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یمامہ اس علاقہ کا نام بھی تھا جہاں مسیلمہ کا مستقر اور **حدیقتہ الرحمان** واقع تھا۔ حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کی خواہش کی شدید مخالفت ہوئی اور سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ وہ خلیفہ اول کے حکم عدولی کے حق میں ہرگز نہیں۔ مسیلمہ کذاب اگر یمامہ واپس جا رہا ہے تو جانے دیا جائے۔ حضرت شرجیلؓ بھی شاید حضرت عکرمہؓ کی طرح ضدی طبیعت کے واقع ہوئے تھے یا پھر جوش جہاد نے ان کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ انہوں نے بار بار سرداروں کو آمادہ کرنا چاہا مگر ان کا کوئی ساتھی ان کی رائے سے اتفاق نہ کر سکا اور سب نے صاف صاف کہہ دیا کہ خلیفہ کے حکم پر عمل کیا جائے۔

جب حضرت شرجیلؓ نے دیکھا کہ ان کے ساتھی کسی طرح راضی نہیں ہوتے

اور ان کے خیال میں ایک یقینی فتح کا موقع ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں پر ایک نفسیاتی اور اخلاقی دباؤ ڈالا۔ حضرت شرجیلؓ بن حسنہ نے نیام سے تلوار نکال کر اعلان کیا کہ اگر آپ لوگ میرا ساتھ نہیں دیتے تو میں اکیلا جا کر مسیلمہ پر حملہ کروں گا اور شہید ہو جاؤں گا۔ ان کا یہ اخلاقی اور نفسیاتی وار واقعی کام آ گیا اور سرداران دستہ کو ان کا ساتھ دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس طرح پرستاران اسلام نے اپنے امیر لشکر کی حمایت میں وہی غلط قدم اٹھایا جو اس سے پہلے حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل اٹھا چکے تھے۔

حضرت شرجیلؓ بن حسنہ اپنی چھوٹی سی فوج لے کر بڑی تیزی سے آگے بڑھے اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس ہدایت کو بالکل بھلا دیا کہ دشمنوں کے علاقہ میں اندھا دھند نہ گھس جانا مبادا کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔ مسیلمہ اپنی سرحد کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہوا تھا کہ حضرت شرجیل بن حسنہ طوفانی رفتار سے گھوڑے اڑاتے اس کے سر پر پہنچ گئے۔ مسیلمہ نے خبر ملتے ہی اپنے لشکر کو ترتیب دیا اور مقابلہ پر نکلا۔ حضرت شرجیلؓ نے یہ عقل مندی کی کہ ایک تیر انداز رسالہ کو حکم دیا ـــــ کہ وہ انتہائی ضرورت کے وقت جنگ میں شریک ہو۔ مسلمان اگرچہ تھکے ہوئے تھے لیکن ان کے دلوں میں نور اسلام کی شمع روشن تھی اور شہادت کے شیدائی تھے' اس لئے انہوں نے مسیلمہ پر پہلا وار اتنا زبردست کیا کہ دشمن گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ مگر مسیلمہ کی افرادی قوت کئی گنا زیادہ تھی۔ اس لئے اس نے جلد ہی سنبھل کر جوابی حملہ کیا اور زبردست دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔

مسلمان بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے اور بڑھ چڑھ کر حملے کرتے تھے۔ مسیلمہ ان قلیل تعداد اسلام کے شیدائیوں کو اس قدر بے جگری سے لڑتے دیکھ کر بہت حیران تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان میں وہ کون سا جذبہ ہے جو انہیں اس سرفروشی سے لڑا رہا ہے۔ اسلام پرستوں کے حملہ سے وہ پریشان ضرور تھا مگر وہ ایک جہاں دیدہ سردار تھا اس لئے جنگی حکمت عملیوں سے پوری طرح واقف تھا۔ اس نے چار گھنٹے تک مسلسل مدافعانہ جنگ کی۔ وہ مسلمانوں کے حملے روکتا مگر جوابی حملہ صرف اس حد تک کرتا کہ مسلمان جہاں تک آگے بڑھ آئے ہیں انہیں دھکیل کر ان کی سابقہ جگہ تک لے جاتا۔ یہ لڑائی صبح دس بجے شروع ہوئی تھی اور اب دوپہر ڈھل چکی تھی۔ دن ڈھلنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے حملوں کی شدت بھی کم ہوتی جا رہی تھی اور ان میں تھکاوٹ کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔

یکایک مسیلمہ نے اپنے تین ہزار کے محفوظ دستہ کو جنگ میں جھونک دیا۔ اس کا یہ عمل بروقت تھا اور اس نے مسلمانوں کی تھکاوٹ کا صحیح اندازہ لگایا تھا۔ اس تازہ دم دستے نے بڑھ کر حملہ کیا تو مسلمان اس کی تاب نہ لا سکے اور دور تک پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ مسیلمہ کو اسی وقت کا انتظار تھا۔ اس نے ایک اور زبردست حملہ کیا جس نے مسلمانوں کے قدم تقریباً" اکھاڑ دیئے۔ مسیلمہ کا یہ حملہ چاروں طرف سے ہوا تھا اس کا مقصد مسلمانوں کو گھیر کر قتل عام کرنے کا معلوم ہوتا تھا لیکن اس وقت حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کے محفوظ تیر اندازوں نے مسیلمہ کذاب کو اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا اور مسلمانوں کے گرد پڑتا ہوا زبردست گھیرا ٹوٹ گیا اور مسیلمہ کے سپاہی آگے نہ بڑھ سکے۔ مسلمانوں کو اس سے صرف یہ فائدہ ہوا کہ وہ باآسانی مسیلمہ کے لشکر کی زد سے باہر آ گئے مگر اب ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ دوبارہ حملہ کرتے۔ اس لئے حضرت شرجیلؓ بن حسنہ نے پسپائی ہی میں بہتری سمجھی اور شکست کھا کے پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

مسیلمہ اپنی سرحدوں سے دور جانے پر کسی طرح آمادہ نہ تھا۔ اس لئے حضرت شرجیل کا پیچھا نہ کیا اور انہیں واپس جانے دیا۔ اس طرح مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں اسلام پرستوں کے دوسرے دستے نے بری طرح ہزیمت اٹھائی۔ اس ہزیمت' شکست اور پسپائی کی وجہ بھی وہی تھی یعنی خلیفہ کی ہدایت کے خلاف عمل کرنا۔ چنانچہ مسلمانوں کا شکست خوردہ دستہ پھر واپس اسی مقام پر آ گیا جہاں سے ضد کر کے حضرت شرجیلؓ بن حسنہ اسے یمامہ تک لے گئے تھے۔ حضرت شرجیلؓ کو اب غلطی کا احساس ہوا مگر وقت تو گزر چکا تھا۔ ان کا پچھتاوا اس شکست کو فتح میں تو تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے پڑاؤ ڈالا اور اعلان کر دیا کہ وہ اس جگہ سے ایک قدم بھی اس وقت

تک آگے نہیں بڑھائیں گے جب تک حضرت خالدؓ یہاں نہیں پہنچ جاتے۔ وہ اپنے سرداروں اور سپاہیوں سے شرمندہ تھے اور ان کا سامنا نہ کرتے تھے۔ جب انہیں اس طرح کئی دن گزر گئے تو ان کے ساتھیوں نے خود ان کے خیمہ میں جا کر ان سے ملاقات کی تاکہ امیر لشکر کا حوصلہ بلند رہے اور وہ آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔۔۔۔۔

مسلمانوں کی مسیلمہ کے مقابلے میں اس دوسری شکست کی خبر جب مدینہ پہنچی تو حضرت صدیق اکبرؓ کو سخت صدمہ ہوا۔ انہیں امیر لشکر حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کی نادانی پر زیادہ افسوس ہوا۔۔۔۔۔ کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر یہ غلطی کی تھی۔ منافقین اور مشرقین مدینہ و مکہ کو جب خبر ملی تو وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے اور انہیں پھر امید ہوئی کہ مدینہ میں اسلام پرستوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے گی۔ لیکن اسلام کا دمکتا ہوا چراغ ایسا نہ تھا کہ اسے پھونکوں سے بجھایا جا سکے۔ مسلمانوں کے دوسرے دستے جو مرتدین کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے تھے وہ کامرانی اور نصرت سے ہمکنار ہو رہے تھے اور ان کی فتوحات کی اطلاع مدینہ منورہ پہنچ رہی تھیں۔ اس لئے حضرت صدیق اکبرؓ نے اس شکست کا صدمہ برداشت کر لیا۔ انہوں نے ایک لشکر ترتیب دے کر خود مسیلمہ کے مقابلہ کا ارادہ کیا مگر حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے انہیں سمجھا بجھا کر اس ارادے سے باز رکھا۔ ان حالات میں مدینہ سے ان کی غیر حاضری مناسب نہ تھی۔ انہوں نے فوراً خالدؓ بن ولید کو اطلاع دی کہ وہ منزلیں طے کر کے جلد از جلد یمامہ پہنچیں اور حضرت شرجیلؓ کے بچے ہوئے دستے ساتھ لے کر مسیلمہ کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت شرجیلؓ نے بھی ایک قاصد کے ذریعے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے خلیفہ کو ایک معافی نامہ بھیجا تھا۔

حضرت خالد بن ولید کو حضرت شرجیلؓ کی شکست کی خبر اور حضرت ابوبکرؓ کا نامہ ملا تو انہوں نے راستہ تبدیل کر دیا اور ایک ایسی راہ اختیار کی جو دشوار گزار ہونے کے باوجود انہیں بہت جلد یمامہ پہنچا سکتی تھی۔ ادھر مسیلمہ کی دوسری فتح نے اس کے

اور اس کی فوج کے حوصلے اس قدر بلند کر دیئے کہ مسیلمہ کی نبوت کے بارے میں ان کے دل میں جو شبہات پیدا ہوئے تھے وہ بالکل زائل ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب اسلام پرست انہیں کبھی شکست نہ دے سکیں گے۔ مسیلمہ اپنی جگہ خوش اور قدرے مطمئن تھا۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ مسلمان خاموش نہیں بیٹھیں گے اور ان شکستوں کا بدلہ ضرور لیں گے لیکن ابھی انہیں تیاری میں شاید کافی عرصہ لگ جائے۔ اس لئے اس نے ایک ہفتہ کے لئے جشن فتح کا اعلان کر دیا۔

حدیقہ واپس آ کر اس نے سب سے پہلے سجاح بنت حارثہ اور طحاری کا جھگڑا نپٹایا۔ اس نے کمال دانش مندی سے دونوں کا میل کرا دیا۔ اس نے ان سرداروں کو قطعی معاف کر دیا جنہوں نے طحاری کا ساتھ دیا تھا۔ اس کا بنو حنفیہ پر اچھا اثر پڑا اور سجاح بنت حارثہ کے لئے ان کے دل میں جو نفرت پیدا ہو گئی تھی وہ بڑی حد تک کم ہو گئی۔ ان باتوں میں خود سجاح بنت حارثہ کا دماغ کام کر رہا تھا۔ سجاح کو اس مختصر لڑائی سے یہ سبق مل گیا تھا کہ اگر اسے مسیلمہ کے ساتھ رہنا ہے تو اسے بنو حنیفہ کے لوگوں کو بھی اپنا طرف دار بنانا پڑے گا چنانچہ اس جشن کے دوران اس نے بنو حنیفہ کے تمام بڑے بڑے سرداروں کو اپنی محل سرا میں دعوت پر مدعو کیا اور خود طحاری کے پاس جا کر اس سے معافی مانگ لی اور اسے اپنے ساتھ اپنی محل سرا میں لے آئی۔ اس طرح دونوں سوکنوں میں نفرت کی جو دیوار حائل ہو گئی تھی وہ ٹوٹ گئی اور دونوں لشکر یک جان دو قالب ہو گئے۔

جشن کے ہنگاموں کے دوران ہی مسیلمہ کو خالدؓ بن ولید کے یمامہ کی طرف آنے کی خبر ملی۔ خالدؓ بن ولید سے وہ اچھی طرح واقف تھا بلکہ ان سے خائف بھی تھا۔ تمام عرب میں خالدؓ کی فتوحات اور جنگی حکمت عملی کا چرچا تھا۔ اس نے جشن ختم کر دیا اور جنگی تیاریوں میں لگ گیا۔ حضرت خالدؓ کے ساتھ وہ پوری تیاری سے لڑنا چاہتا تھا کیونکہ حق و باطل کی یہ جنگ مسلمانوں کے لئے جتنی اہم تھی اس سے کہیں زیادہ مسیلمہ اسے اہمت دے رہا تھا۔ اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تمام مسلمان اس جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے دست بہ دعا تھے بلکہ اسؓ

فتح کے لئے جگہ جگہ دعاؤں کا اہتمام کیا گیا تھا۔

مسیلمہ کے لشکری بھی حضرت خالدؓ کی تلوار سے ڈرتے تھے کیونکہ تمام عرب میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ حضرت خالدؓ نے اب تک کسی لڑائی میں شکست نہیں کھائی اور جس فوج کی سپہ سالاری ان کے سپرد ہوتی ہے وہ ضرور کامیابی حاصل کرتی ہے۔ مسیلمہ نے حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل اور حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کا مقابلہ اپنی حدود سے بہت آگے نکل کر کیا تھا مگر حضرت خالدؓ کے مقابلہ کے لئے اس کی ہمت نہ پڑی کہ اپنی سرحد سے باہر نکلے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ حضرت خالد کا مقابلہ یمامہ کی سرحد پر کرے گا اور دفاعی جنگ کو ترجیح دے گا۔ مسیلمہ نے اسلام پرستوں کے مقابلہ کے نام پر قرب و جوار کے مرتدین سے فوجی مدد طلب کی جس میں اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور یمامہ میں حضرت خالدؓ بن ولید سے مقابلہ کے لئے چالیس ہزار سے زیادہ کا لشکر اکٹھا ہو گیا تھا۔

مسیلمہ اتنے بڑے لشکر سے بھی مطمئن نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کم از کم وہ حضرت خالدؓ کے مقابلے میں ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر آئے۔ اس لئے اس نے اپنی کوشش جاری رکھی اور حضرت خالدؓ کے پہنچنے تک اس کے لشکر میں اور اضافہ ہو گیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے مختصر ترین راستہ اختیار کیا تھا۔ اس لئے وہ جلد ہی یمامہ پہنچ گئے۔ مسیلمہ کو حضرت خالدؓ کے اس قدر جلد آنے کی امید نہ تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ حضرت خالدؓ کے ساتھ ایک بڑا لشکر ہے تو کچھ پریشان ہو گیا۔ اس نے مخبروں کے ذریعہ حضرت خالدؓ کے لشکر کی صحیح تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی' لیکن حضرت خالدؓ نے مسیلمہ کے لشکر کے سامنے پہنچتے ہی اپنی فوج کو کچھ اس انداز سے پھیلایا کہ حد نظر تک اسلامی لشکر ہی لشکر دکھائی دیتا تھا۔ مسیلمہ جس طرف نظر دوڑاتا اسے مسلمان تیرانداز' شمشیرزن سوار اور پیادے نظر آتے۔ یہ بات اس کے لئے پریشان کن تھی لیکن اسے سجاح بنت حارثہ نے تسلی دی جو اب ہر وقت مسیلمہ کے ساتھ رہتی تھی اور اس وقت بھی جسم پر اسلحہ سجائے' اس کے پاس موجود تھی۔ حضرت خالدؓ کی فوج میں حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کے وہ لوگ بھی شامل ہو گئے جو شکست کھا کر حضرت

ابوبکرؓ کے حکم کے تحت حضرت خالدؓ بن ولید کے منتظر تھے۔ اس سے حضرت خالد کی فوج میں کچھ اضافہ ہو گیا مگر اب بھی مسیلمہ کذاب اور حضرت خالدؓ کی فوج میں ایک اور تین کی نسبت تھی۔ پھر حضرت خالدؓ کی فوج میں مزید کسی اضافے کی امید نہ تھی جب کہ مسیلمہ کو ہر لحہ مرتدین اسلام سے برابر کمک پہنچ رہی تھی۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے حجت پوری کرنے کے لئے حسب دستور مسیلمہ کذاب کے پاس ایک سفارت بھیجی اور اسے توبہ کر کے دوبارہ داخل اسلام ہونے کا مشورہ دیا۔ مسیلمہ بھلا یہ مشورہ کس طرح قبول کر سکتا تھا۔ اس نابکار نے حضرت نبی کریم صلعم کی شان میں بھی گستاخی کی تھی۔ اس وقت اس نے دو مسلمان دستوں کو شکست دی تھی اور اس کی جھوٹی نبوت کا تابوت بھی قائم ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے بھرے دربار میں اسلامی سفارت کاروں کو پھٹکار دیا اور ان کی توہین کے ساتھ ہی حضرت خالدؓ بن ولید کو پیغام بھیجا کہ اگر حضرت خالدؓ خواہش کریں تو مسیلمہ انہیں اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے' اس کے علاوہ جتنا زر و جواہر طلب کریں انہیں مل سکتا ہے اور یمامہ کی سب سے حسین ترین عورت ان کے عقد میں دے دی جائے گی۔ سفارت واپس آ گئی اور اس نے اپنی ناکامی کا اعلان کرتے ہوئے مسیلمہ کا پیغام بھی حضرت خالدؓ کو پہنچا دیا۔ حضرت خالدؓ نے مسیلمہ کی ہر پیشکش حقارت سے ٹھکرا دی اور جنگ اور صرف جنگ کا فیصلہ کیا اور فوجوں کی ترتیب میں مشغول ہو گئے۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے میدان جنگ میں اپنی فوج کو ازسر نو منظم کیا۔ مسلمانوں کی تعداد مشکل سے پندرہ ہزار تھی جبکہ مسیلمہ کا لشکر چالیس ہزار سے تجاوز کر گیا تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے مسیلمہ کے خلاف ایک نئی حکمت عملی اختیار کی اور اسلامی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ میں صرف مہاجرین اور انصار کو شامل کیا گیا اور دوسری فوج میں بدوی مسلمانوں کو رکھا گیا۔

اس تقسیم کی غرض و غایت یہ تھی کہ جب بدوی مسلمان' مہاجرین و انصار کو پامردی اور جوش و خروش سے لڑتے دیکھیں گے تو ان کی غیرت کو اور زیادہ جوش آئے گا اور وہ مہاجرین اور انصار سے بھی زیادہ بہادری کا مظاہرہ کریں گے اور مستقل

مزاج اور نہایت ثابت قدم رہیں گے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کے کسی دستہ کو کسی حصہ میں شامل نہیں کیا بلکہ اس دستے کے ساتھ کچھ تیر انداز شامل کر دیئے اور حضرت شرجیلؓ سے کہا کہ وہ میدان جنگ کے قریب موجود رہیں اور لڑتے ہوئے جس دستے کو مدد کی ضرورت ہو۔ وہ اپنے دستے کے ساتھ اس کی مدد کو پہنچ جائیں۔ حضرت خالدؓ کے پیش نظران کو دونوں حصوں سے الگ رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت شرجیلؓ کا دستہ شکست خوردہ ہے اور اپنی شرمندگی کو دور کرنے کے لئے یہ یقیناً" پورے جوش سے نہ لڑیں گے۔ بلکہ شہادت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اس لئے ان کی شجاعت سے اس وقت فائدہ اٹھایا جائے جب مسلمانوں پر خدانخواستہ مصیبت آ جائے۔ اس کے ساتھ حضرت خالدؓ چاہتے تھے کہ حضرت شرجیلؓ کو ہی اپنے دستے کی کمان سنبھالنے دی جائے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی غلطی کا ازالہ کر سکیں۔

سجاح بنت حارثہ جنگی ہتھیاروں سے لیس مسیلمہ کے پہلو میں گھوڑے پر سوار کھڑی میدان جنگ کو پوری توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے مسلمانوں کے معمولی گروہوں سے جنگ کی تھی مگر آج اس کے پیش نظر ایک ایسی فوج تھی جس کا امیر لشکر عرب کا وہ نامی گرامی سردار تھا جس کی شجاعت اور بہادری کے ڈنکے بج رہے تھے۔ جس نے قبیلہ بنو تمیم کے تمام سرداروں کو نیچا دکھایا تھا' صبح کو وہ مسیلمہ کذاب کی ایجاد کردہ نماز میں شریک ہو کر دعا مانگ رہی تھی تو اس کا جسم ایک نامعلوم خوف سے کانپ اٹھا تھا۔ اس نے مسیلمہ سے خالدؓ بن ولید کے بارے میں دیر تک گفتگو کی تھی اور اس نے محسوس کیا تھا کہ خود مسیلمہ بھی خالدؓ بن ولید کی شجاعت سے مرعوب اور خوفزدہ ہے۔ اس نے صبح کو جھوٹی وحی کا ڈھونگ بھی رچایا اور لشکریوں کو خوش خبری دی تھی کہ اسلام پرست اس تیسری جنگ میں بھی ان کے ہاتھوں ذلت کی شکست اٹھائیں گے' مگر سجاح جانتی تھی کہ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں اور فریب دینے کی ترکیبیں تھیں۔ اس وقت مسیلمہ کا چہرہ پھیکا پھیکا سا تھا اور وہ اکھڑی اکھڑی گفتگو کر رہا تھا۔ اسے اپنے لشکر اور اپنے پیروکاروں پر اعتماد تھا مگر حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر کو

اپنے سامنے صف آرا دیکھ کر اس میں عجیب طرح کی گھبراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے پہلے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ اب انہوں نے ہر حصہ کو مزید دو حصوں میں تقسیم کر دیا اس طرح مہاجرین و انصار کی دو فوجیں اور عرب بدوی قبائل کی دو فوجیں تیار ہو گئیں۔ انہوں نے صف بندی اس طرح کی کہ میمنہ کے پیچھے پہلے مہاجرین و انصار کے دستوں کو لگایا' اس کے بعد بدوی فوج کی صفیں مقرر کیں اسی انداز میں انہوں نے میسرہ بھی ترتیب دیا۔ حضرت خالدؓ خود قلب فوج میں ٹھہرے' انہوں نے اپنے ساتھ مہاجرین و انصار اور بدوی فوج کے کے مشترکہ دستوں کو رکھا۔ حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کو حسب ضرورت جنگ میں شرکت کا حکم دے کر ایک الگ جگہ جو ذرا بلند حصہ تھا' وہاں پر تعینات کر دیا۔ لشکر کی صف بندی کے بعد انہوں نے مسیلمہ کے لشکر پر نظر ڈالی۔ مسیلمہ کا عظیم لشکر نہایت اعلیٰ قسم کے سامان حرب سے آراستہ دور دور تک صفیں باندھے کھڑا تھا۔ مسیلمہ کذاب انہیں نظر نہ آیا مگر قلب فوج کی ترتیب سے انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ مسیلمہ بھی قلب فوج میں کسی جگہ موجود ہے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید نے اپنے نائب کو کمان سنبھالنے کا حکم دیا اور خود گھوڑا چمکا کر قلب لشکر سے نکل کر مسیلمہ کے لشکر کی طرف چلے اور قریب پہنچ کر گھوڑے کو روکا۔ رجز خوانی شروع کی اور نعرہ لگایا۔

"اے مرتدین اور مشرکین تمہارے لشکر میں ہے کوئی بدقسمت جو ولید کے بیٹے خالدؓ کے مقابلے میں آ کر جہنم کا پروانہ حاصل کرے۔ اے لشکر کفار! میں اپنے حسب نسب کے بیان سے تمہیں مرعوب نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے کہ اسلام نے حسب و نسب کو صرف اس لئے برقرار رکھا کہ قبائل کی شناخت ہو سکے ورنہ عظیم صرف وہی ہے جو جتنا متقی ہے' اس لئے خالدؓ صرف ولید کا بیٹا ہے اور اسلام کا ایک ادنیٰ غلام۔"

حضرت خالدؓ بن ولید کی آواز میدان جنگ میں اس طرح گونجی جس طرح شیر کی آواز جنگل میں گونجتی ہے۔ مسیلمہ کذاب کے پہلو میں کھڑی ہوئی سجاح بنت حارثہ نے یہ آواز سنی تو سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ مسیلمہ کذاب بذات خود ایک بہادر سردار

تھا مگر حضرت خالدؓ کے سامنے آنے سے ہچکچاتا تھا۔ اس نے اپنے لشکر پر نظر ڈالی۔ پورے لشکر کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ جب اس کے لشکر سے حضرت خالدؓ کے مقابلے پر کوئی نہ نکلا تو مسیلمہ نے سجاح کو دیکھا جیسے وہ اس سے اجازت طلب کر رہا ہو۔ سجاح اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے اپنا گھوڑا بڑھا کر اس کے گھوڑے کے سامنے آ گئی اور بڑے بارعب آواز میں بولی۔

"مسیلمہ! تم یہ کیوں بھولتے ہو کہ تم امیر لشکر ہی نہیں' بلکہ نبی بھی ہو (استغفر اللہ) اور ایک نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایک ایسے شخص کے مقابلہ پر جائے جس کا کوئی نبی نہ ہو۔"

مسیلمہ تو دل ہی سے یہ چاہتا تھا۔ اس نے فوراً سجاح بنت حارثہ کی بات مان لی۔ سجاح بنت حارثہ نے اپنے لشکر کے سردار اعلیٰ کو اشارہ کیا۔ اس نے حکم پاتے ہی گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دم کے دم میں حضرت خالدؓ کے مقابلہ پر پہنچ گیا۔ سجاح کا یہ سردار نصرانی نسل سے تھا اور رومی طریقہ جنگ کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ہاتھو میں ایک بھاری اور لانبا نیزہ تھا۔ حضرت خالدؓ کے دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں تھیں اور ان کا نیزہ زمین میں گڑا ہوا تھا۔ انہوں نے مدمقابل کو نیزہ لے کر آتے دیکھا تو چاہا کہ ایک تلوار پھینک کر نیزہ کھینچیں مگر نصرانی سردار نے انہیں نیزہ نکالنے کا موقع نہ دیا اور ان کے سر پر پہنچ گیا اور جاتے ہی حضرت خالدؓ پر نیزے کا وار کیا۔ حضرت خالدؓ نے تیزی سے گھوڑے کو گھما کر اس کا وار خالی کر دیا۔ نصرانی جھونک کھا کر آگے نکل گیا۔ وہ پلٹ کر دوبارہ حملہ آور ہوا مگر اس وقت تک حضرت خالدؓ بھی اپنا نیزہ نکال چکے تھے۔ انہوں نے نیزے کا وار نیزے سے روکا اور دونوں نیزے آپس میں الجھ گئے۔ حضرت خالدؓ نے اپنے نیزے کو گھما کر کچھ اس طرح جھٹکا دیا کہ نصرانی سردار کے ہاتھ سے نیزہ چھوٹ کے دور جا گرا مگر حضرت خالد کا نیزہ بھی اس کوشش میں ان کے ہاتھ سے گر گیا۔ اب دونوں سردار تلواریں سوت کر ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گئے۔ تلوار سے تلوار ٹکرائی۔ دو شعلے ایک دوسرے کے گلے لگے اور پھر الگ ہو گئے۔ لوہے سے لوہا ٹکرا رہا تھا۔ کھٹاکھٹ کی آوازیں فضا میں بلند ہو رہی تھیں۔

دونوں لشکر دم بخود کھڑے یہ لڑائی دیکھ رہے تھے۔ نصرانی سردار کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرے میں ڈھال مگر خالدؓ بن ولید کی یہ شان تھی کہ ان کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ وہ خود کو عام طور پر ڈھال سے بے نیاز رکھتے تھے۔ بائیں ہاتھ کی دوسری تلوار ان کی ڈھال کا کام کرتی تھی اور موقع پا کر بجلی کی طرح دشمن کے جسم میں پیوست ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی ایسا ہی موقع آیا۔ نصرانی سردار نے تلوار اپنے سر سے بلند کی اور بائیں جانب کی جھکائی دے کر دائیں طرف وار کیا۔ یہ وار اتنا خطرناک تھا کہ اگر حضرت خالدؓ ماہر شمشیرزن نہ ہوتے تو دھوکا کھا جاتے مگر ان کی نظریں ہمیشہ اپنے مقابل کی کلائی پر جمی رہتی تھی۔ جیسے ہی نصرانی سردار کی کلائی بائیں سے دائیں گھومی حضرت خالدؓ نے بائیں ہاتھ کی تلوار کو ڈھال بنا کر اونچا کر دیا۔ نصرانی کی تلوار حضرت خالدؓ کی تلوار سے الجھ گئی۔ حضرت خالدؓ کے لئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ انہوں نے دائیں ہاتھ کو جنبش دے کر تلوار کو یوں لہرایا جیسے بجلی چمکتی ہے۔ تلوار لہراتی ہوئی نصرانی کے سینہ پر پہنچی' اس نے ڈھال کا سہارا لینا چاہا مگر اس وقت تک حضرت خالدؓ کی تلوار نصرانی کے سینہ بند کی کڑیاں کاٹ چکی تھی۔ حضرت خالدؓ نے "سیف اللہ" کا نعرہ لگایا اور تلوار کو زور دیا جو نصرانی کا سینہ چیرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ نصرانی زین سے لٹک گیا۔ سجاح بنت حارثہ اس منظر کی تاب نہ لا سکی اور ایک سرد آہ کھینچ کر مسیلمہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر سہارا لیا۔

حضرت خالدؓ سیف اللہ نے نصرانی کو ختم کر کے اپنے گھوڑے کا منہ پھر مسیلمہ کی طرف پھیرا اور چیخ کر کہا۔ "کون ہے جو سیف اللہ کے مقابلے پر آنے کی جرات کرے؟"

مسیلمہ کا لشکری جو دونوں کے مقابلہ کے دوران کبھی کبھی نصرانی سردار کے کسی حملہ پر نعرہ لگا دیتے تھے اب بالکل دم بخود تھے۔ کسی کو حضرت خالدؓ کے مقابلہ پر جانے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ مسیلمہ کی پیشانی پر شاید ندامت کا پسینہ آ گیا۔ اس نے اپنے ان سرداروں کی طرف ملتجی نظروں سے دیکھا جو جاں نثاری کے دعویدار تھے اور مسیلمہ کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار تھے۔ آخر ایک دیو قامت سردار کو شرم آ گئی۔

اس نے حضرت خالدؓ کی دعوت مبارزت قبول کی اور گھوڑا بڑھا کر مسیلمہ کے پاس اجازت طلب کرنے آیا۔ مسیلمہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اس نے محبت سے سوار کی پیٹھ تھپتھپائی اور اجازت دے دی۔ یہ دیو سر سے پیر تک آہن میں غرق جھومتا ہوا اور سانڈ کی طرح ڈکارتا گھوڑا دوڑاتا ہوا حضرت خالدؓ کے قریب آیا اور نہایت گستاخی سے بولا۔ "اے ولید کے نادان بیٹے اور ان دیکھے خدا کے پجاری! اپنے آپ پر رحم کھا اور سچے نبی مسیلمہ بن ثمامہ پر ایمان لا ورنہ تیری لاش کے اتنے ٹکڑے کروں گا کہ تیرے ساتھی اس کا شمار بھی نہ کر سکیں گے۔"

حضرت خالدؓ اس پہاڑ جیسے انسان کے سامنے بہت پستہ قد دکھائی دیتے تھے۔ اس گستاخی پر انہیں غصہ تو بہت آیا مگر مسلمان کو غصہ سے روکا گیا ہے پھر لڑائی کے دوران تو غصہ کرنے سے لڑائی کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے صبر کرتے ہوئے بڑی ملامت سے اسے جواب دیا۔

"جس ان دیکھے خدا کا میں پجاری ہوں اسی نے تجھے یہ شہزوری اور طاقت دی ہے۔ اس ان دیکھے اللہ کا شکر بجا لا اور جھوٹے نبی کے فریب سے نکل کر اسلام کا دامن تھام لے ورنہ تو سیف اللہ کی تلوار سے بچ کر نہ جا سکے گا۔"

مرتد سردار نے ایک شیطانی قہقہہ بلند کیا۔ گھوڑے کو پیچھے لے جا کر ایڑ لگائی۔ نیزہ سیدھا کیا اور حضرت خالدؓ کے سینہ کو نشانہ بناتے ہوئے گھوڑے کو بھگاتا بالکل ان کے سر پر آگیا۔ حضرت خالد نے وار خالی دینے کے لئے گھوڑے کو ذرا سی جنبش دی۔ اپنا نیزہ اوپر اٹھا کر چاہا کہ نیزے سے نیزے کو ٹکرائیں مگر مدمقابل کا گھوڑا تا تیز رفتار تھا کہ حضرت خالدؓ کا نیزہ اس کے نیزہ سے چھو گیا جس سے ان کا سینہ تو بچ گیا مگر دشمن کا نیزہ ان کے شانے پر کرتے کو ادھیڑتا ہوا نکل گیا۔ اب حضرت خالدؓ نے بڑی برق رفتاری کے ساتھ گھوڑا موڑا اور قبل اس کے کہ دشمن گھوڑا روک کر واپس ہو سکے' حضرت خالد کا نیزہ اس کی پشت میں داخل ہو گیا تھا۔ دیو پیکر مرتد نے ایک دلدوز چیخ ماری اور اس کا سر آگے کی طرف لٹک گیا تھا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ مسیلمہ اور سجاح بنت حارثہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور زخمی سردار

کا گھوڑا اپنے دیو قامت سوار کو جس کی پشت سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا لے کر مسیلمہ کی طرف بھاگا۔

حضرت خالدؓ اپنا گھوڑا بڑھا کر پھر اسی جگہ آ گئے جہاں سے کھڑے ہو کر انہوں نے دعوت مبارزت دی تھی۔ اس دفعہ انہوں نے براہ راست مسیلمہ کو مخاطب کیا۔

"اے کذاب! اے جھوٹے نبی! ناحق خلق خدا کا خون بہاتا ہے۔ نبوت کا داعی ہے تو میرے مقابلے پر آ۔ ابھی معلوم ہو جائے گا کون جھوٹا اور کون سچا ہے۔"

مسیملہ کو اس للکار پر بڑا غصہ آیا اور جوش پیدا ہوا۔ اس نے تلوار نیام سے کھینچی اور چاہا کہ مقابلہ پر نکلے مگر سجاح نے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی راسیں پکڑ لیں اور بولی۔ "مسیلمہ! کیا غضب کرتے ہو ایک تلوار کا مقابلہ ایک تلوار سے کیا جاتا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ خالدؓ کے ہاتھ میں دو تلواریں ہیں۔ دو خالدوں سے ایک مسیلمہ کا مقابلہ دانش مندی نہیں۔"

مسیلمہ نے حیرت سے سجاح کو دیکھا۔ سجاح کی باتوں میں اتنی صداقت تھی کہ مسیلمہ کا غصہ اور جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ سجاح یہ سمجھی کہ شاید مسیلمہ اس کی بات ماننے کو تیار نہیں اور آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ اس خیال کے تحت اس نے جواب کا انتظار کئے بغیر پھر کہا۔ "مسیلمہ! اگر تم خالد کے مقابلے سے باز نہیں آتے تو پھر مجھے اجازت دو۔ میں تم پر قربان ہونا چاہتی ہوں۔"

مسیلمہ میں حضرت خالدؓ کے مقابلے کی ہمت نہ تھی مگر وہ سوچ رہا تھا کہ کیا تدبیر کی جائے کہ مقابلہ نہ ہو اور اس کی عزت بھی بچ جائے۔ مکار سجاح کی نظریں مسیلمہ کے چہرے پر تھیں اور وہ جواب کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ ادھر حضرت خالدؓ بار بار مسیلمہ کی غیرت کو للکار رہے تھے۔ سجاح نے موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے مسیلمہ کے بالکل قریب ہو کر آہستہ سے کہا۔ "مسیلمہ جلدی سے عام حملہ کا حکم دو' ورنہ ------"

مسیلمہ جیسے خواب سے چونک پڑا کیوں کہ یہی وہ تدبیر تھی جس سے اس کا وقار کچھ دیر کے لئے بچ سکتا تھا۔ اس نے فوراً" عام حملہ کا حکم دے دیا۔ نقاروں اور

تاشوں پر چوٹ پڑی اور مسیلمہ کا لشکر حرکت میں آ گیا۔ حضرت خالدؓ کو معلوم ہو گیا کہ مسیلمہ نے خود کو بچانے کے لئے طبل جنگ بجوا دیا ہے۔ وہ مجبوراً" گھوڑا گھما کر اپنے لشکر میں آ گئے اور پھر تیر اندازوں کو اشارہ کر کے اپنے لشکر کو لے کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کیا۔

مسیلمہ کا چالیس ہزار کا لشکر ایک ساتھ آگے بڑھا تو یوں محسوس ہوا جیسے ٹڈی دل میدان میں اتر آیا ہے۔ حضرت خالدؓ کے مقابلے پر اس نے دفاعی جنگ کا فیصلہ کیا تھا مگر عین وقت پر اس نے اپنا یہ فیصلہ تبدیل کر دیا اور جارحانہ انداز اختیار کیا۔ حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر کو آہستہ آہستہ آگے بڑھایا تھا تاکہ صفیں برقرار رہیں اور مسیلمہ کا پہلا ار جم کر روکا جا سکے مگر مسیلمہ اپنے دائیں بائیں بازوؤں کو لے کر اتنی تیزی سے بڑھا کہ اسلامی لشکر کو روکنے میں انہیں بڑی مشکل پیش آئی۔ دونوں طرف تیروں کی بارش ہو رہی تھی جن کے سائے میں فوجیں ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔ مسیلمہ کذاب----- خود لشکر کی کمان کر رہا تھا' اس کے ساتھ سجاح بنت حارثہ بھی تھی جو اپنے جوانوں کا دل بڑھا رہی تھی اور وہ بڑے جوش سے ڈھالوں کو آگے کئے ہوئے تیر روکتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب دونوں فوجیں آپس میں مل گئیں تو تیر اندازی بند ہو گئی اور تلواروں کی بجلیاں چمکنے لگیں۔

اب میدان میں گھوڑوں کی ہنہناہٹ' تلواروں کی کھٹاکھٹ اور زخمیوں کی چیخ پکار بلند ہوئی۔ انسانی اعضاء کٹ کٹ کر گرنے لگے گھوڑے زخمی ہو کر بے قابو ہو گئے اور اپنے ہی سواروں اور پیدل فوج کو روندنے لگے۔ ایک قیامت تھی جو اس میدان میں بپا تھی۔ مسلمان ایک ایسے دشمن کے سامنے موجود تھے جو نہ صرف اسلام پرستوں کا سب سے بڑا مخالف تھا بلکہ جس نے دعویٰ نبوت کر کے اسلام کی پشت میں خنجر مارا تھا۔ اس لئے مسلمان کوشش کر رہے تھے کہ اس کافر اعظم اور اس کے لشکر کو ختم کر کے اللہ کے دین کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیں۔ دوسری طرف مرتدین اور روسائے یمامہ جنہیں اپنی طاقت پر ناز تھا اور جنہوں نے دامے درمے اور سخنے ہر طرح سے

مسیلمہ کی مدد کی تھی' چاہتے تھے کہ حضرت خالدؓ بن ولید کو شکست ہو تاکہ مسلمانوں کی طاقت ختم ہو جائے اور وہ اپنی پرانی وحشیانہ زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزار سکیں۔ یمامہ کا علاقہ نجد سے لے کر خلیج فارس تک پھیلا ہوا تھا اور عربوں کی سب سے زیادہ دولت اسی حصہ میں موجود تھی۔ چنانچہ مسیلمہ کے لشکری بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ بنو حنیفہ کے رئیسوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کے سر کی بہت بڑی قیمت مقرر کی تھی کیونکہ خالد کو اسلامی لشکر کا سب سے بڑا ستون خیال کیا جاتا تھا۔

حضرت خالدؓ قلب فوج میں موجود تھے۔ وہ خود دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہے تھے اور اپنے دستوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ وہ جدھر کا رخ کرتے مسیلمہ کے دستوں میں تہلکہ مچ جاتا مگر مرتدین کے لشکر کی کثرت انہیں آگے بڑھنے سے ہر بار روک دیتی' اسی دوران مسیلمہ نے جو قلب فوج میں موجود تھا اپنے سرفروش دستوں کو حکم دیا کہ قلب فوج میں گھس کر حضرت خالدؓ کو قتل کر دیں یا گرفتار کر لیں۔ مسیلمہ کے پندرہ ہزار سرفروشوں کا ریلا اتنی طاقت سے مسلمانوں کے قلب پر حملہ آور ہوا کہ اسے روکنا مشکل ہو گیا اور اسلامی لشکر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ اسلامی لشکر کے قلب کی پسپائی کا دونوں بازوؤں پر بھی اثر پڑا مگر وہ کسی نہ کسی طرح اپنے قدم جمائے رہے۔ مسیلمہ کے دستے اسلامی دستوں کو مسلسل پیچھے دھکیل رہے تھے۔ ان کا دباؤ ہر لحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ مسیلمہ کی فوج مسلمانوں کو پیچھے دھکیلتی ہوئی حضرت خالدؓ کے خیمے تک لے آئی۔ مسلمانوں نے اگرچہ سردھڑ کی بازی لگا دی مگر دشمنوں کے آگے ان کی ایک نہ چلی اور وہ برابر پسپا ہوتے رہے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ جائیں اور انہیں بھی پہلے دو لشکروں کی طرح شکست کی ذلت برداشت کرنا پڑے کہ یکایک حضرت خالدؓ کے خیمہ کے پاس ایک آواز بلند ہوئی۔ "اے گروہ انصار!"

"اے گروہ انصار!"

"اے اجتماع مہاجرین اور اے اسلام کے بدوی پرستارو"

"جنگ بدر اور جنگ موتہ کے بہادرو! یہ خالدؓ کا خیمہ نہیں اسلام کا پرچم ہے۔"

اسے دشمنوں کے ہاتھوں میں مت جانے دو۔"

یہ گرجدار آواز تھی حضرت عمرؓ کے بھائی حضرت زیدؓ کی۔ اس آواز نے مسلمانوں کو جیسے خواب سے چونکا دیا۔ ان کے پیچھے ہٹتے ہوئے قدم رک گئے اور انہوں نے مسیلمہ کے اس طوفانی ریلے کو روک لیا۔ اب مسیلمہ نے تازہ دم دستوں کو کمک کے طور پر بھی بھیج دیا مگر مسلمانوں کے قدم اس طرح زمین پر جمے ہوئے تھے جیسے ان کے پیروں میں زنجیریں پڑ گئی ہوں۔ مسیلمہ جو اپنی فتح کو یقینی سمجھ رہا تھا وہ مسلمانوں کے اس طرح جم جانے سے پریشان ہوا اور اس نے ہرچند کوشش کی کہ اس کا لشکر حضرت خالدؓ کے خیمہ کو تہس نہس کر دے مگر اس کی ہر تدبیر بیکار ہو گئی۔ حضرت زیدؓ کے علاوہ حضرت ثابتؓ بن قیس اور حضرت ابو حذیفہؓ بھی میدان میں گھوڑے بھگا بھگا کر مجاہدین میں جوش و ولولہ پیدا کر رہے تھے۔ حضرت خالدؓ اور دیگر صحابیوں کی پرجوش تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمان پھر تازہ دم ہو گئے۔ انہوں نے اپنے سرداروں کو شجاعت و دلیری سے لڑتے دیکھا تو ان میں ایک نئی روح پیدا ہو گئی اور وہ دشمن کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح جم کر کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں کے قدم جماتے ہی جنگ میں تیزی آ گئی اور پھر دونوں طرف سے زوروشور سے حملے ہونے لگے مسلمانوں نے سنبھل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اس زور کا جوابی حملہ کیا کہ مسیلمہ کذاب کے سرفروش دستے کو جو حضرت خالدؓ کے خیمہ تک پہنچ آئے تھے وہ اس حملہ کی تاب نہ لا کر پسپا ہوئے۔ مسلمانوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے اپنا دباؤ اس قدر بڑھایا کہ دشمن کے یہ دستے پھر واپس اسی جگہ پہنچ گئے جہاں مسیلمہ موجود تھا۔

لیکن اللہ تعالیٰ شاید مجاہدین سے اب تک ناراض تھا۔ عکرمہؓ بن ابی جہل اور شرجیلؓ بن حسنہ نے خلیفہ کی حکم عدولی کر کے خدا کو ناراض کر دیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت جب مسلمان جوابی حملے کے قابل ہو گئے اور حضرت خالدؓ اپنی صفیں دوبارہ ترتیب دیکر مسیلمہ پر کاری ضرب لگانے والے تھے کہ میدان جنگ میں ریت کی تند و تیز آندھی کے جھکڑ چلنے لگے۔ آندھی کیا تھی ایک طوفان بلا تھا۔ ریت اس قدر اڑ رہی تھی کہ سانس لینا مشکل تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اس آندھی کا رخ

سیدھا اسلامی لشکر کی طرف تھا۔ ریت سے مجاہدین سخت پریشان ہوئے اور آگے بڑھنا تو الگ رہا انہیں اپنی جگہ کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔ مسیلمہ نے اسے اپنے حق میں تائید غیبی سے تعبیر کرتے ہوئے اپنے لشکر کو مسلمانوں پر ایک بڑا حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان آندھی اور ریت سے پہلے ہی پریشان تھے اس حملے نے ان میں سراسیمگی پیدا کر دی۔

لیکن اس وقت دریائے رحمت جوش میں آیا اور حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کو حکم ہوا کہ جاؤ اور اپنی شکست کا داغ دھو ڈالو۔ شرجیلؓ بن حسنہ جو اب تک جنگ میں تماشائی بنے کھڑے تھے انہیں محسوس ہوا جیسے کوئی ان کے کان میں کہہ رہا تھا کہ شرجیلؓ! آگے بڑھو، تمہیں اسی وقت کے لئے محفوظ رکھا گیا تھا۔ حضرت شرجیل نے باگیں اٹھائیں، اپنے دستوں کو اشارہ کیا اور سیدھے مسیلمہ کے قلب کی طرف بڑھے۔

ادھر حضرت زیدؓ، ثابتؓ بن قیس اور حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنے عمامے منہ اور آنکھوں پر ڈال لئے۔ اس طرح ریت ان کے منہ اور آنکھوں میں جانا بند ہو گئی۔ انہوں نے اس وقتی، ترکیب کا فوراً" اعلان کر دیا اور چلا چلا کر مسلمانوں سے کہا کہ آنکھوں اور منہ پر کپڑا لپیٹ لو۔ تمام مسلمانوں نے ان کی بات پر عمل کیا۔ اس ترکیب نے انہیں ریت کے طوفان سے بڑی حد تک نجات دلا دی اور تمام مجاہدین منہ پر کپڑا لپیٹ کر مسیلمہ کے لشکر پر پل پڑے، حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کے دستوں نے دوسری طرف مسیلمہ کے قلب میں آفت برپا کر دی۔ مسیلمہ ان تازہ دم دستوں کو دیکھ کر سمجھا کہ مسلمانوں کو تازہ دم کمک پہنچ گئی ہے۔ اس سے وہ بہت پریشان ہوا۔ جنگ کا نقشہ بڑی تیزی سے بدل رہا تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا تھا۔ کہاں مسیلمہ کے دستے حضرت خالدؓ کے خیموں تک پہنچ گئے تھے اور کہاں اب مجاہدین ان کو ڈھکیل کر مسیلمہ کے خیموں تک پہنچ گئے تھے۔ مسیلمہ کذاب اس صورت حال سے خوفزدہ ہو گیا اور اسے اپنی شکست نظر آنے لگی۔

آخر مسیلمہ نے سجاح سے کہا۔ "سجاح! جنگ کا کوئی پتہ نہیں بہتر ہے کہ تم حدیقتہ الرحمان واپس جاؤ اور جو دستے وہاں موجود ہیں انہیں ترتیب دے کر حدیقہ کی

حفاظت کا انتظام کرو۔ ممکن ہے ہمیں حدیقہ میں پناہ لینا پڑے۔"

سجاح نے بھی جنگ کا رنگ دیکھ لیا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ مسیلمہ کا لشکر زیادہ دیر تک مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے گا کیوں کہ سجاح کے خیال میں مجاہدین اسلام کسی مافوق الفطرت مخلوق کی مانند لڑ رہے تھے۔ انہیں نہ تو مسیلمہ کے لشکر کی افرادی قوت شکست دے سکی اور نہ ریت کا طوفان ان کا کچھ بگاڑ سکا۔ اس نے مسیلمہ کا کہنا بغیر کسی حجت کے مان لیا۔ وہ اس بات سے زیادہ ڈر رہی تھی کہ اس کے نبوت کے دعوے کی خبر بھی مسلمانوں کو مل چکی ہے اور حضرت خالدؓ اس کی تلاش میں بنو تمیم کے مالک بن نویرہ کے علاقوں کو تہ و بالا کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔ اس لئے اگر وہ حضرت خالدؓ کے ہاتھوں پڑ گئی تو اس کا انجام بڑا عبرت ناک ہو گا۔ چنانچہ اس نے اپنا گھوڑا موڑ لیا مگر چلتے چلتے مسیلمہ سے آہستہ سے کہا۔ "مسیلمہ! کیا بہتر نہیں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ حدیقہ ایک مضبوط قلعہ ہے۔ اس پر مسلمان آسانی سے قابو نہیں پا سکیں گے۔"

مسیلمہ نے سجاح کو کوئی جواب نہ دیا لیکن اس نے سجاح پر ایک ایسی نظر ڈالی جس میں ہزاروں حسرتیں اور امیدیں تھیں۔ سجاح کو محسوس ہوا جیسے مسیلمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں۔ اس لئے اس نے وہاں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور تیزی سے گھوڑا اڑاتی ہوئی **حدیقتہ الرحمان** کی طرف واپس ہوئی۔

حضرت خالدؓ اور مجاہدین اسلام کی بے مثال شجاعت اور حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کی تازہ کمک نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ مسلمانوں کا جوش بڑھتا چلا جا رہا تھا اور مسیلمہ کے لشکر میں ابتری پیدا ہو رہی تھی۔ وہ چلا چلا کر اپنے پیروکاروں کو فتح و نصرت کی بشارت دیتا لیکن جیسے اس وقت اس کی جھوٹی نبوت کے ماننے والے بہرے اور گونگے ہو گئے تھے۔ نہ تو ان پر مسیلمہ کی باتوں کا اثر ہو رہا تھا اور نہ اب وہ پہلے کی طرح وحشیانہ اور متکبرانہ نعرے لگا رہے تھے بلکہ اب تو ان میں جم کر لڑنے کی بھی طاقت نہ رہ گئی تھی اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جا رہے تھے۔ آخری مسیلمہ کے اعصاب پر شکست سوار ہو گئی۔ میدان جنگ میں اپنے لشکر کے اکھڑتے قدموں کو جمانے کے

بجائے خود مسیلمہ کے قدم اکھڑ گئے وہ مسلمانوں کے دباؤ کو برداشت نہ کر سکا اور پیچھے ہٹتا ہوا شہر کی فصیل تک آ گیا۔ اس نے شہر میں داخل ہو کر شہر کے چاروں دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا تاکہ مسلمان یمامہ کے شہر میں نہ داخل ہو سکیں۔ مگر مسلمان مسیلمہ کے لشکر کو مارتے کاٹتے ساتھ لگے آ رہے تھے اور قبل اس کے کہ دروازے بند ہوں۔ کئی ہزار مسلمان شہر میں داخل ہو گئے اور انہوں نے دروازے کے محافظوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح مسیلمہ' مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے سے نہ روک سکا لیکن مسیلمہ کو اس دوران اتنا موقع مل گیا کہ وہ اپنے لشکر کا بیشتر حصہ لے کر **حدیقتہ الرحمان** پہنچ گیا اور اس کا واحد دروازہ بند کر دیا گیا۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے بہت کوشش کی کہ وہ چند آدمیوں کے ساتھ حدیقہ میں داخل ہو جائیں مگر وہ اس کوشش میں ناکام رہے اور مسیلمہ ان کے ہاتھ سے بچ کر **حدیقتہ الرحمان** میں جو ایک مضبوط قلعہ تھا محفوظ ہو گیا۔ حدیقہ کی دیواریں پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھیں اور کافی بلند تھیں۔ دیواروں کی طرح اس کا گیٹ بھی بہت مضبوط تھا جسے توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ مسلمانوں کے جوش و خروش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ حضرت خالدؓ بن ولید محاصرہ کو طول نہیں دینا چاہتے تھے کیونکہ مسیلمہ کو وقت دینا اصول جنگ کے خلاف تھا اور ذرا سی غفلت سے جیتی ہوئی بازی ہاری جا سکتی تھی-----

باہر کی طرف سے حضرت خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ گیٹ کو توڑنے اور دیواروں میں شگاف ڈالنے کی تدبیریں کر رہے تھے اور اندر مسیلمہ کذاب اپنے باقی ماندہ لشکر کو از سر نو منظم کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ مسلمان جلد یا بدیر حدیقہ میں داخل ہو جائیں گے اس لئے وہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کے اندر آنے سے پہلے ہی وہ اپنی فوج کو اس طرح جگہ جگہ پھیلا دے کہ جب مسلمان اس قلعہ میں داخل ہوں تو ان پر چاروں طرف سے حملہ کیا جائے اور انہیں گھیر کر ختم کر دیا جائے۔ مسیلمہ نے میدان میں شکست کھائی تھی لیکن اس کے لشکر کا زیادہ جانی نقصان نہیں

ہوا تھا۔ جو کچھ نقصان ہوا تھا وہ حدیقہ میں موجود دستوں نے پورا کر دیا تھا اس لئے وہ اب بھی پر امید تھا۔ سجاح بنت حارثہ اس کے ساتھ ساتھ تھی اور ہر کام میں اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی لیکن وہ مسیلمہ کی طرح پرامید نہ تھی بلکہ قطعی طور پر دل چھوڑ چکی تھی اور اس نے شکست تسلیم کر لی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کوئی دم جاتا ہے کہ مسلمان حدیقہ میں داخل ہو جائیں گے اور پھر اس قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اب اسے قلعہ اور مسیلمہ سے زیادہ خود اپنی جان کی فکر تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کر کے سخت غلطی کی ہے اور اس غلطی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج اسے اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ اپنے اچھے دنوں کو یاد کر کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اپنے وطن میں کتنے آرام سے تھی۔ اسکے حسن بے مثال نے اس کے ہزاروں شیدائی پیدا کر دیئے تھے جو اس کے ابرو کے اشارے پر جان دینے کو تیار تھے لیکن اس نے ان عاشقوں کو اپنے ناز و غمزے دکھانے کے بجائے انہیں اپنی نبوت کے فریب میں مبتلا کر لیا لیکن اس کا انجام کیا ہوا۔ اس کے چاہنے والے آج بھی اس کے اردگرد پھیلے ہوئے تھے خود اس کا شوہر اپنے لشکر کے ساتھ اس کے قریب تھا مگر وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ رہی تھی اسے اپنی جان کی فکر تھی۔ اس کو بھی حدیقہ کے ہر کس و ناکس کی طرح اس وقت اپنی جان کی فکر دامن گیر تھی۔ وہ سب اپنے انجام سے بے خبر نہ تھے۔ مسیلمہ کو بھی اپنی موت نظر آ رہی تھی لیکن وہ ایک امید موہوم کے سہارے آخری بازی لگا رہا تھا۔ جان کی بازی، نام کی بازی اور جھوٹی نبوت کی بازی۔

حضرت خالدؓ کا لشکر حدیقہ کی دیواروں سے ٹکریں مار رہا تھا۔ لشکریوں میں جوش کے ساتھ ساتھ انتقام کا جذبہ بھی پیدا ہو گیا تھا کیوں کہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میدان جنگ میں پرزور نعرے لگانے والے حضرت زیدؓ، ثابتؓ بن قیس، اور حضرت ابو حذیفہؓ شہادت کے درجے پر فائز ہو چکے ہیں۔ لشکر ان کا بدلہ مسیلمہ کے جسم کے ٹکڑے کر کے لینا چاہتا تھا۔ اس لئے حدیقہ کے اندر داخل ہونا ضروری تھا۔

اس گھڑی ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک ایسا واقعہ جو تاریخ اسلام کا ایک

سنہرا باب بن گیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید ایک طرف کھڑے حدیقہ میں داخل ہونے کی تدبیر سوچ رہے تھے۔ ان کی نظریں آسمان کی طرف تھیں جیسے وہ حکم ربی کے منتظر ہیں اور کہہ رہے ہیں "اے رب! تو ہی یہ مشکل آسان کر سکتا ہے۔" اتنے میں حضرت براءؓ بن مالک جن کا تعلق انصار سے تھا، حضرت خالدؓ کے پاس آئے اور سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت خالد نے ان سے پوچھا۔ "براءؓ خاموش کیوں ہو کیا اللہ کی ذات سے نا امید ہو گئے؟"

حضرت براءؓ بن مالک نے سر اٹھایا اور ادب سے کہا۔ "اے امیر لشکر! ذات خداوندی سے نا امید ہونا تو میرے خیال میں کفر ہے۔"

حضرت خالدؓ نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور بولے۔ "اے براءؓ! پھر کس بات کی پریشانی ہے؟"

"ایک درخواست ہے لیکن ڈرتا ہوں کہ امیر لشکر اسے قبول نہیں کریں گے؟"

حضرت براء نے ڈرتے ڈرتے کہا اور پھر پر امید نظروں سے حضرت خالدؓ کو دیکھنے لگے۔

حضرت خالد کی سمجھ میں نہ آیا کہ حضرت براءؓ جو ایک انتہائی بہادر مجاہد ہیں وہ کیا درخواست کرنا چاہتے ہیں۔ میدان جنگ میں اور پھر اس موقع پر وہ کیا چاہتے ہیں۔ حضرت خالدؓ تھوڑی دیر تک ان کی صورت دیکھتے رہے پھر نرمی سے پوچھا۔ "کیا چاہتے ہو براءؓ۔ صاف صاف کہو؟"

حضرت براءؓ بن مالک نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "اے امیر لشکر! میری درخواست ہے کہ پتھر برسانے والے گپھے میں پتھر کے بجائے مجھے رکھ کر قلعہ کی دیوار پر پھینک دیا جائے یا تو شہادت پاؤں گا یا پھر محافظوں کو قتل کر کے قلعہ کا دروازہ کھول دوں گا۔"

حضرت خالدؓ نے فرط جوش سے حضرت براءؓ بن مالک کو آگے بڑھ کر چمٹا لیا اور دیر تک اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ پھر بولے "اے براءؓ بن مالک مجھے اس لشکر کی سرداری پر فخر ہے جس میں تم جیسے بہادر مجاہد موجود ہوں۔"

حضرت خالدؓ نے فوراً" کچھ اکابرین اور صحابہ کرامؓ جو اس وقت لشکر میں موجود تھے انہیں بلایا اور حضرت براءؓ بن مالک کی درخواست ان کے سامنے پیش کی۔ تمام لوگوں نے اس رائے سے اتفاق کیا مگر حضرت خالدؓ متذبذب تھے۔ انہوں نے صحابہؓ سے پوچھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت براءؓ شہید ہو جائیں اور خلیفہ مجھ سے سوال کریں کہ تم نے براءؓ کو خودکشی کی اجازت کیوں دی تھی۔ بظاہر حضرت براء کا یہ عمل خودکشی کے مترادف تھا۔ اس میں ایک فیصدی سے زیادہ' کامیابی کے امکانات نہ تھے۔ حضرت خالدؓ یہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت عکرمہؓ اور شرجیلؓ بن حسنہ کی طرح ان پر بھی خلیفہ کی حکم عدولی کا الزام آئے۔ چند پرجوش صحابیوں نے یہ رائے بھی دی کہ صرف تنہا براءؓ کو دیوار پر نہ پھینکا جائے بلکہ خود انہیں بھی اس بات کی اجازت دی جائے تاکہ کوئی نہ کوئی تو ضرور کامیاب ہو جائے۔ لیکن حضرت خالدؓ نے کسی کو اجازت نہ دی مگر جب تمام مشیروں نے بیک زبان اس بات سے اتفاق کر لیا تو حضرت براءؓ بن مالک کی اس ترکیب پر عمل کرنے کا انتظام کیا جانے لگا۔

حضرت خالدؓ نے اس وقت حدیقہ کے بڑے دروازے کے ایک جانب شدید حملہ کا حکم دیا تاکہ اس حملے کی مدافعت کرنے والے اس طرف متوجہ رہیں۔ جب مسیلمہ کے آدمی دوسری طرف مصروف ہوئے تو حضرت خالدؓ نے براءؓ ن مالک کو گپھا میں رکھ کر اوپر پھینکنے کا حکم دیا۔ حضرت براءؓ اپنی تلوار کو سمیٹ کر گپھا میں بیٹھ گئے۔ فصیل پر پتھر برسائے جا رہے تھے اور پھر حضرت براء" بھی ہوا میں قلابازیاں کھاتے ہوئے پتھر کی مانند فصیل کے اوپر سے گزر کر حدیقہ کے اندر کی طرف جا گرے۔ زمین پر گرتے ہی انہوں نے نیام سے تلوار نکالی اور دروازہ کی طرف بھاگتے ہوئے "اللہ اکبر" کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔ ان کے اس نعرے کا جواب باہر سے مسلمانوں نے نعرے لگا کر دیا۔

گیٹ کے محافظوں اور فصیل پر کھڑے مسیلمہ کے سپاہیوں کو یوں معلوم ہوا جیسے حدیقہ کے باہر اور اندر دونوں طرف مسلمان ہی مسلمان ہیں اور نعرے لگا رہے ہیں انہیں ایک اکیلے براءؓ کے بجائے اندر کی طرف سینکڑوں مسلمان نعرے لگاتے

دکھائی دیئے۔ حضرت براءؓ تلوار چلاتے ہوئے آن کی آن میں دروازے کے محافظوں کے سر پر پہنچ گئے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے محافظوں کے حواس پہلے ہی ٹھکانے نہ تھے اب حضرت براءؓ کو اپنے سامنے دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمان اندر داخل ہو چکے ہیں' اس دروازے کی حفاظت کرنا اپنی جان گنوانا ہے پس وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے ساتھ ہی فصیل کے محافظ بھی اوپر سے چھلانگ مار مار کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ حضرت براءؓ نعرے لگاتے ہوئے دروازے پر پہنچے۔ جن محافظوں نے انہیں روکنا چاہا۔ حضرت براءؓ نے ان کا کام تمام کر دیا اور دروازے کو مسلمانوں کے داخلہ کے لئے کھول دیا۔

حدیقتہ الرحمان کا دروازہ کھلتے ہی مسلمان لشکر تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔ ایک مسلمان نے فصیل پر چڑھ کر اذان دینا شروع کر دی اور دوسرے مسلمان نے حدیقہ کی فصیل پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔ مسیلمہ نے اپنے لشکر کی جو ترتیب قائم کی تھی وہ درہم برہم ہو گئی۔ مسلمان لشکری' حدیقہ کے خوبصورت باغات روندتے ہوئے چاروں طرف پھیل گئے اور مسیلمہ کے لشکریوں سے دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ کھیتوں' باغوں' روشوں' محلات کی راہداریوں میں الغرض ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں مجاہدین اور مسیلمہ کے لشکری دست و گریباں نہ ہوں۔ اس قدر چیخ پکار اور شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی اور نہ ایک کو ایک کی خبر تھی۔ مسیلمہ کے سپاہی گاجر مولی کی طرح کٹ رہے تھے مگر ہتھیار نہ ڈالتے تھے کیونکہ انہیں مسیلمہ نے فتح کی بشارت دی تھی اور اس وقت بھی وہ سجاح بنت حارثہ کی خواب گاہ کے سامنے کھڑا اپنے آدمیوں کو چیخ چیخ کر یہ یقین دلا رہا تھا کہ اس کی مدد کو فرشتوں کا لشکر آنے ہی والا ہے۔

سجاح خوابگاہ کے اندر اپنے جھوٹے مدعی نبوت شوہر مسیلمہ کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنے کی تدبیر کر رہی تھی۔ اس سلسلہ میں اس نے صرف اپنی کنیز لیلیٰ کو رازدار بنایا تھا۔ لیلیٰ کے ذریعہ اس نے اپنی فرار کا نہایت کامیاب منصوبہ پہلے تیار کر لیا تھا۔ سجاح نے میدان جنگ میں جو کچھ دیکھا تھا۔ وہ اس سے اندازہ کر چکی تھی کہ مسیلمہ

کی شکست یقینی ہے۔ اس لئے اس نے حدیقہ پہنچتے ہی سب سے پہلے اپنے فرار کا منصوبہ تیار کر لیا۔ اس منصوبے کے تحت حدیقہ کے لئے گیٹ کے باہر ایک محفوظ مقام پر دو تیز رفتار گھوڑے ضروری سامان خورد و نوش اور زر و جواہر کے ساتھ مہیا کر دیئے گئے تھے۔ ان گھوڑوں کے محافظ سجاح بنت حارثہ کے دو نصرانی نوجوان تھے جو واقعی سجاح سے محبت کرتے تھے اور اس کی خاطر جان کی بازی لگانے کے لئے تیار تھے۔ سجاح بنت حارثہ اور لیلیٰ نے اپنے قیمتی لباس اتار دیئے اور یمامہ کی عورتوں کے عام کپڑے پہن لئے جس کا انتظام پہلے ہی کر لیا گیا تھا۔ لباس کے اندر انہوں نے خنجر چھپا لئے تاکہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

لیلیٰ نے خوابگاہ کی وہ کھڑکی کھولی جو باغ کی طرف تھی اور پھر دونوں اس کھڑکی کے ذریعہ پچھلی طرف باغ میں اتر گئیں۔ باغ کے عقب تک ابھی جنگ نہ پہنچی تھی اور جگہ جگہ مسیلمہ کے سپاہی تلواریں سونتے پہرہ دے رہے تھے لیکن دوسری طرف سے جو آوازیں آ رہی تھیں ان سے وہ سخت پریشان تھے اور ہر آنے جانے والے سے باہر کا حال پوچھتے تھے۔ سجاح اور لیلیٰ ان کے پاس سے سادہ کپڑوں میں گزرنے لگیں تو انہیں کچھ شبہ گزرا اور ایک سپاہی ان کی طرف بڑھا۔ لیلیٰ نے فوراً کہا۔

"نوجوان! جانتے ہو ادھر کیا ہو رہا ہے؟"

بڑھتے سپاہی کے قدم لیلیٰ کے اس سوال پر ایک دم رک گئے اور اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا۔ اس وقت چند اور سپاہی ان دونوں کے پاس پہنچ گئے۔ سجاح کو گھبراہٹ پیدا ہوئی کہ کہیں کوئی اسے پہچان نہ لے مگر لیلیٰ نے اسے کہنی مار کر مطمئن کر دیا اور پھر سپاہیوں کو مخاطب کر کے بولی۔

"فرشتوں کی فوج اب تک ہماری مدد کو نہیں پہنچی۔ مسلمانوں نے **حدیقۃ الرحمان** کا صدر دروازہ توڑ کر اس پر اپنا جھنڈا لہرا دیا۔۔۔۔۔ ہمارے لشکر کو شکست ہو گئی ہے اور ہمارے نبی کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا ہے ہر جگہ قتل عام ہو رہا ہے۔ جاؤ بھاگو' اپنی اپنی جانیں بچاؤ۔ مسلمان دستے اس طرف آنے ہی والے ہیں۔"

لیلیٰ ان سے باتیں کرتی جاتی تھی اور تیزی سے سجاح کو گھسیٹتی ہوئی صدر دروازہ

کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سپاہیوں نے لیلیٰ کی باتیں سنیں تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ اس وقت دور سے اللہ اکبر کے نعرے کی آواز آئی۔

لیلیٰ نے جلدی سے کہا۔ "بھاگو بھاگو' مسلمان آ گئے۔"

اس آواز کے ساتھ ہی مسیلمہ کے سپاہیوں میں بھگدڑ پڑ گئی جس کا جس طرف منہ اٹھا جان بچانے کو بھاگ پڑا۔ سجاح اور لیلیٰ ان سے بچ کر گرتی پڑتی گیٹ تک پہنچ گئیں۔ اب مسئلہ گیٹ سے باہر نکلنے کا تھا لیکن گیٹ پر قبضہ ہو چکا تھا اور آمد و رفت بالکل بند تھی۔ سجاح اور لیلیٰ دروازے کے قریب درختوں کی آڑ میں کھڑی سوچنے لگیں' ان کی سمجھ میں کوئی ترکیب نہیں آ رہی تھی جب کہ پکڑے جانے۔۔۔۔۔ کا خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر لیلیٰ نے سجاح کو کچھ سمجھایا اور پھر دونوں صدر دروازہ کی طرف اس طرح بڑھیں جیسے سجاح درد سے بیتاب ہے اور لیلیٰ اسے سہارا دیئے ہوئے ہے۔ سجاح کے منہ سے سسکیاں اور چیخیں نکل رہی تھیں اور لیلیٰ اسے تسلی دیتی ہوئی آہستہ آہستہ صدر دروازے میں داخل ہوئی۔ مسلمان محافظوں نے انہیں دیکھا تو ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور پھر مطمئن ہو کر انہیں راستہ دے دیا۔ ان کے دل میں اسلامی انسان دوستی کا جذبہ بھی ابھرا کیوں کہ مسلمان' بیماروں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں خواہ وہ بیمار ان کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اس جذبہ کے تحت ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر بڑے ادب سے کہا۔ "بہنو! اگر کہو تو ہم تمہارے لئے کسی سواری کا انتظام کر دیں۔"

مکار لیلیٰ نے فوراً جواب دیا۔ "بھائی! تمہارا بہت بہت شکریہ۔ یہ سامنے ہی ہماری نانی اماں کا گھر ہے۔ ہم چلے جائیں گے۔"

اس طرح سجاح بنت حارثہ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اب اپنی جان بچاتی پھر رہی تھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے صاف بچ کر نکل گئی تھی۔

حدیقۃ الرحمان کے اندر لڑائی کا دائرہ تنگ ہوتا جا رہا تھا اور مسلمان آہستہ آہستہ تمام محلات اور باغات پر قبضہ کر رہے تھے' مسیلمہ کے محل خاص پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ انہوں نے محل کا کونہ کونہ چھان مارا مگر مسیلمہ کہیں نظر نہ

آیا۔ مسیلمہ اس وقت سجاح بنت حارثہ کے محل میں تھا اور اس کے جان فروش دستے اس کے گرد گھیرے ڈالے ہوئے تھے۔ مسلمان جوش جہاد میں لڑتے ہوئے اس محل کی راہداریوں کے قریب پہنچ گئے جس میں مسیلمہ کذاب چھپا ہوا تھا۔ اس محل کے اردگرد بڑی سخت لڑائی ہوئی اور لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ مسیلمہ کے سرفروش دستے دیوار کی طرح مسلمانوں کے آگے کھڑے تھے اور سخت مزاحمت کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے اس مقام پر اتنے مرتدین کو قتل کیا کہ ان کے ہاتھ شل ہونے لگے مگر مرتدین کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اس قتل عام کے باوجود اب بھی ان کی کثیر تعداد راہداریوں میں پھیلی ہوئی' مسلمانوں کو اندر داخل ہونے سے روک رہی تھی۔

حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر میں بہت بڑے بڑے صحابہؓ اور عرب کے نامور سردار شامل تھے۔ ان میں حبشی نژاد حضرت وحشیؓ بھی شامل تھے۔ یہ وہی وحشیؓ ہیں جنہوں نے جنگ احد میں آنحضرتؐ کے خلاف جنگ کی تھی اور دوران جنگ ساقی حجاج حضرت حمزہ پر تاک کر ایسا نیزہ کھینچ مارا تھا جو ان کی ناف سے پار ہو کر ان کی شہادت کا باعث ہوا تھا جنگ احد کے خاتمے پر حضرت وحشی ایمان لے آئے تھے اور حضور نے انہیں معاف کر دیا تھا لیکن حضرت وحشیؓ اپنے فعل پر سخت نادم تھے اور موقع کی تلاش میں تھے کہ کسی طرح اس گناہ عظیم کا کفارہ ادا کریں' انہیں جب حضرت خالد کے دستوں کی روانگی کا علم ہوا تو وہ ایک مجاہد کی حیثیت سے اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ اگر وہ کسی کافر اعظم کو قتل کر دیں تو حضرت حمزہؓ کا داغ ان کے دامن سے مٹ سکتا ہے۔ چنانچہ مسیلمہ کے خلاف جنگ میں وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ انہوں نے اس خونی نیزے کو صیقل کر کے اپنے ساتھ رکھا تھا اور فیصلہ کر لیا کہ اگر انہیں موقع مل گیا تو اسی نیزے سے مسیلمہ کا خاتمہ کر کے اپنا داغ مٹا ڈالیں گے۔

اگر انسان کسی کام کا صدق دل سے ارادہ کر لے تو خدا بھی اس کی مدد کرتا ہے اور اس کام کے تکمیل کے لئے راہیں نکال دیتا ہے۔ حضرت وحشیؓ کو جب معلوم ہوا کہ مسیلمہ کذاب اسی محل میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے تو ان کے دل کی جیسے مراد بر

آئی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ آج اس نیزہ کو کام میں لاؤں گا اور مسیلمہ تک ضرور پہنچوں گا۔ خواہ اس میں جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ پس وہ نیزے کو سنبھالے' جان ہتھیلی پر رکھے' ایک طرف سے محل کی راہداری پر چڑھ گئے اور پھر دیوانوں کی طرح ہر کمرے میں مسیلمہ کو ڈھونڈنے لگے۔ ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا جو بھی ان کی صورت دیکھتا بھاگ کر سامنے سے ہٹ جاتا۔ اس عالم میں کافی دیر بھاگتے پھرنے کے بعد انہیں ایک ستون کی آڑ میں مسیلمہ کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے گرد بہت سے سرفروش تھے ان سب کو ختم کرنا حضرت وحشیؓ کے لئے ناممکن تھا۔ حضرت وحشیؓ لڑتے بھڑتے تھوڑا اور اس کے قریب پہنچ گئے۔ اب انہوں نے ایک قدرے بلند جگہ کا انتخاب کیا اور اس پر چڑھ گئے۔ اوپر پہنچ کر انہوں نے مضبوطی سے اپنے قدم جمائے------ نیزہ (حربہ) اوپر اٹھایا' اسے تولا۔ پھر مسیلمہ کے سینے کا نشانہ لے کر پوری قوت سے اس پر کھینچا مارا۔ نیزہ تیر کی طرح سیدھا مسیلمہ کے سینے پر لگا اور پار ہو گیا۔ مسیلمہ کی چیخ بھی نہ نکل سکی اور وہ زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔

حضرت وحشیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور پھر خوشی کے عالم میں راہداری میں اتر کر ناچنے لگے۔ ان کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا۔ "مسیلمہ کو میں نے قتل کر دیا۔" وہ بار بار یہ جملہ ادا کرتے پوری راہداری میں بھاگتے پھر رہے تھے۔ اس وقت ایک انصاری نوجوان بھی مسیلمہ تک پہنچ گیا۔ مسیلمہ کے سینے میں نیزہ پیوست تھا اور وہ تڑپ رہا تھا۔ اس کے ساتھی اسے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے مگر انصاری جوان نے انہیں اس کا موقع نہ دیا۔ شدید حملہ کر کے انہیں بھگا دیا اور پھر مسیلمہ کے سر پر تلوار کا وار کر کے اسے بالکل ٹھنڈا کر دیا۔

مسیلمہ کے مارے جانے کی خبر پھیلتے ہی اس کے لشکریوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے انہیں چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ بالاخر دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ حضرت خالدؓ نے جنگ بند کرنے کا حکم دیا۔ اب انہیں مدعیہ نبوت سجاح بنت حارثہ کی تلاش تھی۔ انہوں نے محل کے کونے کونے میں اس کو ڈھنڈوایا مگر اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اس کے بچ کر نکل جانے کا

حضرت خالدؓ کو بڑا افسوس ہوا۔ انہوں نے سجاح کی تلاش میں دور دور تک سواروں کو بھیجا مگر اس کا پتہ نہ چل سکا۔

اس قلعہ نما باغ کا نام مسیلمہ کی نسبت سے **حدیقتہ الرحمان** رکھا گیا کیونکہ مسیلمہ خود کو رحمان الیمامہ کہلواتا تھا۔ لیکن اس جنگ میں چونکہ ہزار ہا مرتدین ہلاک ہو گئے تھے اس لئے اس باغ کو **حدیقتہ الموت** یعنی باغ موت کہا جانے لگا۔ اس جنگ میں مسلم شہداء کی تعداد تقریباً" تیرہ سو تھی۔ جن میں تین سو ساٹھ مہاجر' تین سو انصار اور چھ سو بدو شامل تھے جبکہ دشمن کے ہلاک ہونے والوں کی تعداد اکیس ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ حضرت خالدؓ نے اس عظیم فتح کی خبر تیز رفتار سوار کے ذریعے دربار خلافت میں بھجوائی۔ مدینہ میں جب اس فتح کی خبر پہنچی تو لوگ مسرت سے جھوم اٹھے۔ انہوں نے شکرانے کے طور پر نمازیں ادا کیں اور ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ حضرت ابوبکرؓ اور تمام صحابہ کرامؓ اور اکابرین مدینہ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو پیغام بھیجا کہ مسیلمہ کذاب کے تمام لشکر کو قتل کر دیا جائے تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور باقی مرتد قبائل کو عبرت حاصل ہو مگر اس دوران حضرت خالدؓ بن ولید نے قبیلہ بنو حنفیہ کی درخواست پر ان سے صلح کر لی تھی' اور انہیں جان کی اماں دے دی تھی۔ دربار خلافت کو اس کی اطلاع ہوئی اور حضرت خالدؓ بن ولید کا فیصلہ بحال رکھا گیا جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور بنو حنفیہ نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔

مدعیہ نبوت اور مسیلمہ کذاب کی بیوی اپنی کنیز لیلیٰ کے ساتھ بیمار کی صورت میں حدیقہ سے باہر نکلی اور بغیر کسی رکاوٹ کے ان گھوڑوں تک پہنچ گئی جو اس موقع کے لئے محفوظ رکھے گئے تھے۔ دونوں نے گھوڑوں کی رکابیں سنبھالیں اور پھر سر پر پیر رکھ کر یمامہ سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ تیز رفتار اصیل گھوڑوں نے انہیں بہت جلد یمامہ کی حدود سے باہر پہنچا دیا۔ اب وہ خطرے سے دور تھیں۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور منزل کا تعین کر کے پھر چل پڑیں۔

تاریخ یعقوبی کے مطابق سجاح بنت حارثہ بصرہ پہنچ گئی اور وہاں گمنامی کی زندگی میں مر گئی۔ بعض روایتوں میں لکھا ہے کہ سجاح آخر میں مسلمان ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆